بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَنزِلُ الرَّحمَةُ عِندَ ذِکرِ الاَخیَارِ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَالمِنة

بنام شاہِ جیلانی طرازم بشرح معنوی اسرار سازم

صحیفۂ غوثیہ

﴿ شرح نظم ونثر: اردو ﴾

قصیدۂ غوثیہ

﴿ شارح ﴾

شمسِ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہتاب طریقت سہروردیہ امام السالکین، وارث ختم المرسلین،

عالمِ فروغ واصول، فاضلِ معقول ومنقول، واقفِ اسرار خفی وجلی

شیخ الاسلام حضرت ابو الفیض سیّد قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَنزِلُ الرَّحمَۃُ عِندَ ذِکرِ الاَخیارِ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَالمِنۃ

بنام شاہِ جیلانی طرازم بشرح معنوی اسرار سازم

صحیفۂ غوثیہ

﴿شرح نظم ونثر: اردو﴾

قصیدۂ غوثیہ

﴿شارح﴾

شمسِ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہتاب طریقت سہروردیہ امام السالکین، وارث ختم المرسلین،

عالمِ فروع واصول، فاضلِ معقول ومنقول، واقفِ اسرار خفی وجلی

شیخ الاسلام حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

GIM

گلوبل اسلامک مشن

ملک ○ انک

نیویارک یو ایس اے

نام کتاب: صحیفہء غوثیہ (شرح نظم ونثر: اردو) قصیدہء غوثیہ

شارح: حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

کمپوزنگ: الناصر پبلی کیشنز و مکتبہء نعیمیہ، کراچی، پاکستان (0300-208-0345)

تزئین و آرائش: غزالہ احمد (نیویاک، یو ایس اے)

ناشرِ اوّل: مرکزی مجلس سہروردیہ (رجسٹرڈ) لاہور، پاکستان --- جون/ ۱۹۹۰ء

ناشر: گلوبل اسلامک مشن، انک (نیویارک، یو ایس اے)

طباعت: فروری ۲۰۱۹ء تعداد: دو۲ ہزار

ملنے کے پتے

۱-- آستانہء عالیہ سہروردیہ (قبلہ باباجی میاں غلام محمد سہروردی رحمۃ اللہ علیہ)
حیات گڑھ شریف، جلال پور جٹاں، گجرات، پاکستان

صاحبزادہ میاں اعجاز احمد سہروردی
0300-621-5130

۲-- دربارِ عالیہ سہروردیہ سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہ
ملتان روڈ، ہنجر وال، لاہور، پاکستان

سید کاشف رسول سہروردی
0300-940-5720

۳-- خانقاہِ عالیہ سہروردیہ | مدرسہ شہاب العلوم سہروردیہ
دربارِ عالیہ حضرت پیر عبدالرحمٰن سہروردی رحمۃ اللہ علیہ
مکرانی پاڑہ، (احمد نگر) آٹو بھان روڈ، حیدر آباد، سندھ، پاکستان

عبدالرزاق سہروردی
0315-031-4900
0343-523-7887

انتصار بیگ سہروردی
0332-269-2719

۴-- جامعہ غوثیہ اسلامیہ: شاہ فیصل کالونی، کراچی، پاکستان
+92 (0)346-298-5267

۵-- **MA MISSION Learning Centre**
365 Halliwell Rd. (opp. Lloyds Bank) | Bolton, BL1 8DE
UK | 07448 965 871 | info@ma-mission.co.uk

۶-- **SUFFAH FOUNDATION**
P.O. BOX 1625 HUDDERSFIELD, HD1 9QW | UK
www.suffahfoundation.com | info@suffahfoundation.com

۷-- **GLOBAL ISLAMIC MISSION, INC.**
73 HI VIEW DRIVE, WINDALE, NY 12594 | USA
+1-914-319-3839 | mmahmed92@gmail.com

۸-- انجمن سہروردیہ شیخ عبداللہ شاہ غازی سہروردی۔ ۵۲۷ پرنس سینٹر، پریڈی اسٹریٹ، کراچی

محمد وسیم سہروردی 0321-929-4611 | محمد ادریس سہروردی 0300-929-3114 | محمد سہیل سہروردی 0321-266-0099

﴿فہرست﴾

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خداوندِ قدوس نے ۔۔۔ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ ۔۔۔ کے تحت 'نورِ رسالت'، اور پھر اُس نور سے تمام خلق، کو تخلیق فرما کر اُن میں سے آدم اور اولادِ آدم کو 'اشرف المخلوقات' بنایا۔ اپنی نیابت کا تاج اُس کے سر پر رکھا اور اُن میں سے مؤمنین پر احسان فرماتے ہوئے اپنے محبوب کو ان میں مبعوث فرما کر ان کے لیے ہدایت کا سامان کیا۔ اس طرح جس جس مخلوق کو، اور جس جس طرح اپنی ہر مخلوق کے ذریعہ، اُس نے اپنی معرفت کرانی چاہی اُن میں ویسی ہی صفات ودیعت فرما دیں تا کہ ہر مخلوق کا مقصدِ تخلیق پورا ہو جائے۔ کائنات کی ہر چیز انسان کے لیے مسخر فرما دی اور اپنی معرفت کے قابل بنانے کے لیے انسان کو ذکر الٰہی اور اُس کا شکر اَدا کرنے کے طریقے اور تمام عبادات اُس کو سمجھا دیں۔ وہ 'نورِ رسالت' جو اوّل تخلیق ہے رحمۃ للعلمین، 'خاتم النبیین' بن کر ہماری ہدایت کے لیے دُنیا میں تشریف لایا اور مؤمنین نے ۔۔۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔۔۔ کہہ کر زبان سے اقرار اور دِل سے تصدیق کی سعادت حاصل کر لی، کہ ۔۔۔ نہیں ہے کوئی 'الٰہ' سوائے اللہ کے، محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ رب العزت کی سب سے زیادہ معرفت محبوب رب دوجہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی کے حصہ میں آئی اور آپ ہی کے ذریعہ اللہ رب العزت کی معرفت آپ کے امتیوں کو ہوئی اور ہوگی۔ آپ ﷺ ذات وصفاتِ الٰہی کے مظہر ہیں اور آپ نہ صرف ہمارا وسیلۂ معرفت الٰہی ہیں بلکہ آپ ہی ہماری نجاتِ اخروی کا ذریعہ بھی۔ اللہ رب العزت حضور اکرم ﷺ سے غلامی کا ہمارا رشتہ محکم سے محکم تر فرمائے اور ہمارے مقصدِ تخلیق کو حاصل کرنے میں ہمیں کامیاب فرمائے۔ (آمین)

گو کہ حضور ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اب نہ کسی نئے نبی کی ضرورت اور نہ ہی کوئی نیا نبی آئے گا، البتہ تبلیغ دین اور اصلاح امت کے لیے غلامانِ رسول ﷺ میں ایسے نفوسِ قدسیہ کا ظہور ہوتا رہے گا جن سے وابستہ ہو کر اور ان کے راستے پر چلتے ہوئے مسلمانانِ عالم اپنے مقصدِ حیات کو پاتے رہیں گے۔ وہی وارثین محبوبِ خدا ﷺ ہیں، وہی اولیاء اللہ ہیں، وہی بزرگانِ دین ہیں اور وہی علمائے حق ہیں جن کے لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ۔۔۔ علماءِ امتی کا انبیاءِ بنی اسرائیل ۔ صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے، راہِ سلوک طے کرنے کے لیے، معرفتِ الٰہی سے بہرہ ور ہونے کے لیے یعنی اپنا مقصدِ تخلیق پانے کے لیے، ہمیں ان ہی اولیاء اللہ کی نسبت اور مدد درکار ہے جس کے لیے ہم دن میں کم از کم ۴۸ مرتبہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت میں ۔۔۔ اھدنا الصراط المستقیم ۔۔۔ کی التجا سے اپنے رب کے حضور دُعا مانگتے رہتے ہیں۔

جب سے ہم نے انعام یافتہ بندوں کے راستے سے اپنے کو دُور کرلیا ہر قسم کے نقصان کا شکار ہو گئے اور صراطِ مستقیم سے دُور جا کر دُنیا میں ذلیل و خوار ہو گئے۔ آج بھی اگر ہم ۔۔یا۔۔ ہم میں سے کوئی مکمل تباہی ۔۔یا۔۔ مزید نقصان سے بچنا چاہتا ہے تو اُسے ہر اعتبار سے اُن نفوس قدسیہ کے قریب آنا ہوگا، اُن کی نسبت اختیار کرنا پڑے گی اور اُن کے دامان کرم سے وابستہ ہو کر اُن کے فیض کے حصول کے لیے اپنی جھولیوں کو اُن کے سامنے پھیلانا پڑے گا۔ اللہ کریم ہمیں اپنے دوستوں کی غلامی میں زندہ رکھے اور اسی میں ہمیں موت عطا فرمائے۔ امین ۔۔۔۔ فرمان الٰہی ہے:۔۔۔

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ج وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴿۳:۱۴۰﴾

اور یہ ایام ہم باری باری پھیرتے ہیں اُن کو لوگوں میں اور تاکہ معلوم کرادے اللہ اُن کو جو ایمان لائے

۔۔۔ اِس آیت ۔۔یا۔۔ اس مفہوم کی دوسری آیات کے تحت اللہ رب العزت انسانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی میں ایسے تغیرات ظاہر فرماتا رہتا ہے جن کے ذریعہ سے کسی فرد ۔۔یا۔۔ پوری ملت کی آزمائش ہوتی رہتی ہے۔ کبھی غربت وافلاس کے ذریعہ، کبھی جان ومال کے نقصان کے ذریعہ اور کبھی مال ودولت کی فراوانی اور تونگری کے ذریعہ آزمائش ہوتی رہتی ہے۔ اِسی طرح زمانے میں جب شیطان کا تسلط بڑھ جاتا ہے اور دین کی تجدید واحیاء کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ مردان حق کو پیدا فرمادیتا ہے اور قوم وملت کا امتحان ہوتا ہے کہ آیا وہ اب بھی باطل کا ساتھ دیتی ہے ۔۔یا۔۔ کونوا مع الصادقین ۔۔۔۔ کے حکم کے تحت ان 'مردان حق' کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اور ان کا ساتھ دے کر اور ان کی مدد کر کے باطل کو مٹاتے اور حق کا ساتھ دیتے ہیں کہ نہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں ایسی ہستیاں دُنیا میں تشریف لائیں جنہوں نے باطل کے گھٹا ٹوپ اندھیروں اور شرک وبدعت کی تمام فضاؤں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دین اسلام کی تجدید واحیاء کا فریضہ انجام دے کر دین کو زندہ کیا اور بھٹکے ہوئے اور تذبذب کا شکار لاکھوں انسانوں کو جو اُن کے دامانِ کرم سے وابستہ ہوتے چلے گئے، انہیں نہ صرف یہ کہ صراطِ مستقیم کا راستہ دکھایا بلکہ منزل مقصود پر بھی پہنچادیا۔

فاذکرونی اذکرکم۔ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا چرچہ کردوں گا۔۔۔ کے تحت رب تبارک وتعالیٰ نے اُن نفوس قدسیہ کے ذکر کو چہار دانگ عالِم میں پھیلا دیا اور اُن کے فیض کے دریا کو جاری وساری فرمادیا کہ جو جہاں بھی ہو اُن کے دامان کرم سے وابستہ ہو کر فیض پاتا رہے۔ نہ صرف یہ کہ حضور غوثِ اعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ان ہی ہستیوں میں سے ایک ہیں بلکہ آپ کا ایک منفرد مقام ہے اور آپ مرتبۂ غوثیتِ عظمیٰ پر فائز ہیں اور آپ کا لقب 'محی الدین' ہے کہ آپ نے دین اسلام کو نئی زندگی بخشی اور زندہ فرمادیا جو مرورِ زمانہ سے خستہ حال ہو چکا تھا اور اس کی تجدید واحیاء کی ضرورت تھی۔ ایسے نفوس قدسیہ حیات طیبہ میں

بھی اور بعد از رحلت بھی ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور ایسی کرامات کا ظہور ہوتا رہتا ہے جن سے اُن کے مقامِ رفیع کا اندازہ ہو جاتا ہے اور شان بلند ظاہر ہوتی رہتی ہے تاکہ خلقت اُن کی برتری اور اُن کے مقام سے واقف ہو کر اُن کے دامان کرم سے وابستہ ہوتے چلے جائیں اور اُن کی نسبت پا کر شریعت و طریقت کی منازل طے کرتے ہوئے اپنی منزل مقصود کو پالیں۔ لامحالہ بغیر شان و مقام کے علم کے انسان کسی کی برتری نہیں مانتا، تو جب برتری ہی نہیں مانے گا اور اُن کے مقام کو نہ جانے گا تو اُن سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے اُن کے قریب کیسے آئے گا اور اُن سے کیونکر وابستگی اختیار کرے گا۔

بالغ نظر اور قلبِ سلیم رکھنے والے افراد کسی کے اخلاق و کردار سے ہی اس کے مقامِ رفیع اور شانِ عالی کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ کچھ لوگ علمی برتری جان کر اور مان کر کسی کے گرویدہ ہوتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو بغیر کرامات و معجزات کے زیر نہیں ہوتے۔ وہ نفوس قدسیہ جن پر احیاءِ دین اور لوگوں کی اصلاح کا فریضہ عائد کیا جاتا ہے اللہ رب العزت اُن کو ہر طرح سے نواز کر اپنے بندوں اور حضور ﷺ کے امتیوں میں بھیج دیتا ہے اور وہ اپنے اخلاق کریمانہ اور کردارِ مسیحانہ کے ذریعہ اور جب ضرورت آ جائے تو علمی و عملی تفوق و برتری کا اظہار کر کے، بلکہ اللہ رب العزت کی دی ہوئی شان اور قدرت کے ذریعہ کرامات کو بروئے کار لاتے ہوئے انسان کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور ان کا یہ اظہارِ برتری اپنے لیے نہیں بلکہ اللہ کی مخلوق کو قریب لانے کے لیے اور ان کی بہتری کے لیے ہوتا ہے۔

پیران پیر حضور غوث اعظم دستگیر نے اپنی اُسی شان کو جو رب تبارک و تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی تھی ظاہر فرمانے کے لیے زیر نظر قصیدہ ارشاد فرمایا۔ اب اُسی کنزِ ہدایت و علم و عرفان، یعنی قصیدۂ غوثیہ کو آسانی سے اردو میں سمجھانے کے لیے اور ہر قسم کے اعتراضات و شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے لیے مجدد سلسلۂ سہروردیہ حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م: 1958ء) فیض یافتہ بارگاہِ حضور خضر صحرائے طریقت، غواص بحر حقیقت، مخدوم الاصفیاء، مرشد حق آگاہ، حضرت قبلہ میاں غلام محمد صاحب سہروردی اعظم اللہ تعالیٰ ذکرہ کا قلم گوہر بار حرکت میں آیا اور ہم جیسے ناقص العلم و عمل لوگوں کے قلوب کی بنجر زمین کو بھی فیضان غوثیت سے سیراب کر گیا۔

زیر نظر کتاب بعنوان صحیفہ غوثیہ در شرح قصیدۂ غوثیہ بزبان اردو (نظم و نثر) حضرت ابوالفیض رحمۃ اللہ علیہ کی کئی تصانیف سے ایک تصنیف لطیف ہے جو اس سے پہلے نبیرۂ اعلیٰ حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی، سید محمد شاہد رسول جیلانی سہروردی صاحب قبلہ کی زیر صدارت 1990ء میں لاہور سے مرکزی مجلس سہروردیہ (رجسٹرڈ) لاہور، پاکستان سے شائع ہو چکی ہے۔ اب اسی کتاب کو ہم خادمان اہلسنت و اہل طریقت اپنے ادارے گلوبل اسلامک مشن، انک (نیویارک، یو ایس اے) سے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس ادنیٰ کوشش کو اپنی بارگاہِ بے کس پناہ میں قبول ومنظور فرمائے۔ (آمین)

مصنفِ کتاب ھٰذا، ہمارے دادا پیر حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ ۱۸۹۵ء میں کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۲۳ واسطوں سے قطبِ ربانی غوث صمدانی محی الدین حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، اور سلسلۂ نسبت ۱۹ واسطوں سے عارف ربانی، حجت الفقر فخری، شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ مدرسۂ نعمانیہ، لاہور سے تعلیم مکمل فرمائی اور بریلی شریف ہجرت فرما کر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کی خدمت سے ڈھائی برس فیض یاب ہوئے۔ وطن مالوف لوٹ کر سلطان العارفین، قطب عالم، خواجۂ خواجگان سہروردیہ، عالمِ اکمل واجمل حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ (حیات گڑھ، جلال پور جٹاں، ضلع گجرات) کے سلسلۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور سلسلۂ عالیہ سہروردیہ کی تجدید واحیاء کا فریضہ انجام دیتے ہوئے بے شمار نفوس کو راہِ راست پر لگایا اور ان گنت چراغ ہائے طریقت کو روشن فرما کر سلسلۂ سہروردیہ کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ آپ نے لاہور میں حضرت شاہ ابوالمعالی قادری قدس سرہٗ کے روضۂ اقدس سے متصل جامع مسجد میں خطابت کا فریضہ بھی انجام دیا جہاں سے آپ کو بارگاہِ اقدس شاہ ابوالمعالی سے 'قلندر رسول نما' کا خطاب ملا۔ آپ کی مشہور تصنیفات میں الفقر فخری، سیاح لامکاں، جمال الٰہی، جمال رسول، صحیفۂ غوثیہ، موعظۃ للمتقین اور کئی رسائل ومقالات بھی شامل ہیں۔ آپ کا وصال ۶۳ برس کی عمر مبارک میں ۲۷ صفر المظفر بمطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۵۸ء میں ہوا۔ آپ کا مزار اقدس ہنجروال، ملتان روڈ، لاہور میں واقع ہے۔ (از سید اویس علی سہروردی)۔

ہم شکر گزار ہیں میاں اعجاز احمد سہروردی صاحب (گجرات، پاکستان)، سید کاشف رسول سہروردی صاحب (ہنجروال، لاہور)، محمد وسیم سہروردی، محمد ادریس سہروردی، محمد سہیل سہروردی، مسرور علی قریشی، سید ریاض علی، سلیم الدین، اعجاز احمد، وسیم احمد، ہمشیرہ غزالہ احمد، اقبال احمد، اور اپنی اہلیہ رخسانہ احمد کے۔ اللہ تعالیٰ تمامی احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آخیر میں ہم دُعا گو ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلۂ جلیلہ سے ہم سب کو دین متین ومسلک حقہ کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم وآلہٖ وصحابہٖ اجمعین

احقر محمد مسعود احمد سہروردی اشرفی

چیئرمین: گلوبل اسلامک مشن (نیویارک، یو ایس اے)

۱۰ فروری ۲۰۱۹ء

عرض فقیر

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا احسان ہے کہ فقیر کو مرکزی مجلس سہروردیہ (رجسٹرڈ) لاہور، پاکستان کے زیر اہتمام امام السالکین حضرت سید قلندر علی شاہ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف کی یکے بعد دیگرے طباعتِ ثانی کی سعادت وتوفیق حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت کی تصانیف 'جمال رسول'، 'الفقر فخری'، 'سیاح لامکاں'، 'موعظۃ للمتقین'، 'تعارفِ سہروردیہ'، 'میلاد الرسول'، اور 'انوارِ سہروردیہ' کی مکرر اشاعت کے بعد آپ کی ایک اور گراں بہا کتاب 'صحیفۂ غوثیہ' کو بفضل ایزدی طالبان راہِ حق اور تصوف وروحانیت کے متوالوں کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ حضرت سید قلندر علی شاہ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نظر کتاب 'صحیفۂ غوثیہ' جو در حقیقت 'قصیدۂ غوثیہ' کی شرح ہے، تجلیاتِ غوثیت اور برکات وحسناتِ شاہِ جیلاں سے بھرپور ہے۔

حضرت شیخ الاسلام محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے رشد و ہدایت اور علم وعرفان کی جو شمع روشن فرمائی، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے طالبانِ راہِ تصوف کو اپنی ضیاء پاشیوں سے منور فرماتی رہے گی اور اس مرکزِ ولایت ودر بارِ غوثیت سے فیوض وبرکات حاصل کرنے والے ہزاروں لاکھوں مردانِ خدا تا قیامِ قیامت مخلوقِ خدا کے تن وباطن کو روحانیت سے منور کرتے رہیں گے۔ غوث پاک کے ارشادات کی تشریح کرنا۔۔۔ نیز۔۔۔ 'صحیفۂ غوثیہ' کے اسرار ورموز کا احاطہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ کام صرف اہل نظر اور صاحبان حال ووجدان ہی سر انجام دے سکتے ہیں کہ:۔۔۔ ولی را ولی می شناسد

حضرت ابوالفیض نے قصیدۂ غوثیہ کے اعلیٰ وارفع مقامات اور تصوف وروحانیت کے مختلف درجات ومراتب کو جس بصیرت اور وسعتِ نظر سے دیکھا یا سمجھا ہے اور جس حسین انداز میں بیان فرمایا ہے، وہ کچھ انہی کا حصہ ہے کہ 'قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید'۔ امید ہے کہ اہلِ نظر اس کتاب کے بار بار مطالعہ سے مقامات بلند کے حصول میں اپنے راستہ کو آسان بنائیں گے۔ فقیر اپنی کم مائیگی اور سروسامانی کے باعث مزید کچھ عرض کرنے سے قاصر ہے اور دربارِ غوثیت میں اپنے قلبی اور نسبتی تعلق کا واسطہ دے کر نگاہِ کرم کا متمنی ہے۔

خاکپائے غوث الاعظم۔۔۔ سید محمد شاہد رسول جیلانی سہروردی
نبیرۂ اعلیٰ حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ
سجادہ نشین دوئم، آستانۂ عالیہ سہروردیہ قلندریہ، لاہور
مورخہ ۲۱ مئی ۱۹۹۰ء

﴿تہدیہ﴾

ایک بے قرار اشتیاق، ایک مضطرب نظارہ، ایک پامال محبت، فقیر اِس راز و نیاز کی آواز ’شرح قصیدۂ غوثیہ‘ کو دُنیائے اسلام کے اَن گنت پاک باز و زندہ اجسام کے مقدس مرجع عقائد، پیشۂ فقر کے شاہسوار، ما کان و ما یکون کے راز دار، نبی الانبیاء، معصوم و مصطفیٰ، محمد رسول اللہ ﷺ (جن کی ذات بے مثل فی الصفات متقین کے لیے ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ اور مذنبین کے لیے موجبِ نجات و مغفرت ہے) کے حضور میں کمال محبت و صداقت سے پیش کرتا ہے، اور اپنی بے خبری و بے بضاعتی کو شفیع لا کر محض یہ آرزو رکھتا ہے، ع:

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

قلندر علی

حمد باری تعالیٰ

حمد بے حد مر خدارا می سزد | ہر یکے راز شرابش جاں دہد
سینہ ہا از فیض او شد بحرِ جوش | ہر دلے را از بہارش نور و نوش
عالماں را از علومش صد رموز | عارفاں را از سرائر صد کنوز
عاشقاں از عشق او مخمور اند
والہاں کیسہ تہی معمور اند

حمد بے حد و بے عد ہر زمانہ میں ہر حامد سے اُسی غیر محدود مجموعی طاقت اور بے حد و نامتناہی قدرت کے لیے ہے جس نے ناچیز قطرۂ آب کو 'اشرف المخلوقات' بنایا اور آسمان کو بے ستون و زمین کو بے میخ قیام کرایا۔ خون کو پستانِ مادر میں شیر شیریں بنایا اور طیراً ابابیل سے اصحابِ فیل کو مروایا۔ کشتیِ نوح کو طوفان سے نجات اور موسیٰ کو بحیرۂ قلزم سے مراعات بخشی۔ پشہ سے لشکرِ نمرود کو مردار اور بھڑکتی ہوئی آگ کو خلیل پر گلزار کیا۔ یونس کو بطنِ حوت میں سمندر کی سیر کرائی اور ذوالقرنین کو مشرق و مغرب کی زمین دکھائی۔ داؤد کے ہاتھ میں لوہے کو موم اور تختِ سلیمان کو ہوا پر معلق کیا۔ کلیم کو جبلِ طور پر بلایا اور مسیح کو چرخِ چہارم پر اُٹھایا۔ اپنے لاڈلے محبوب پر اپنی معرفت کے تمام راز کو طشت اَز بام اور اُس کی امت پر سلام و انعام کیا۔ میخانۂ توحید سے وہ خم لنڈہائے کہ تمام طالب مستی میں آئے۔ جس کسی نے اس کے عشق کا ایک گھونٹ پیا وہ دونوں جہاں میں صدیق و فاروق ہو کر جیا۔ جو کوئی اُس کے جذب کے شعلہ سے تلملایا اُس نے ذوالنورین اور اسد اللہ کا رتبہ پایا۔ جس کی نظر اُس غفور و شکور کے نور پر پڑی اُس کی ہمت بلند عرشِ اعظم پر گڑی۔ بڑے بڑے باہوش دیوانے اور سست رو مدہوش مستانے ہو گئے۔ لاکھوں طالبوں کو اُس کی طلب نے مجذوب اور کروڑوں عاصیوں کو اُس کی جلب نے محبوب بنا دیا۔ اُسی کے پُر کیف نغموں نے داناؤں کو نادان اور بے لحن صداؤں نے نادانوں کو شاہِ جہان کیا۔ گدڑی پوشوں کو وہ مقاربت اور بادہ نوشوں کو وہ مصاحبت عطا فرمائی کہ سلاطین زمانہ نے بھی اُن کی چوکھٹ پر گردن جھکائی۔ کبھی اُن کی آواز کو اپنی اور کبھی اپنی کو اُن کی تعبیر فرمایا اور اہل جہان کو یوں اپنے قرب کا رستہ سمجھایا کہ مجھ سے میری ہی طلب کرو اور خدا سے خدا ہی مانگو۔۔۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

نعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

بنی آدم کے سردار، علومِ الٰہی کے راز دار، سید ابرار، رحمتِ کردگار، ذرہ و آفتاب کے تاجدار، شہنشاہِ معظم، باعث تخلیق آدم، رسول مکرم، ہادیِ عالم، فخر موجودات، مختارِ شش جہات، خاتم النبیین، افضل المرسلین، محبوبِ رب العالمین، ممتازِ دو جہاں، سیاح لامکاں، ممدود ہر زماں ﷺ، ہمارے ہی وہ رحیم و کریم نبی ہیں جن کے باعث باغبان ازلی نے تمام گلشنِ عالم کو وجودِ ہستی میں لاکر مزین فرمایا۔ پھر جمیع انبیاء کے کمالات و معجزات کو آپ کی ذاتِ سرمدی میں مجتمع فرما کر (جو آپ کی ذات ہی سے پیدا ہوئے تھے) ایک گلدستہ بنایا اور اُس کی محبوبیت کی بے پناہ خوشبو سے معمورۂ دُنیا کو معطر فرمایا۔ جس کسی کو دماغ ارادت ملا، اویس قرنی ہوا، اور جس کے مشامِ جان کو اُس رائحہ روح پرور سے بہرہ نہ ہوا ابو جہل رہا۔ نور نبوت کی ضیاباری میں فرق نہ تھا، صرف نگاہ کے قصور سے کافر نے کفر کیا اور چشم بینا رکھنے والا مؤمن پکار اُٹھا۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم　　صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ جَمَالِ مُحَمَّدٍ اَرِنِیْ وَجْهَ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَالاً وَّمَالاً

﴿التجائے فقیر﴾

اَے ناکاروں کو توفیقِ عمل اور ناداروں کو اسرارِ مخفی عطا فرمانے والے رحیم و کریم خدا! اپنے اِس رحم و کرم کے محتاج بندے کو خمخانۂ معرفتِ محمدیہ سے بغداد کی طرحی اور سہرورد کے پیمانے میں ایک ایسا بقا کردینے والا گھونٹ مرحمت فرما جس سے اِس کے سیاہ خانۂ عمل کی گل شدہ بتی تیرے روغنِ رحمت سے روشن ہو کر سرکارِ غوث الاعظم کے محبوبانہ جذبات کی شرح کرنے میں مشعلِ راہ کا کام دے سکے، اور یہ عاجز و بے خبر انکشافِ رموزِ باطنی و انشراحِ اسرارِ سرمدی میں فریبِ نفس نہ کھائے، کیونکہ اِس تذکرۂ حسن اَزلی کی تکمیل اور عارفانہ بلندیوں کی تسہیل بغیر تیری خاص الخاص کرم نوازی کے محال بلکہ ناممکن ہے۔

فقط

قلندر علی

سببِ تالیفِ کتاب

دار السلطنت پنجاب لاہور سے شائع شدہ ایک ماہوار رسالہ اتفاقاً فقیر کی نظر سے گزرا جس میں مدیر رسالہ نے ایک مضمون بعنوان 'تسخیر کائنات اور خودی' پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 'مسئلہءِ خودی' کی جس حقیقتِ اعلیٰ کو علامہ اقبال مرحوم نے پایا ہے اُس کے سمجھنے سے جمیع ائمہ دین اور صوفیائے کرام قاصر رہے ہیں اور انہوں نے 'خودی' کے وجود کو اسلامی تعلیمات کے قطعاً منافی قرار دیا ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ 'مصنفِ اسرار و رموز' کے نزدیک 'خودی' کا مطلب خواہ کچھ ہی ہو، لیکن مدیر مذکور نے اپنی خودی کی لے میں بیخود و سرشار ہوکر بے لگام سمندِ قلم کا وہ زور دکھایا ہے کہ آدابِ بارگاہِ خداوندی اور لحاظِ دربارِ رسالت کو بھی بالائے طاق رکھتے ہوئے 'مجسم خودی' بن گیا ہے، اور لکھتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے وجودِ مبارک میں 'خودی' نے اپنے اُس منتہائے مقصود کو پالیا تھا جس کے لیے وہ اِس سے قبل ہزاروں پیغمبروں کے وجود میں یکے بعد دیگرے گشت لگاتی رہی مگر مدعا نہ پاسکی۔ بالآخر حضرت محمد ﷺ کے وجودِ مبارک میں 'خودی' کو اپنا شعور اِس حد تک حاصل ہوا کہ خدا کو بھی انہیں خاتم النبیین کہنا پڑا۔

پھر یہ چودھویں صدی کا نام نہاد محقق تمام علمائے کرام اور صوفیائے عظام کو افلاطون کے متبعین سے نامزد کرتا ہوا لکھتا ہے کہ وہ خدا کا صحیح تصور جاننے اور سمجھنے میں قاصر رہے ہیں اور 'ہمہ اوست' و 'ہمہ از اوست' کی بھول بھلیوں میں گم ہوکر رہ گئے ہیں۔ نیز۔۔ یہ بھی موشگافی کرتا ہے کہ اقبال مرحوم کے نزدیک ذات کلی کا کوئی وجود نہیں اور نہ ہی اِس ترکیب کا اطلاق خدا پر ہوسکتا ہے۔ اُس کا یہ بھی ایمان ہے کہ کائنات افراد کے مجموعہ کا نام ہے جن میں سے خدا بھی ایک 'فرد' ہے۔ لیکن دوسرے افراد اور خدا میں صرف فرق اتنا ہے کہ خدا ایک 'فردِ کامل' ہے اور دوسرے افراد ابھی تکمیل کی منزلوں سے گزر رہے ہیں۔ معاذ اللہ! مدیر مذکور کے نزدیک 'خودی' کا نظریہ ہی 'ڈارون کا بندر ہے' جو اپنی ارتقائی منازل طے کرکے انسان تو درکنار نبی اور خدا بھی بن سکتا ہے۔۔۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ۔۔۔ حضرت اکبر الہ آبادی نے کیا خوب فرمایا ہے:

کہا منصور نے خدا ہوں میں — ڈارون بولا بوزنہ ہوں میں
سن کے کہنے لگے مرے اک دوست — فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

معلوم نہیں مدیر مذکور نے یہ من گھڑت نظریہ اپنے فہمِ نارسا اور ادراکِ فاسدہ کے ماتحت کہاں

سے اَخذ کیا اور کیونکر تراشا ہے، جس پر نہ قرآن وحدیث شاہد اور نہ ہی علامہ مرحوم کے کلام کا کوئی جزو اس پر گواہ۔ ہاں! یہ ایک دوسری چیز ہے کہ اپنی لاعلمی ونافہمی کے تحت قرآنِ کریم کی کسی آیت --یا-- حدیثِ پاک کے کسی ارشاد --یا-- علامہ مرحوم کے کسی قول کا وہ ترجمہ کرلیا جائے جو اپنی نفسانیت کے عین مطابق ہو اور پھر اُس پر یہ قیاس کرلیا جائے کہ جو کچھ میں نے لکھا --یا-- سمجھا ہے، مشیتِ ایزدی یہی ہے۔

علامہ اقبال مرحوم کی بیان کردہ 'خودی' کے مطالب ومعانی ایسے ایسے عجیب وغریب سننے میں آتے ہیں جن سے اُن کے بیان کرنے والوں کی لاعلمی اور کور ذوقی کا پتا چلتا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ وہ یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ہم اس مسئلہ کے سمجھنے میں کس قدر عاری ہیں اور ہمارے اِس گمراہ کن اجتہاد کا اثر اہل ظاہر نونہالان قوم پر کیا ہوگا۔ ایسے ناعاقبت اندیش مفسروں کی بے بنیاد مباحث سننے سے ایک سلیم الطبع انسان کی روح بے ساختہ پھڑک اٹھتی ہے اور بارگاہِ رب العزت میں بصد الحاج گڑگڑاتی ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اهْدِهِمْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

فقیر بلاخوف لومۃ لائم یہ گزارش کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یا تو یہ لوگ حضراتِ متقدمین اور علامہ مرحوم کے اُس نظریہ کو سمجھ نہیں سکے اور --یا-- سمجھ سکے ہیں تو صداقت وحقیقت پر ایمان لانے سے عاری ہیں اور فریب نفس نے اُن کو ڈگمگا دیا ہے، ورنہ صرف لفظِ 'خودی' کے معنی ہی سمجھنے کی کوشش کرتے تو متقدمین رحمہم اللہ پر نہ زبانِ طعن کھولتے اور نہ حضرت علامہ اور متقدمین بزرگانِ امت میں کوئی اختلاف معلوم کرتے۔ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس اختلاف کو چند جملوں میں 'خودی' کی حقیقت سمجھا کر دُور کردیا جائے جو اُن مریض القلب مسلمانوں کو شبہ میں ڈال رہا ہے۔

لفظِ خودی:

متقدمین ومتاخرین اہل علم حضرات کے نزدیک اپنے محل استعمال کے لحاظ اور سیاق وسباقِ عبارت کی رو سے دو ۲ معنوں میں مستعمل ہوتا رہا ہے۔

ایک: --- خودداری --یا-- خودی بخدائی میں۔

دوسرے: --- تکبر، غرور، پندارِ حکومت اور خودی بخدا میں۔

پہلے معنوں میں ہمیشہ اہل اللہ مستقیم رہے اور انہی معنوں میں علامہ اقبال مرحوم بھی 'خودی' کو بیان فرما گئے ہیں۔ دوسرے معنی سب کے نزدیک بلاشبہ قابل نفرین وپرہیز ہیں --یا-- یوں سمجھئے کہ پہلے معنی انسانی زندگی میں انسانی خودداری اور وقار کے محافظ ہیں اور دوسرے انسانیت وشرافتِ انسانیہ کے منافی۔ پہلے معنوں کو جمیع اہل علم نے صرف پسند ہی نہیں فرمایا بلکہ اس کی حقیقت میں عامل ہونے کی عملی

دعوتیں بھی دی ہیں اور انسانیت کی 'حقیقت کبریٰ' و 'مقصد عظمیٰ' اِسی خودی کو قرار دیا ہے۔ دوسرے معنوں کی 'خودی' چونکہ اخلاق انسانیہ کی فہرست میں ایک خصلتِ رذیلہ ہے اور اس کو رکھتے ہوئے ایک انسان معبودِ حقیقی تک سے اِنکار کر جاتا ہے، اس لیے اس پر صرف ترک کی ہدایت ہی نہیں فرمائی بلکہ اس کے رکھنے والے پر لعنت بھی بھیجی ہے تا کہ اہل دُنیا اس انتہائی تنفر کے ماتحت کبر و غرور اور 'خودی بخدا' سے بچتے رہیں جس کی ادنیٰ سی مثال فرعونیت و نمرودیت ہے۔

اِس مختصر مضمون میں مزید وضاحت کی گنجائش نہیں، ورنہ ایک مبسوط بحث سپرد قلم کر دی جاتی، اگر مدیر رسالہ خودی کے معنوں کو اب بھی نہ سمجھے تو پھر اُس سے خدا سمجھے، کیونکہ انہیں معنوں میں ہر موقع و محل پر حضراتِ متقدمین اور حضرت اقبال متحد ہیں۔ فقیر دُعا کرتا ہے کہ مولا کریم ایسے لوگوں کو حضرت اقبال کے نظریہ کو دوبارہ مجروح کرنے سے باز رکھے۔

مدیر مذکور نے جن صوفیائے کرام، علمائے عظام اور بزرگان انام رحمہم اللہ پر خودی کے نہ سمجھنے کا طعن کیا ہے اور علامہ اقبال مرحوم سے مقابلہ کراتے ہوئے تجاوز عن الحد کر گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اُن حضرات سے زیادہ خودی کو صحیح مضمون میں خودی کی کیفیتِ اصلیہ سے واقف اور خودی کا عامل دوسرا کوئی ہوا ہی نہیں اور نہ ہی شاید آئندہ اِس منحوس ماحول میں ہو سکے گا، الا ماشاء اللہ۔ اور سچ پوچھئے تو حضرت اقبال بھی انہی باخدا ہستیوں کے خوشہ چین تھے، اور اگر امتِ سابقہ میں اِس مسئلہ سے کوئی بھی آشنا نہ تھا تو علامہ مرحوم پر خودی کے مسئلہ میں کوئی الگ وحی نہیں ہوئی، آپ کی تصانیف میں کسی 'مردِ قلندر' کا جو تذکرہ بار بار آتا ہے اور جس 'آتش تبریز' میں انہوں نے جلنے کی دعوت دی ہے، کاش کہ مدیر اُس اشارہ کو سمجھتا، اور یوں توہین آمیز الفاظ استعمال نہ کرتا۔

درویشِ حق پرست سے زیادہ 'خودی' کا اہل اور حامل کون ہوگا جس کی دہلیز پر جبیں سائی سلاطین زمانہ کے لیے بھی موجب فخر رہی ہے۔ کیا یہ خودی کے نا سمجھنے کا اثر ہے۔۔۔یا۔۔۔خودی کو بلند کرنے کا۔ جس 'خودی' کو درویش۔۔۔یا۔۔۔صوفی و عالم دین نے مٹانے، معیوب سمجھنے اور ترک کرنے کی تعلیم دی اور اس کے وجود کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا ہے، وہ خودی بخدائی۔۔۔یا۔۔۔خودداری نہیں ہے بلکہ وہ رعونت، تکبر، غرور، خود پسندی اور خودی بخدا ہے جس نے انبیاء و صلحا کی بجائے دوسرے معنوں میں فرعون و نمرود میں ظہور کیا اور شداد و ابلیس میں رونمائی ہوئی اور معبودِ حقیقی کی معرفت سے اُن کو قطعاً دُور پھینک دیا۔ اگر مدیر رسالہ کے نزدیک یہی خودی قابل عمل و تحسین ہے تو پھر خداوندِ عالم اُن کے حال پر رحم فرمائے اور چشمِ بینا عطا فرمائے۔ متکبر، ہر مغرور، ہر رعونت پسند، ہر متجاوز عن الحد اور ہر خدا سے بھٹکے ہوئے دُنیا دار کو

خودی کا عامل نہ سمجھ لے، کیونکہ یہ ایک فحش ٹھوکر اور ایک بہت بڑی غلطی کا ارتکاب ہے: ع

عجب دیوانگی چھائی ہے عقل اہلِ دُنیا پر جو دانائے جہاں ہو اُس کو یہ دیوانہ کہتے ہیں

مدیر مذکور کا یہی مضمون اِس کتاب کی تحریر و تحریک کا باعث ہوا اور فقیر نے اُس کے جواب میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے کلام کو ہی 'خودی' کے مفہوم میں عوام کے سامنے پیش کرنا مناسب سمجھا تا کہ ایک درویشِ عالی مقام اور مردِ حق اعتصام کے پاکیزہ کلام سے یہ ثابت ہو جائے کہ 'خودی' کا مفہوم کس نے سمجھا اور تسخیرِ کائنات میں کن پاکباز ہستیوں کا قدم سب سے پیش پیش ہے، اور علامہ مرحوم کے اِس شعر۔۔۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

۔۔۔کا مصداق ایک مردِ قلندر و قادر کی ہستی ہی ہو سکتی ہے، نہ کہ شوکتِ قیصری کے شیدائی کی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلْفَقْرُ فَخْرِی

(اسی نظریہ کے عین مطابق حضرت میکش کی نظم ملاحظہ ہو)

تجھے اپنے مال پہ عجب ہے، مجھے اپنے حال پہ ناز ہے
تیرا حصہ مستی وبیخودی مرا بخرہ سوز گداز ہے

تو دکھے ہوؤں کو دکھائے جا، تو جلے ہوؤں کو جلائے جا
تو نشانِ خیر مٹائے جا ترے شر کی رسی دراز ہے

غم دہر تجھکو نہ کھائے کیوں خوشی اپنا جلوہ دکھائے کیوں
تو وفا کا لطف اٹھائے کیوں، ترا دل تو بندۂ آز ہے

تجھے فکر ہے کم وبیش کی، تجھے سوچ ہے پس وپیش کی
مری زندگی کے محیط میں، نہ نشیب ہے نہ فراز ہے

طرب آفریں مرا ساتگیں، تری لے ہے مایہ بغض وکیں
میں جہان درد کا راز ہوں، تو دیارِ حرص کا ساز ہے

مجھے تیرے مال سے کیا غرض، تجھے میرے حال کی کیا خبر
کہ میں غزنوی بتِ زر کا ہوں، شہ سیم کا تو ایاز ہے

تو رہینِ شوکت قیصری، میں امینِ شانِ قلندری
ترا قبلہ ہے بُتِ آزری، سرعرش میری نماز ہے

کروں مال وزر کی میں کیوں ہوس مجھے اپنے فقر پہ فخر بس
یہی حرزِ جان فقیر ہے، یہی قولِ شاہِ حجاز ہے

﴿کج بحثی﴾

بعض کج فہم اور راہِ طریقت سے ناواقف لوگ جا بجا اپنی کم علمی، بے بضاعتی اور بے راہ روی کے ماتحت تصوف اور اہلِ تصوف پر بے معنی شدید نکتہ چینیاں کرتے رہتے ہیں جو عام یارانِ طریقت سے پوشیدہ نہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ درویشوں کا گروہ قوم پر بار ہے، کوئی معترض ہے کہ یہ پیری کے مدعی لٹیرے اور مہذب ڈاکو ہیں، کسی کو شکایت ہے کہ یہ شوریدہ سر لوگ اپنی من گھڑت اور خودساختہ منازل کو خدا کی راہ اور صراطِ مستقیم سمجھ کر عوام کو فریب دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے یہ سب مکار اور واجب القتل ہیں، اِن کا اتباع زنا اور شرک سے بدتر ہے۔ یہ جہلا کی خوش اعتقادی ہے جو یہ جماعت پل رہی ہے ورنہ یہ زندہ رہنے کے قابل نہیں۔ اِن کی عبادت، ریاضت، سجدے، مصلے، کوزے اور تسبیحیں مذہب کا ستیاناس کر رہے ہیں۔ کسی کا قیاس ہے کہ اس جماعت کا تمام قول و فعل رہبانیت ہے اور یہی جماعت اسلام کے ایک مقدس مسئلہ جہاد کے خلاف جانے والی ہے۔ اور بعض نادان تو اس پاکیزہ گروہ کے خلاف یہاں تک بڑبڑاتے نظر آتے ہیں کہ ''اِن کا چودہ ۱۴ سو سال کا مذہب ہی غلط ہے''۔ غرضیکہ جتنے خدا سے ناواقف منہ ہیں اُتنی ہی بے معنی بحثیں ہیں جن کا مفصل جواب فقیر نے اپنی دوسری کتاب مسمّٰی بہ ''خیرٌ فقیر'' میں دے دیا ہے، یہاں ان باتوں کا تذکرہ دوبارہ ضروری نہیں۔

بات اصل میں یہ ہے کہ یہ بیچارے بھی معذور ہیں، اِن کے بس کی بات نہیں۔ آپ مادرزاد اندھے کو دُنیا بھر کے عقلا اور فلاسفر جمع کر کے روشنی کی تعریف سمجھایئے مگر اُس وقت تک سمجھنے سے قاصر رہے گا جب تک کوئی قابل معالج اُس کی نابینا آنکھوں کا آپریشن نہ کر دے۔ یہ برساتی اندھے اور عقل کے کچے نہ تو کسی معالج کے پاس جائیں کہ اُن کی آنکھوں کا آپریشن ہو جائے اور نہ ہی حسد کے ماتحت اعتراض کرنے سے باز آئیں۔ پھر اِس پر یہ خیال کہ جو خدا ۔۔یا۔۔ اُس کے تجلیات و انوار ان گدڑی پوشوں اور گوشہ نشینوں کو نظر آتے ہیں، ہم کو کیوں نظر نہیں آتے۔ بھلا ان سے پوچھا جائے کہ زمانہ میں کوئی چیز ایسی ہے جو بغیر ذریعہ، وسیلہ ۔۔یا۔۔ حس اور آلہ کے نظر آئے اور بے شمار اشیاء تو ایسی ہیں جو باوجود ظاہری آنکھیں رکھنے کے تم بغیر وسیلہ ۔۔یا۔۔ آلہ ۔۔یا۔۔ تجربہ کے نہیں دیکھ سکتے، مثلاً: پانی اور ہوا کے جراثیم اور ذرات اور جڑی بوٹیوں میں دھاتوں کا پایا جانا۔ سبز درختوں میں آگ اور پانی، ہوا اور مٹی کا موجود ہونا تمہیں نظر نہیں آتا، تو انوارِ الٰہی کو کیونکر ملحدانہ جسارت اور رندانہ شوخی کے ماتحت دیکھ سکتے ہو۔ دُنیا کے

مادہ پرست ڈاکٹروں اور فلاسفروں پر تو ایمان ہے مگر یہ رسول نما اور خدا نما گروہ، راہزن، راہب اور لٹیرا نظر آتا ہے۔۔۔ لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ۔

یورپ والوں سے آدھی مونچھ آدھی داڑھی اور آدھی بھنویں مونڈھنے کا فیشن اُن پر نازل ہو تو اُن کے لیے بلا چوں و چرا 'آمنّا وصدّقنا' کا مقام ہے لیکن قرآن وحدیث کی فرمودہ 'منازل عرفان' اور عالم لاہوت کی بلندیوں پر صوفیائے کرام اگر لب کشائی فرمائیں تو گردن زدنی ٹھہریں۔ اُن کے نفوس امّارہ مادہ پرستی میں الجھ کر ایسے مبہوت ہو گئے ہیں کہ گویا اُس پر رشد و ہدایت سے دُوری کی مہر ہو چکی ہے۔ پھر اس پر طرّہ یہ کہ دُنیوی ذِلتوں سے جب کبھی فراغت کا تھوڑا سا وقت پائیں، پیروں فقیروں اور اہل اللہ پر گرجنے برسنے کے سوا کوئی دوسرا شغل ہی نہیں رکھتے۔ کچھ دن ہوئے فقیر نے ایک رسالہ میں ایک نظم پڑھی تھی جس میں ایسی ہی کسی بے ڈھب حاسد نے کسی مفروضہ پیر پر انعاماتِ الٰہیہ کا حسد کرتے ہوئے شکوہ کیا ہوا تھا کہ پیر کے دولت کدہ پر قلیہ قورمہ کے طباق ہیں اور مرید کے گھر نانِ شبینہ بھی نہیں۔ پیر قالینوں پر آرام فرما ہے مگر مرید کو بوریا تک سے محرومی۔

کاش کہ وہ تنگ ظرف انسان اِس مسئلہ پر نظر ڈالتا کہ انعام یافتہ جماعت کا حق کیا ہے اور نبوت وسلطنت کے بلند مدارج (جو روحانیت حقیقی وامارتِ دُنیوی کے انتہائی مرکز ہیں) کا حصہ اگر ان کو نہ ملے جو آٹھوں پہر اُس کی موافقت اور قدرتِ کاملہ کے دامن سے وابستہ ہیں تو کس کو ملے۔ جو جاپانی کھلونوں کی طرح یورپ کی چابی پر زندگی کا انحصار رکھتے ہیں اور نفس کے فریب خوردہ اور مغربی تہذیب کے دلدادہ انسان! کسی نیک بندے پر انعاماتِ الٰہی دیکھ کر جلنے بھننے کی ضرورت نہیں، تم جس دُنیا کے پیچھے دوڑتے ہو اگر وہ رحمتِ الٰہی کے ماتحت کسی خدا کے مقبول بندے کے قدم چومتی ہے تو تعجب نہ کر، بچہ پیدا ہوتے ہی دوڑنے نہیں لگتا، جب غریب ارادت مند بھی فضلِ ایزدی کے ماتحت پیر کے مرتبہ پر فائز ہوگا تو اُس کے لیے بھی وہی رحمتیں نزول فرمائیں گی اور وہ بھی دُنیا کی بھوک پیاس اور اہل دُنیا کی ذلت سے نجات پاکر تختِ سلیمانی اور سطوتِ یوسفی وسیادت محمدی علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وارث اور حصہ دار نظر آئے گا۔

اِس معمورۂ دنیا میں ہر شخص فوراً انتہائی منازل پر نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اُس کو مساوات کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر میرا قول باور نہ ہو تو آ اپنے اور میرے آقا معصوم و مصطفیٰ محبوبِ خدا محمد رسول اللہ ﷺ کی ایک مجلس پُر انوار کا منظر دیکھ۔ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تیرے ان لغو اور واہی تباہی اعتراضات کی کیا حقیقت ہے، اور یہ انعامات کیونکر تقسیم ہوتے ہیں اور کن کا حصہ ہیں۔ اس کے بعد اگر خدائے قدوس اس راہ میں گامزن ہونے کی توفیق رفیق فرمائے تو قدم اٹھا اور اپنے آپ کو ان انعامات کا مستحق بنا۔

۔۔۔علامہ اقبال کہتے ہیں:

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دِل کے سینوں میں

تمنا دردِ دِل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انہی خلوت گزینوں میں

اگر کچھ آشنا ہوتا مذاقِ جبہہ سائی سے
تو سنگِ آستان کعبہ جا ملتا جبینوں میں

۔۔۔کسی شاعر نیک دِل نے کیا خوب کہا ہے:

اُس کے انعام تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی جو تو بھی کسی قابل ہوتا

ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے اور صحیح عقیدہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی حیاتِ انسانی کا ہر دائرہ کامل و مکمل ہے۔ جہاں آپ نے عامۂ اہلِ عالَم کو شریعتِ اسلامیہ کی کامل تعلیم دے کر استادِ جہاں اور بہترین خلائق بنا دیا وہاں آپ نے خواص کو طریقت کی تعلیم بھی دی اور روحانیت و عرفان کے مشاہدات بھی کرائے اور۔۔۔وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔۔۔کی عملی تفاسیر سمجھا کر اولیاء الرحمٰن بنا دیا تا کہ یہ سلسلہ تا قیام قیامت قائم رہ کر اصلاح امت کا کام کرتا رہے اور نائبین رسول کی حیثیت سے یہ علماءِ ربانی اور صوفیاءِ حقانی ہر ضرورت کے وقت میدان میں آئیں اور وہی کر کے دکھائیں جو انبیائے بنی اسرائیل کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ 'رموزِ معرفت' اور 'اسرارِ عرفان' کی تعلیم خاص اہمیت و استعداد دیکھ کر خواص کو نہایت مخفی طریق پر دی جاتی تھی اور اس کی مجالس بھی جداگانہ اور رازدارانہ ہوتی تھیں۔

ایک روز اسی قسم کی ایک مجلس خاص منعقد تھی جس میں شاہ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، سیدنا ابوبکر، سیدنا عثمان بن عفان، حضرت ابوہریرہ، خالد، عبد اللہ بن مسعود، بلال اور دیگر سخن شناس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تشریف فرما تھے، رسول کریم نبی رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، پیر طریقت اور مرشدِ حقیقت کی حیثیت سے سجادہ پر بیٹھے ہوئے حقائق معرفت و اسرارِ عرفان اور رموزِ مخفی خاص محویت اور جوش کے ساتھ بیان فرما رہے تھے، محفل کی محفل مطلع انوار بنی ہوئی تھی، تجلیات پرتو افگن تھیں، عجیب رنگ اور عجیب کیف تھا کہ اتنے میں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش ہو گئے۔ اہلِ مجلس متعجب ہوئے کہ شاید حضور ﷺ یہ حقائق و اسرار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتانا نہیں چاہتے تھے۔ آپ سمجھ گئے اور فرمایا۔۔۔

یہ بات نہیں کہ میں (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) سے کچھ چھپانا چاہتا ہوں، مگر طفل شیر خوار کو گوشت اور حلوہ تکلیف دیتا ہے اور جب وہ بالغ ہو جاتا ہے تو سب کچھ کھا سکتا ہے۔

واضح رہے کہ اُس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعلیم روحانی ابتدائی تھی اور بعد کو مکمل ہوئی۔ غرضیکہ اُسی مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آگے تعلیم کرنا شروع کی اور فرمایا۔۔۔ من عرف اللّٰہ لا یقول اللّٰہ و من یقول اللّٰہ لا عرف اللّٰہ ۔۔۔ جس نے اللہ کو پہچانا وہ اللہ نہیں کہتا، اور جو اللہ کہتا ہے اُس نے اللہ کو نہیں پہچانا۔

بچہ جب تک باپ کے رتبہ سے واقف نہیں ہوتا اُس وقت تک نام پکارنے میں بھی باک نہیں کرتا، لیکن اس کے بعد باپ کا رتبہ اور ادب اُس کو باز رکھتے ہیں کہ اس کا نام لے کر بات کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یہ کیا شناخت ہوئی کہ بندہ آقا کا نام نہ لے اور یاد نہ کرے۔ فرمایا۔۔۔ قال اللّٰہ تعالیٰ۔۔۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ۔ اَے عمر! جو شخص اپنے آقا کے ہمراہ ہو اور اُسے دیکھ رہا ہو اُس کا پکارنا اور یاد کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم خدا ہمراہ کہاں ہے؟ فرمایا۔۔۔ اِنَّ اللّٰہَ فِیْ قُلُوْبُ الْعِبَاد ۔ یعنی اللہ بندوں کے دِلوں میں موجود ہے۔ پوچھا بندہ کہاں ہے؟ فرمایا۔۔۔ وَهُوَ اَلاِنْسَان ۔ لیکن اَے عمر! یہ بھی ذہن نشین کر لے کہ دِل کی بھی دو ۲ قسمیں ہیں: ایک قلبِ مجازی اور دوسرا قلبِ حقیقی۔ اور قلبِ حقیقی وہ دِل ہے جو نہ بجانب چپ ہے اور نہ بجانب راست، نہ تحت ہے نہ فوق، نہ دُور نہ نزدیک۔

لیکن مرشدِ کامل کے ارشاد کے بغیر کوئی اُسے سمجھ ہی نہیں سکتا۔ حقیقت میں قربِ ربانی پر یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔

قلوب المومنین عرش اللّٰہ تعالیٰ وقلب المومن حافرة من ذکر کثیر فهو حی

۔۔۔ یعنی مؤمنوں کا قلب خدائے برتر کا عرش ہے۔ اور مؤمن کا قلب زیادہ ذکر وشغل میں مصروف رہنے سے زندہ ہو جاتا ہے۔

یہ مقام 'مقام ذکرِ خفی' ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا۔۔۔ مؤمن اور مسلم میں کیا فرق ہے؟ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا:

لیس المومنون الذین یجتمعون فی المساجد ویقولون لا الٰہ الا اللّٰہ لرسم

وہ لوگ مؤمن نہیں جو مسجدوں میں جمع ہو کر رسمی طور پر کلمہ شریف پڑھتے ہیں

۔۔۔ اَے عمر (رضی اللہ عنہ)! رسمی طور پر کلمہ پڑھنے والے حقیقت میں مؤمن سے بے خبر ہیں۔ نہیں جانتے کہ

کلمہ کیا ہے اور اس کا مقصود کیا ہے اور معانی کیا ہیں۔ان معنوں میں ۔۔۔لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔۔۔کہنا، یعنی 'ہے' اور 'نہیں ہے'۔اوّل نہیں ہے، کہتے ہیں اور آخر میں (ہے) اس طرح وہم وشک میں پڑ جاتے ہیں جو عین کفر ہے۔رسمی کلمہ تو گویائی زبان کے سوا اور بجز زبانی جمع خرچ کچھ نہیں جانتے کہ کس کی نفی کر رہے ہیں اور کس کا اثبات۔جب تک یہ نہ سمجھیں کلمہ کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: یارسول اللہ (ﷺ)! پھر کلمہ ہے کیا؟ جنابِ رسول ﷺ نے فرمایا: یہ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں اور محمد ﷺ ظہور خدا ہیں۔اس لیے چاہیے کہ خطرہ ماسوااللہ کی نفی کرے اور 'ذاتِ احدیت' کو ہر چیز اور ہر جگہ میں ثابت قرار دے۔

قال اللہ تعالیٰ: ۔۔۔فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ﴿۲:۱۱۵﴾ یعنی ہر جگہ پر کہ منہ کرو وہاں خدا کو پاؤ گے

عمر جب بندہ اپنی صفات کی نفی اور ذات اللہ کا اثبات کرے تو وہ درجہء نہایت پہنچے گا اور۔۔۔ من عرف ربه کل لسانه۔۔۔کی منزل میں آجائے گا۔یعنی جو اپنے رب کو پہچان لیتا ہے، اُس کی زبان بند ہو جاتی ہے اور یاد اللہ کی وادی سے آگے بڑھ جائے گا۔اَے عمر! (رضی اللہ عنہ) یقین رکھ اور خوب سمجھ لے کہ جب تک سالک اپنی نفی نہ کرے اور یاد اللہ سے نہ گزرے اُس وقت تک وہ وحدت کی منزل میں نہیں آتا بلکہ دوئی میں پڑا رہتا ہے اور دوئی عین شرک وکفر ہے، اور حقیقی کلمہ کا یہی مطلب ہے۔

معترض کو معلوم ہونا چاہیے کہ دربارِ رسالت میں بھی روحانی تعلیم علیٰ قدرِ مراتب ایمانیہ اور بتدریج ہوتی تھی۔گو نورِ نبوت کی ضیاباری میں کوئی اور کسی کے ساتھ مغائرت نہیں، تاہم رحمت کی قبولیت کا انحصار بہت کچھ زمین کی اہلیت پر ہوتا ہے۔تمام جہاں کے لوگ جانتے ہیں کہ بارش رحمت ہے مگر زمینوں کی طبیعتوں اور مزاجوں کے ماتحت اثر انداز ہوتی ہے۔غیر ممکن ہے کہ پتھر پر، گندی نالی پر، کوڑے کرکٹ پر، اور مزروعہ زمین پر (جس میں کسی کاریگر نے ہل چلا کر آبیاری کر کے کوئی بیج بھی بو دیا ہو) یکساں اثر کر سکے۔اعتراض کرنا سہل ہے، مگر زمین کو رحمت کا اہل بنانا مشکل۔ابرِ نیساں کے گوہر ساز قطرہ کو وہی سیپ پا سکتے ہیں جو اُس کی قبولیت کے لیے اپنا منہ کھلا رکھیں، حسد کرنے سے رحمت اور آگ لگنے سے بادل نہیں برسا کرتے۔ڈھونڈنے والا پا لیتا ہے۔دُنیا کی تلاش سے اپنا قدم ذرا باہر نکال اور اندر کے بت خانے کو نورِ محمدی ﷺ کے ساتھ خالی کر، جس کی تلاش ہے وہ اُسی کو کعبہ بنا کر آئے گا اور ملے گا۔

یہی وہ تعلیم رسولِ کریم ﷺ ہے جس کی ابتدا غارِ حرا کے گوشہء تنہائی سے ہوتی ہے اور تکمیل معراج کی بلندیوں میں۔یہ عرفان ہی کے کمال کے ثمرات اور کرشمہ کاریاں تھیں کہ بادشاہی میں بھی فقیروں کی دُنیا کو نوازا گیا اور فقر کی لازوال دولت پر فخر کیا گیا۔فافھم۔

واضح رہے کہ خالق ومخلوق اور عبد و معبود کا وہ غیر منقطع اور مستحکم رشتہ ہے جس میں حوادثِ زمان ومکان کسی قسم کا تزلزل نہیں ڈال سکتے ،مگر اس رشتہ کی تکمیل کے لیے جو سلیم الفطرت ہستیاں میدان میں نکلتی ہیں ،انہیں انواع واقسام کی صعوبتوں اور مشکلات کا سامنا ضرور ہوتا ہے۔ نامحرم راز آوازے کستے ہیں اور محرم تسلی وتشفی دیتے ہیں۔ سالک کبھی مایوس ہوکر گریہ وزاری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کبھی منزل مقصود کے نشانات دیکھ کر خراماں خراماں چلتا ہے ،اسی کشمکش میں وہ نہ کسی کی سنتا ہے اور نہ کسی سے الجھتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی منزل مقصود پا لیتا ہے۔ اور اپنی خودی کا جلوہ آئینۂ حق میں دیکھتا ہے ،اُس کی ترقیاں منتہا کو پہنچ جانے کے قریب تر ہو جاتی ہیں۔ اپنے آپ کو بھلا کر اِس طرح فنافی اللہ ہو جاتا ہے کہ اُس کی وسعتِ نظر انوار وصفاتِ الٰہیہ کا صحیح عکس لیتی ہے اور اس پر اپنی حقیقت واضح ہوکر ایسا عرفان وارد ہو جاتا ہے کہ ۔۔۔من له المولیٰ فله الکل ۔۔۔ کے اختیارات کے ماتحت تمام کائنات پر حکومت تفویض ہو جاتی ہے اور اس کا یہ حال ہوتا ہے۔ شعر:

بزمِ ایجاد میں بے پردہ کوئی ساز نہیں ہے یہ تیری ہی صدا غیر کی آواز نہیں

اور اہلِ نظر وحال اِسی مقامِ عرفان کا نام ’شعورِ خودی‘ فرماتے ہیں ،مگر اس کا کیا علاج کہ نا اہل جب اس میدان میں رینگنے لگتے ہیں تو اپنے آپ کو محروم دیکھ کر سعی کی بجائے اہل اللہ پر بدزبانی کرتے اور حسد کے ماتحت منہ چڑانے لگ جاتے ہیں۔

قصیدہ شریف کیا ہے؟

خیال تھا کہ فقیر ،عالی جناب سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی کچھ سوانح حیات لکھے مگر یہ مدِ نظر رکھ کر کہ یہ برگزیدہ ہستی جس کی سوانح عمریاں پچاسوں نہیں تو بیسیوں ضرور لکھی جا چکی ہیں اور جن سے دُنیا کا قریباً ہر فرد واقف ہے ،فقیر کی کسی نئی قصیدہ خوانی کی محتاج نہیں۔ اور نسبی حالات وعلمی مقالات کا لکھنا کوئی ضروری بھی معلوم نہیں ہوتا ،کیونکہ مسلم تو مسلم ہے ،غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ یہ گیارہویں والے بزرگ کون ،کیا اور کہاں کے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی سوچا کہ ایسے حالات کا دوہرانا اِس مختصر کتاب کے حجم کو بھی بڑھا دے گا۔ بہتر ہے کہ اُسی زندگی کے ایک دوسرے پہلو پر قلم اُٹھایا جائے جو روحانیت کے لحاظ سے آپ کی مقدس زندگی کا جزوِ اعظم ہے ،اور جس پر کچھ نہ کچھ لکھنا اِس کتاب کے لیے ایک نمایاں خامی کے

مترادف ہوگا، لیکن یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اُس روحانی زندگی کو لفظوں میں بیان کرنا، جس کی شان پرواز کے ذکر سے بڑے بڑے عالی پایہ بزرگانِ دین نے اپنے آپ کو معذور ظاہر فرمایا ہے، فقیر کے لیے ایک محال ترین کام اور دشوار گزار منزل ہے۔ چونکہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بلندیٔ شان و علو مرتبت کی کچھ حقیقت رموز و اسرار کی صورت میں خود قصیدہ شریف سے ہی مترشح ہوتی ہے، لہٰذا فقیر سعی کرے گا کہ قصیدہ شریف کے الفاظ میں مضمر حقائق کو اِن اوراق میں ہی اپنی بساطِ علمی کے مطابق حدودِ شرع شریف کے اندر اندر قارئین کرام کے سامنے پیش کرے، مگر ساتھ ہی یہ التجا بھی کرتا ہے کہ خطراتِ نفسانیہ اور وساوسِ شیطانیہ سے بچنے کے لیے خداوندِ عالم جل مجدہٗ کی توفیق و حضور پُرنور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اور حضرت سیدنا محبوبِ سبحانی رضی اللہ عنہ کی روح پاک دستگیری فرمائے۔ آمین

اَے غلامِ قادری! یہ قصیدہ شریف (جس کی تاثیراتِ علمی اور عملی سے ایک جہاں آشنا ہے) تعلق الٰہی میں آپ کی علو مرتبت اور منتہائے درجت کی ایک بے حجابانہ حقیقت ہے، جو میدانِ معرفتِ الٰہی میں رب العزت جل جلالہ کی طرف سے بمرتبۂ غوثیت آنحضور غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی۔ اہلِ عرفان ہی اُس کمال بے زوال کی حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ یہ الفاظ (جو قصیدہ شریف میں استعمال کیے گئے ہیں) کس درجہ کے اور کیسے انسان کو کس مقام معرفت میں زیبا ہو سکتے ہیں۔

عوام کالانعام میں سے تو ایک فیصدی بھی شاید ایسا نہ ملے جو ان قویٰ و تصرفات کو اپنی بے بسی کے ماتحت صحیح ہی خیال کر کے یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ انسانیتِ اعلیٰ اور عبدیت کبریٰ کے لیے یہ مراتب و مدارج ممکن ہو سکتے ہیں، اور در حقیقت یہ مبحث عوام کے لیے ہیں بھی نہیں۔ بلکہ جب سے بعض علماء و صلحاء نے خواص کی حقیقت کو عوام میں اور دیدنی امور کو شنید میں اور طریقت و حقیقت و معرفت کے مسائل کو ظاہریت میں بیان کرنا شروع کیا ہے، تب سے بے شمار فتنوں کا دروازہ کھل گیا ہے۔ بزرگانِ دین کی باطنی کیفیتوں پر طعن کرنا تو درکنار بے ادب لوگ سرکارِ انبیاء محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر زبان بد کھولنے سے نہیں چوکتے۔ یہ اسرار کی گفتگو چونکہ صرف اہلِ نظر اور اہلِ حال ہی کا حصہ ہوتی ہے، اس لیے خود سرورِ کائنات مختارِ شش جہات احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔۔۔ کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم۔ یعنی لوگوں سے اُن کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرو۔۔۔ کیونکہ اُن کے سامنے جب بھی یہ تذکرہ آئے گا، اُن کی عقلیں اِس کو ناممکن جان کر چکر کھا جائیں گی اور وہ اِس کو سمجھنے کی بجائے معترض ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے نافہم لوگوں کے سامنے بندگانِ خدا یہ کہہ کر گزر گئے ہیں:

زاہد ظاہر پرست اَز حالِ ما آگاہ نیست　　　در حق ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اِکراہ نیست

پس اس کی مختصر حقیقت یہ ہے کہ درویش جب یادِ الٰہی میں مجاہدہ کرتا ہوا ذکر اسماء الحسنیٰ کے ماتحت صفاتِ الٰہیہ کے دَور کو لازم کرتا ہے اور اس پر اسماء کی تاثیرات کے لحاظ سے جداگانہ حالتیں طاری ہوتی ہیں، تو وہ ہر صفت کی مجازی کیفیت کو اپنے آپ پر وارد پاتا ہوا، اٹھانوے اسماءِ الٰہیہ صفاتیہ سے اُن کی مختلفانہ تاثیروں کے ماتحت عبور کرتا ہے اور مشاہدۂ ذات و اسمِ ذات میں مشغول ہو جاتا ہے، اور یہی وہ مقام ہے جہاں ۔۔۔ اذاتم الفقر فهو الله ۔۔۔ کا قول صادق آتا ہے اور ایمان بالغیب اُس کے لیے کفر ہوتا ہے۔ اِس حالِ 'اَنَا' و مقامِ فنا میں جو وہ کہتا اور سنتا ہے، وہ بموجب حدیث شریف اُس کا اپنا اور اختیاری نہیں ہوتا، بلکہ وہ معبودِ حقیقی خود ہی اُس کے ہاتھ، منہ، آنکھ، ناک، کان وغیرہ قوتیں بن جاتا ہے۔ اور طالب میں اِس منزل پر کن فیکونی طاقتیں ودیعت ہو جاتی ہیں، جہاں اُس کا ہر قول و فعل اُسی مالک کا قول و فعل ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

لا یزال العبد بتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذا احببته کنت سمعه و بصره ویده وبی یسمع وبی یبصر و بی یبطش

۔۔۔ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

فقیر کہتا ہے کہ قصیدۂ غوثیہ شریف بھی اُسی مقامِ قرب کی ایک 'خود دار و سکر یافتہ' آواز ہے جس کو سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے باطنی حال کی اجمالی تفسیر سمجھنا چاہیے، جس میں عالمِ جذبات کی نیرنگیاں اور نشاۃِ ملکیہ کی رنگ آفرینیاں ایک ایسی شان اَدائی و دلربائی کا متحرک منظر و محسوس پیکر پیش کرتی ہیں جس کا اوّل نظارہ عقل و فکر کی نگاہ کو خیرہ اور فہم و ادراکِ انسانی کی نظر کو تیرہ کر دیتا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص حقیقت و معرفت کی عینک لگا کر اُس کی تابشِ کمال و درخشندگی جمال کا نظارہ کرے تو اُس کی آنکھ کرۂ انوار بن جاتی ہے اور آفتابِ حقیقت کے مقابل کر دیتی ہے۔ مشاہدۂ یکتائی کا پیکر عالمِ مثال کی بے مثالی کا مجسمہ پیش کرتا ہے۔ عالمِ سفلی و جہانِ مادی کا ذرۂ خاک سیارگانِ اجرامِ علوی پر چشم نمائی کرتا نظر آتا ہے اور عرشِ تجلیات، فرشِ ظلمات کی طرف جھکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

گو معترضین کے نزدیک اِس قصیدۂ مبارکہ کے بعض مضامین نہایت ہی عسیر الفہم، خلافِ شریعت اور قابلِ اعتراض سمجھے گئے ہیں، مگر یاد رہے کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ جس بلند و بالا مقام کے شہ نشین ہیں اور جس کیفِ بیخودی سے سرشار ہو کر یہ اشعار فرما رہے ہیں اِس جہانِ آب و گِل کے بسنے

والے معترضین کو اُس کی ہَوا تک نہیں لگی۔ جن کے فہم وادراک کا راہوار اپنے وجود کی مسافت کو طے نہ کر سکے حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے کلام کی بلندی تک کیا خاک پہنچے گا۔ حضور کے کلام کو سمجھنے کے لیے چشمِ حق بین، دماغ غیر مخدوش اور بصیرت پاک کی ضرورت ہے۔ جن کے اپنے فہم وادراک پر ہزار ہا حجاب پڑے ہوئے ہوں وہ جب تک اُن کو دُور نہ کرلیں، آفتابِ حقیقت وانوارِ معرفت کے جلوہ گر ہونے اور ایک واصل باللہ کے کلامِ عرش اعتصام کو سمجھنے کی کیونکر توقع کر سکتے ہیں۔ کاش کہ یہ سطحی نظر رکھنے والے حضرات منصور و فرعون کی صدائے 'اَنَا الْحَق' میں فرق کر سکتے اور علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کو سمجھنے کی سعی کرتے: ع

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر ماسراپا انتظار او منتظر

اِس بحث میں اِس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مفصل تشریح، اشعار کے ضمن میں کر دی جائے گی۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہ

تاثیرِ اوراد و وظائف

اِس جہانِ آب وگل میں بہت سی وہ مخلوق بھی ہے جو آج نقوش واعمال کی بے اثری کی شکوہ گزار ہے اور جب کسی سے تذکرہ کرو تو وہ یہی کہے گا کہ یہ چیزیں اثرات سے خالی ہو چکی ہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ صحیح تو اس لیے کہ فی زمانہ نقوش واعمال میں واقعی اثر بہت کم پایا جاتا ہے اور غلط اس لیے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ بزرگوں کی زبانِ فیض ترجمان اور اُن کے پاکیزہ قلوب سے نکلی ہوئی چیز اثر نہ کرے۔ جب اُن کے اندر روحانی انوار جذب ہو کر ربانی طاقتیں پیدا کر دیتے ہیں تو پھر اثر کا نہ ہونا ایک ناقابلِ فہم حقیقت ہے۔

کیونکہ قرآن کریم اپنے اثرات کو خود ہی بیان فرما رہا ہے کہ میری آیات شفا ہیں، سب کچھ غلط ہو سکتا ہے مگر اللہ کا کلام ہرگز غلط نہیں ہو سکتا۔ وہ صحیح ہے ہر اعتبار سے اور ہر رنگ میں صحیح ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ قرآن شریف کی آیات ہوں۔۔۔یا۔۔۔درود شریف، بزرگوں کے منہ سے ارشاد فرمائی ہوئی کوئی دُعا ہو۔۔۔یا۔۔۔نقش، سب اپنی اپنی جگہ موثر اور تیر بہدف ہوتے ہیں، مگر چونکہ پڑھنے والا اُن کے پڑھنے کے تمام اوصاف اپنے اندر سے کھو چکا ہوتا ہے، اس لیے یہ مؤثر ترین چیزیں بھی اپنی بے پناہ اثر خیزیوں کے باوجود بے اثر رہ جاتی ہیں، مثلاً: ایک مریض کو اکسیر سے اکسیر دوائی دیجیے مگر مریض ساتھ ساتھ ہی بے احتیاطی بھی کرتا جائے تو یہ اکسیر یقیناً بے اثر ہو کر رہ جائے گی اور طبیب اُس کا اثر بیان کرنے میں

سچا اور مریض اس کی بے اثری کے شکوے کرنے میں حق بجانب ہوگا۔

نماز، بحکمِ الٰہی خواہشات و منکرات سے باز رکھنے والی ہے اور۔۔۔تنھی عن الفحشاء والمنکر ۔۔۔کا فتویٰ بھی موجود ہے، مگر باوجود اِس کے بعض نماز پڑھنے والے بھی خواہشات و منکرات میں مبتلا نظر آتے ہیں، تو اس کے یہ معنی نہیں کہ نعوذ باللہ! نماز کی تاثیر میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے بلکہ پڑھنے والے نے نماز کو اُس کی شرائط کے ساتھ اَدا نہیں کیا۔ اس لیے ظاہری پاکیزگی کا تو برائے نام اہتمام کر لیا ہے، مگر باطنی پاکیزگی کو سر مو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا، تو بتایئے اُس کو کیونکر حضورِ قلب میسر آئے اور کس طرح ذوقِ عبادت نصیب ہو۔ پس جو چیز اُس نماز کی بے اثری کی ذمہ دار ہے وہی اوراد و وظائف کے مؤثر نہ ہونے کی کفیل ہوگی۔

علت یہ ہوتی ہے کہ اُس کا طریق عمل غلط ہوتا ہے اور اُس کے پڑھنے کے آداب و شرائط کی تکمیل نہیں ہوتی، ورنہ کوئی معنی نہیں کہ اُس کا اثر نہ ہو۔ چونکہ بعض عملیات کے شائقین اپنی ہی اجتہادی کمزوری اور بے قاعدگی کے ماتحت بلا اجازت و بے فائدہ عمل شروع کر دیتے ہیں اور صحبتِ اہل اللہ میں آ کر اُن شرائط و آداب کا مطلب سمجھنے اور امورِ روحانی پر واقف ہونے کی کوشش نہیں کرتے، اس لیے اثرِ کلام اور اُس کے نتیجہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ اہل اللہ کی صحبت میں خلوص و عقیدت سے حاضر ہونا بفضلہٖ تعالیٰ یقیناً اس شک و شبہ کی تاریکی اور محرومی سے نجات دلا سکتا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہو بغیر کسی اللہ کے نیک بندے کی اجازت اور با قاعدہ طریق کار حاصل کر لینے کے، کوئی عمل نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ موجب نقصان ہوتا ہے۔ سینکڑوں نہیں تو بیسیوں آدمی ایسے دیکھے گئے ہیں جو اپنی اِس بے راہ روی اور جہالت کا شکار ہو کر۔۔۔یا۔۔۔تو دیوانے ہو گئے ہیں یا ہمیشہ کے لیے خانماں برباد ہو کر تباہ ہو چکے ہیں، جن کو دیکھنے والا فوراً بھانپ لیتا ہے کہ اُن پر کسی خود اختیاری عمل۔۔۔یا۔۔۔وظیفہ کی رجعت پڑ چکی ہے۔ اللہ کریم ایسی جسارت سے محفوظ رکھے۔

یہاں پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ 'مستجاب الدعوات' بزرگوں سے شریعت و طریقت کے موافق قبولیتِ اوراد و وظائف کے لیے جتنے آداب و شرائط مسموع و منقول ہیں، لکھ دیے جائیں تا کہ پڑھنے والے انہیں جان کر عمل کر سکیں اور تاثیر عمل کے علاوہ اصلاح نفس کا بھی نفع حاصل کر لیں۔

۱۔ نیت اچھی اور درست، خواہش سچی اور پاک، ہمت قوی اور ارادہ بلند ہو۔

۲۔ لفظوں کو ٹھیک اعراب، صحیح تلفظ سے پڑھتے ہوئے معنوں پر دھیان رکھنا۔

۳۔ مناسب وقت مقرر کر کے بلا ناغہ پڑھنا۔

۴۔ بدن، جگہ، کپڑے، سب پاک وصاف اور تخلیہ وتنہائی ہو۔
۵۔ خلافِ دین امور کے لیے پڑھنے سے پرہیز لازم وواجب ہے۔
۶۔ کسی کی بُرائی کی بجائے اپنی اور دوسروں کی بھلائی کے لیے پڑھنا چاہیے۔
۷۔ حلال کھانا، سچ بولنا، جھوٹ سے بچنا اور پرہیزگاری کو قائم رکھنے والے کام کرنا۔
۸۔ طمع وریاء سے نہیں بلکہ عبادت سمجھ کر خلوصِ دِل سے عمل کرنا۔
۹۔ مقصد اور مراد پوری ہونے میں تاخیر سے نہ گھبرانا اور وظیفہ میں لگے رہنا۔
۱۰۔ دُنیا کے نفع سے آخرت کے ثواب کی زیادہ امید رکھنا۔
۱۱۔ باوضو پڑھنا اور بصورتِ عذر تیمّم سے پڑھنا۔
۱۲۔ اگر وظیفہ قرآنی آیات پر مشتمل ہو، تو 'اعوذ' اور 'بسم اللہ' سے شروع کرنا۔
۱۳۔ قرآن وحدیث کے علاوہ وظیفہ ہو تو اُس کے الفاظ خلافِ دین اور بے معنی نہ ہوں۔
۱۴۔ کسی شیخِ مجاز اور بزرگ کی اجازت سے پڑھنا بلا اجازت پڑھنے سے اچھا ہے، کیونکہ وہ اشارات وتصورات کے موقع ومحل سے واقف بلکہ تجربہ کار اور مشاہدہ رکھنے والا ہوتا ہے۔
۱۵۔ پڑھنے والا دُعا اور وظیفہ کو پڑھتے وقت اپنے مقصد کو خیال میں رکھے۔
۱۶۔ پڑھنے سے قبل اور پڑھ چکنے کے بعد سو سو بار۔۔یا۔۔ دس دس بار۔۔یا۔۔کم از کم تین تین بار درود شریف پڑھ لینا قبولیت کے لیے نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ دُعا آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے اور ذرا بھی بلند ہو کر درجۂ قبولیت کو نہیں پہنچتی، جب تک حضور نبی ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے۔

یہ تو تھی وہ حقیقت جس میں تاثیرِ کلام کے منکرین کا تذکرہ تھا۔ اَب دوسری جماعت کے نظریہ کو معلوم کیجیے جس کے نزدیک کسی کلام۔۔یا۔۔شئے کی تاثیر کا قائل ہونا ہی گویا ایک بڑے گناہ کا اِرتکاب کرنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی کلام کی تاثیر کے ماتحت قانونِ قدرت کے بدل جانے کے ہم معترف نہیں، مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ قانون ایک برگزیدہ ہستی کی رضا واختیار کا نام ہے، جو کائنات میں ہر لحظہ عند الضرورت متغیر ومتبدل ہوتا رہتا ہے۔ معترض ہی اپنے کلام کی تاثیر پر غور کرے تو اس کو تابع اعتراض نہ رہے ایک مرتبہ نوکر کو حکم دیا جائے کہ میرا عمامہ لاؤ، وہ عمامہ لانے کے لیے دوڑا تو کہا نہیں ٹوپی لانا، دوسرا کلام نوکر پر غالب آیا، جس نے عمامہ کو ٹوپی سے بدل دیا۔ یہ چونکہ روزمرہ کے اقوال کی تبدیلی ہے، اس لیے اس کی تاثیر سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ قانون اور کسے کہتے ہیں اور اس کی تبدیلی کیا معنی رکھتی ہے،

یہ گھریلو قانون ہے۔ دوسرا عدالتی قانون۔۔یا۔۔ سرکاری قانون جس کو معترض جیسے انسان ہمیشہ 'موم کی ناک' کہہ کر پکارا کرتے ہیں، ہمیشہ کسی طاقتور مقنن کے سامنے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اِسی طرح کائنات میں قانونِ قدرت جاری وساری ہے۔ دریاؤں کا اِجراء، اَفلاک کی گردش، ہَواؤں کی تصریف، اِجرامِ فلکی کی تسخیر، غرضیکہ کائنات کا ذرہ ذرہ قانونِ الٰہی کے ماتحت اپنی زندگی گزارنے کا پابند ہے، مگر ہدایتِ خلق کے لیے برسبیلِ صداقت انبیاء علیہم السلام۔۔یا۔۔ اولیائے کرام کو جب کبھی اُن کی کوائفِ اصلیہ کو بدلنے کی ضرورت پیش آئی فوراً اُن کی قانونی حیثیت کو بگاڑ کر رکھ دیا اور اِسی کو مذہب کی اصطلاح میں 'معجزہ' اور 'کرامت' کہتے ہیں۔

'معجزہ' کی تعریف ہی خارقِ عادت فعل ہے، مثلاً: عادت یوں جاری ہے کہ بھوک پیاس کھانے پینے سے دُور ہوتی ہے، درخت، پتھر، حیوان، گائے، اونٹ، گدھا، وغیرہ انسان سے کلام نہیں کرتے۔ کوئی درخت۔۔یا۔۔ پتھر کسی کے بلانے سے بحرکتِ ارادیہ نہیں آسکتا۔۔یا۔۔ کوئی شخص دریا کے پانی پر زمین خشک کی طرح نہیں چل سکتا۔۔یا۔۔ ایک آدمی کا کھانا سینکڑوں آدمیوں کو شکم سیر نہیں کرسکتا۔ نہ کوئی شخص ایک مٹھی خاک سے ہزاروں انسانوں کو اندھا۔۔یا۔۔ ہلاک کرسکتا ہے۔ پس جو کوئی ایسا کر دکھائے اُس کا یہ فعل خلافِ عادت ہوگیا، جو اسبابِ مادیہ پر مبنی نہیں کہلا سکے گا۔ اور جو کچھ ہوگا اُس کے کلام کے اثر سے ہوگا۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ کلام کیسا ہو، اُس کے لیے کسی خاص زبان۔۔یا۔۔ عبارت۔۔یا۔۔ لفاظی کی ضرورت نہیں۔ اثر چونکہ قائل کی قوت کا ہوتا ہے، اس لیے ایسے الفاظ کو کسی زبان میں ہی وہ اَدا کرے، ضرور مؤثر ہوں گے، مثلاً: حضرت خواجہ بہاؤالدین مشکل کشا نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے ایک سفر میں عسرِ ولادت کے لیے ایک ضرورت مند کو یہ الفاظ بصورتِ تعویذ لکھ کر دیئے۔۔۔

مرا جا شد خرم را نیز جا شد زن دہقان بزائد یا نزائد

۔۔۔جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مجھے جگہ مل گئی اور میرے گدھے کو ٹھکانا مل گیا، کسان کی بیوی اولاد جنے۔۔یا۔۔ نہ جنے۔ نہ یہ کوئی آیت ہے نہ حدیث، نہ عربی نہ فارسی، نہ وظیفہ نہ ورد، نہ منتر نہ جنتر، معلوم ہوا کہ ہر کلام میں تاثیر ہوتی ہے، بشرطیکہ اُس کا قائل پوری پوری قوت گویائی رکھتا ہو۔ حضرت شرف الدین یحیٰ منیری کا فرمودہ عمل اگر سانپوں کو اور دیگر موذی جانوروں کو اپنی تاثیر کے لحاظ سے بھگا سکتا ہے، حضرت غوث الاعظم کے اسمِ گرامی کی تاثیر جنات سے محفوظ کرا سکتی ہے، اور صدہا کلام مختلف مصائب میں مفید ثابت ہوسکتے ہیں، جن کی اشعار کے شرح کی ماتحت ان شاء اللہ وضاحت کردی جائے گی، تو یقیناً اِس قصیدہ

شریف کے اشعار میں بھی تاثیر ہوسکتی ہے جس پر بیشمار بزرگانِ دین کا دستور العمل شاہد ہے۔ کیا معترض اپنے روزانہ مشاہدات میں نہیں دیکھتا کہ کسی شاعر۔۔۔یا۔۔۔صوفی۔۔۔یا۔۔۔مطرب کا کوئی کلام، آواز۔۔۔یا۔۔۔بغیر آواز کے پڑھنا، سننے والوں کو وجد میں لے آتا ہے، قطع نظر اِس کے کہ وہ صاحب حال ہوں۔۔۔یا۔۔۔نہ ہوں۔

مسیح علیہ السلام کا۔۔۔قُمْ بِاِذْنِی۔۔۔کے ماتحت۔۔۔اِنِّی اُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی۔۔۔کی گواہی میں مردے زندہ کر دینا کلام کی تاثیر نہیں تو کیا ہے۔ قرآنی اوراد و وظائف جو سرکارِ انبیاء علیہم السلام وعلیٰ نبینا نے بیان فرمائے ہیں کہ اس طرح ان پر عمل کرو تو یہ ہو جائے گا، اور عمل کرنے پر ویسا ہو جانا، کیا تاثیرِ کلام ہی کا نتیجہ نہیں۔ مثلاً: حدیث شریف میں سورۂ فاتحہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ وہ موت کے سوا تمام بیماریوں کا علاج ہے، اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اِس کے عمل کی گواہی یوں پیش فرماتے ہیں کہ ہم مسافرانہ حیثیت میں کہیں جارہے تھے، ایک جگہ پڑاؤ کیا تو ہمارے قافلہ میں وہاں کے ایک سردار کی لڑکی آئی اور کہنے لگی کہ ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے، کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اُس کو دم کر دے، جس سے اُس کے زہر کا اثر جاتا رہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ہمارا دوست ابن سعید اُس لڑکی کے ہمراہ ہولیا اور مار گزیدہ سردار کے پاس پہنچ کر 'فاتحۃ الکتاب' پڑھی اور اُس پر پھونکی، وہ اُس کلام پاک کی تاثیر سے اچھا ہوگیا، اور سردار قبیلہ نے اس کے صلہ میں بطورِ شکرانہ۔۔۔یا۔۔۔نذرانہ اُس کو بکریاں دیں، جن کو ابن سعید نے قبول کیا اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو جائز فرمایا اور اُن میں اپنا حصہ بھی مقرر کیا اور کھایا۔ کیا یہ اثر اس کلام کا نہ تھا جس کے لیے ارشادِ نبوی شاہد ہے۔

فقیر کے حقیقی ماموں جو بفضلہٖ تعالیٰ فی زمانہ بقید حیات ہیں، مار گزیدہ کے متعلق ایک ایسے عمل کے عامل ہیں کہ اُس کی تاثیر کے ماتحت لاکھوں مریضوں نے شفا پائی ہے اور شفا بھی اِس طرح کہ مریض کو دیکھنے۔۔۔یا۔۔۔اُس کے پاس پہنچنے کی ضرورت نہیں، خواہ وہ ہزار کوس کے فاصلہ پر ہو اُس کی زندگی میں اگر اُس کا قاصد پیغام لے کر میرے قبلہ کی خدمت میں پہنچ جائے تو مریض کو دم (پھونکا) قاصد کو کیا جاتا ہے اور مریض جہاں کہیں بھی ہو فی الوقت ایک منٹ میں وہاں اچھا ہو جاتا ہے، کیا ایسے زود اثر کلام کے بے پناہ اثر سے بھی معترض اپنے خلجان دماغی میں مبتلا رہے گا اور اگر اُس عمل کے الفاظ معترض کو سنائے جائیں تو شاید اُس کو غشی ہو جائے، اگر ضرورت سمجھے تو کبھی فقیر سے پوچھ لے۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ مقام حدیبیہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت اپنا بچہ لائی اور عرض کرنے لگی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اِس بچہ کو آسیب کا اثر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہونے کی حالت

میں اُس بچے کو گود میں اُٹھالیا اور اُس کی جانب رحمت کی نظر سے دیکھ کر آسیب کو فرمایا: اَے خبیث! نکل جا، میں اللہ کا رسول ہوں، اور وہ بچہ تندرست ہو گیا۔ حضور ﷺ اُس بچہ کو اُس کی والدہ کے ہاتھ میں دے کر آگے تشریف لے گئے، کچھ عرصہ کے بعد جب سرکار ﷺ مراجعت فرماءِ مدینہ طیبہ ہوئے تو اُسی مقام پر وہ عورت پھر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ بچہ اچھا ہے اور میں یہ ایک بکری خدمت میں پیش کرتی ہوں، حضور ﷺ نے اُس کو قبول فرمایا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پکوایا اور کھایا۔ یہ کلام ہی کا اثر تو تھا۔

پھر جیسے حضور ﷺ کے کلامِ فیض انجام کا اثر ماننا پڑتا ہے، ایسے ہی حضور ﷺ کے غلاموں کے کلام کا بھی ماننا پڑے گا، کیونکہ اُن کا کلام بھی اُسی مقدس و پاکیزہ کلام کا ایک جزو ہے جس میں خدا بولتا ہے۔ اور جب بھی کبھی کسی مخلص کے کلام کو دوہرایا جائے گا، اُس سے بھی اُسی تاثیر کا ظہور ہوگا جو اس کے ابتدا میں تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

تمہید

قرآن کریم کو سمجھنے والا ہر مسلمان اِس حقیقت سے آشنا ہے کہ رب العزت نے جس قدر اپنی معرفت عبادت کے احکام بیان فرمائے ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ اہمیت نماز کو حاصل ہے اور نماز کی اَدائیگی کے لیے باقی قرآن پاک کے علاوہ سورۂ فاتحہ کی یہاں تک تخصیص کی گئی ہے کہ اس کا ہر نماز میں پڑھنا واجب قرار دے دیا گیا ہے، بلکہ ایک حدیث شریف میں تو۔۔۔لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب ۔کا شاندار حکم موجود ہے، یعنی تکمیل نماز بغیر سورۂ فاتحہ ہوتی ہی نہیں۔ چنانچہ ہر نمازی بدیں غرض دن بھر میں کئی بار سورۂ فاتحہ کو نماز میں تلاوت کرتا ہے، پھر اِس سورۂ فاتحہ میں ایک ایسی آیت ہے جس میں۔۔۔اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (یعنی ہم کو صراط مستقیم کی ہدایت فرما)۔۔۔کہنے اور تلاوت کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ گویا وہ نماز میں۔۔۔یا۔۔۔بغیر نماز کے جب قرآن کریم پڑھے، اپنے واسطے 'صراطِ مستقیم' کی طلب کرے اور ہمیشہ بارگاہِ الٰہی میں اس امر کے لیے گڑگڑائے کہ مجھے 'صراطِ مستقیم' عطا فرما۔

یہ ظاہر ہے کہ نمازی نماز میں کھڑا ہو کر جس چیز کی طلب اور تمنا کر رہا ہے، وہ نماز کے علاوہ کوئی اور چیز ہوگی۔ ایسے ہی اگر روزہ رکھ کر بھی نماز پڑھے گا پھر بھی، اور ارکانِ حج اَدا کرتا ہوا نماز پڑھے گا پھر بھی، یہ 'صراطِ مستقیم' کی تمنا اور التجا باقی رہے گی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ ہر مؤمن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ

عبادات کرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو ابھی 'صراطِ مستقیم' کا محتاج و متمنی خیال کرتا ہے۔

لٰہذا سوال یہ پیدا ہوگا کہ اگران عبادات واحکام کی اَدائیگی کا نام صراط مستقیم نہیں تو وہ اور کیا شئے ہے۔ اِس کا جواب اِسی سورۂ فاتحہ میں ارشاد ہوتا ہے: ۔۔۔صِراطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ،۔۔۔یعنی وہ راہِ مستقیم جس کا ذکر ہوا ہے، اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر رب العزت نے انعام فرمایا۔ اب یہاں انعام یافتہ جماعت کی تلاش باقی رہے گی جس کے متعلق قرآن پاک کے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ انعام یافتہ جماعت، انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کی جماعت ہے۔ اِس مخصوص بیان نے مؤمن پر واضح فرما دیا کہ ہر رزق روٹی رکھنے والا امیر۔۔۔یا۔۔۔لیڈر۔۔۔یا۔۔۔مشرک بادشاہ جو خداوندِ عالم کا نافرمان ہو، انعام یافتہ جماعت میں بدیں غرض شامل نہ کرلیا جائے کہ اُس کو دُنیوی ضروریات کے پورے کرنے میں فراغت وفراوانی حاصل ہے، بلکہ تعلقِ الٰہی کی انتہا۔۔۔یا۔۔۔ایمان کامل ہی کا نام 'صراطِ مستقیم' ہے اور اسی شان کے اہل ایمان 'انعام یافتہ جماعت' شمار ہوتے ہیں۔ گو امراء پر بھی وہ امارت عطاءِ الٰہی ہی ہے اُن کی کوئی ذاتی چیز نہیں، تاہم محض امارت، ہی امارت قابلِ تسلیم اور اس شمار وقطار میں شامل ہونے اور شبہ کیے جانے کی چیز نہیں۔

'صراطِ مستقیم' کی اس تعریف سے یہ نتیجہ نکلا کہ 'صراطِ مستقیم' بندگانِ خدا اور محبوبانِ الٰہی کی اُن پاکیزہ اَداؤں کا مجموعہ ہے جو معبودِ حقیقی جل جلالہ کو پسند آگئیں۔ مثلاً: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا طوافِ کعبہ میں اپنے معبودِ حقیقی کو والہانہ طور پر پکارنا، سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا تعمیر کعبہ میں آپ کی مدد کرنا، ذبح کے اشارے پر گردن جھکا دینا، آپ کی والدۂ ماجدہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کا دامن پھیلائے کوہِ صفا ومروہ کے درمیان نقل وحرکت کرنا وہ پسندیدہ اور پاکیزہ اَدائیں ہیں جو ربِّ کعبہ کو بھا گئیں اور امم مابعد کے لیے حج کا نام دے کر فرض کردی گئیں تاکہ اُس کی ساری مخلوق اُن ہی محبوبوں کی صورت میں اُس کے سامنے آئے جن کی محبوبانہ اَدائیں اُس کو مرغوب ہوگئی ہیں۔ اِسی طرح اگر حقیقت معلوم کی جائے تو یہ نماز روزہ کیا ہے، یہ بھی غارِ حرا میں محبوبِ خدا سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل وحرکت اور عشقِ الٰہی میں بھوک اور پیاس کی برداشت کا نام ہے۔ اپنے محبوب کو جن حالتوں میں پسند فرمایا، اُن ہی میں اُس کی امت اور غلاموں کو دیکھنا چاہا۔ کسی شاعر نے اپنے محبوب کے متعلق کیا خوب لکھا ہے:

مجھے کیا غرض تھی سجود سے مجھے کام کیا تھا رکوع میں
تیرے نقش پا کی تلاش تھی جو جھکا رہا میں نماز میں

آبِ زمزم جس کو لوگ تبرکاً پیتے اور آنکھوں پر لگاتے ہیں، اگر اُس میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام

کی ایڑی کی برکت نہ ہوتی تو اُس میں کیا خصوصیت ہے، حجرِ اسود جسے کعبہ مکرمہ میں بوسے دیئے جاتے ہیں، اگر اُس پر محبوبِ ربِ جہاں رحمۃ للعالمین حضور پُر نور محمد رسول اللہ ﷺ کے لبِ جاں بخش نہ پہنچے ہوتے تو وہ ایک سیاہ پتھر ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا ایک عاشقِ خدا اور ایک خلیفۂ محبوبِ خدا ﷺ اور مدبر و محقق انسان خدا جانے اُس سے کیا سلوک روا رکھتا۔

اِس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ خاصانِ خدا کی راہ میں، خدا کے حضور میں 'صراطِ مستقیم' ایک مقبول ونجات دہندہ راہ ہے اور اُسی کی تمنا و تلاش ہر ذی فہم انسان کا فرض انسانی ہے۔ جو کوئی اُس کے خلاف جائے گا بحکمِ قرآن کریم جہنمی ہوگا جس پر یہ آیت شاہد ہے:

وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ﴿۴:۱۱۵﴾

اور جو مخالفت کرے رسول کی اس کے بعد کہ اس پر ٹھیک راہ روشن ہو چکی اور چل پڑے رواج و دستور اہلِ ایمان کے خلاف تو ہم رہنے دیں گے جیسے رہے اور ڈال دیں گے اس کو جہنم میں، اور وہ پلٹاؤ کی بُری جگہ ہے (معارف القرآن)

لہٰذا فقیر اِسی راہ کی دعوت میں یہ چند سطور بصورتِ شرح قصیدہ شریف پیش کرتا ہے۔ خدا کرے کہ قارئین اِس سے اُس نتیجہ پر پہنچ سکیں کہ ایک مردِ خدا کی پرواز اور رسائی کہاں تک ممکن ہے اور اللہ کریم نے اُس کو۔۔۔ اَلۡاِنۡسَانُ سِرِّیۡ وَاَنَا سِرُّہٗ۔۔۔ کے تاجِ تکریم سے کیونکر نوازا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سَقَانِی الْحُبُّ کَاسَاتِ الْوِصَالِ　　فَقُلْتُ لِخَمْرَتِی نَحْوِیْ تَعَالِیْ

جذبۂ عشق الٰہی نے شرابِ وصل کے پیالے مجھے بھر بھر کے پلائے
پھر میں نے کہا جتنی شرابِ وصل اَزل سے میرے حصہ کی ہے میرے پاس آجائے

عشق نے بھر کے پلائے مجھ کو جام　　وصلِ دلبر سے ہوا میں شاد کام
پھر کہا میں نے شراب وصل سے　　مجھ میں مل جا آ کے اپنی اصل سے

کملی والے محبوب کے نواسے (حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ) عشق الٰہی میں سرشار ہو کر اپنی مستی وانبساط میں مقامِ قُرب کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں کہ۔۔۔ جذبۂ محبتِ خدائی نے مجھے شراب وصل کے پیالے بھر بھر کے پلائے اور اُس سے مجھے وہ سکر حاصل ہوا کہ میں نے اُس شرابِ وصل کے لیے مزید پکار کی اور کہا کہ جتنی بھی شرابِ وصل ازل سے میرے حصہ میں رکھی گئی ہے، وہ سب کی سب میرے پاس آجائے، یعنی مجھے طرح طرح کے وصل۔۔یا۔۔اس کے طریق ایک ہی بار حاصل ہو جائیں۔
۔۔۔جس سے مراد کثرتِ شوق بھی ہو سکتی ہے اور اس کی بہت سی مثالیں خاصان خدا کے حالات میں ملتی ہیں۔ کیونکہ انسان کا فطری تقاضا ہے کہ جب وہ کسی پردہ سے محبوب کی آواز سنتا ہے تو جلد از جلد اُس کو بے حجاب دیکھنا چاہتا ہے، چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب معبودِ حقیقی نے مکالمہء بلا واسطہ سے نوازا تو چند بار کی حاضری کے بعد محبوب کا پس پردہ کلام کرنا گوارہ نہ ہوا، نوازشاتِ کریمانہ کو (جو بے منت وطلب پہلے ہو چکی تھیں) مدنظر رکھتے ہوئے والہانہ طور پر پکار اُٹھے کہ جب اِس قدر قرب سے نوازا گیا ہوں تو دیدار سے کیوں محروم ہوں۔۔۔ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ﴿۷:۱۴۳﴾۔ اَے میرے خدا! مجھے اپنا آپ دکھا، میں تجھے دیکھوں۔۔۔

درخواست گو معقول، حق بجانب اور جائز تھی مگر جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض پہلوؤں کے لحاظ سے قبل از وقت ضرور تھی، اِسی لیے فرمایا گیا کہ۔۔۔لَنْ تَرَانِی۔ یعنی اَے موسیٰ آپ مجھ کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ ہم نہیں دکھانا چاہتے۔۔یا۔۔ہم نہیں دکھا سکتے، کیونکہ درخواست ناجائز نہ تھی اور نہ ہی نبی ناجائز التجا کیا کرتے ہیں، لیکن اپنی حیثیت سے ذرا باہر تھی اور بغیر اہلیت کے مشاہدۂ بے حجابانہ اور رویتِ

باری تعالیٰ قطعاً غیر ممکن ہے، اس لیے فرمایا۔۔۔ آپ نہیں دیکھ سکتے۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ زیادہ دُوری بھی اپنی کم نظری کی وجہ سے نہ دیکھ سکنے کا سبب ہوسکتی ہے، اور زیادہ قرب بھی درخواست کرنے اور نہ دیکھ سکنے کا باعث ہوسکتا ہے۔ جیسے آنکھ میں سلائی سرمہ کی۔ ہم یہاں یہ فیصلہ کرنے کی جرأت وطاقت نہیں رکھتے کہ یہ جواب۔۔۔ دیکھ نہ سکنے کا۔۔۔ دونوں پہلوؤں سے کس پہلو پر منحصر تھا۔ یہ درخواست کنندہ کو علم ہوگا۔۔یا۔۔ جواب دہندہ کو، طالب و مطلوب کے راز میں ایک ناچیز غلام کو کیا دخل۔ بہر حال ایک ہی بار اُس راز سربستہ کو انکشاف میں لانا چاہا، جس کا ذکر سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ بھی فرما رہے ہیں۔ اِس حقیقت سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ بحکم قرآن۔۔۔ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلاً۔﴿۱۱:۱۷﴾ یعنی انسان جلد باز ہے اور ہر کام کو جلدی سرانجام دینا چاہتا ہے۔۔۔ جیسا کہ جس وقت سیدنا ابوالبشر حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام کے جسم میں روح پھونکی گئی تو پہلے پہل سر میں پہنچی اور پہنچتے ہی حضرت آدم علیہ السلام نے چھینک لی اور پکارا کہ یا اللہ! جلد روح کو میرے سارے جسم میں پھیلا اور پھر الحمد للہ کہا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی یہ عجلت بھی عشقیہ تھی کہ راز کے چہرے سے نقاب جلدی اُٹھ جائے اور سب کچھ جلد معلوم ہو جائے۔

۔۔نیز۔۔ایک غلط العام مقولہ کی حقیقت بھی یہاں بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا جس کا اِس بحث سے کچھ تعلق ہے، اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگ بطریق طعن کہا کرتے ہیں کہ اپنی تعریف آپ کرنا خود پسندی اور معیوب حرکت ہے اور ثبوت میں حافظ صاحب کا یہ مصرعہ پیش کیا کرتے ہیں۔۔۔

ثنائے خود بخود گفتن نمے زیبد ترا حافظ

۔۔۔لہٰذا نہ کرنی چاہیے، کیونکہ اپنے منہ سے میاں مٹھو بننا ٹھیک نہیں، مگر وہ نہیں جانتے کہ اس مصرعہ کا کیا مطلب ہے اور اپنی تعریف ممنوع ہونے میں کیا راز ہے، اور اِسی چیز سے بعض نافہموں کو بندگانِ خدا پر بھی طعن کرتے سنا گیا ہے۔

بات اصل میں یہ ہے کہ اپنی نسبت وہ تعریف کرنا جو حقیقت پر مبنی ہو منع اور معیوب نہیں۔ ایسی تعریف معیوب سمجھی گئی ہے جو لاف زنی، خود پسندی، بے جا تعلّی، لغویت و کذب پر مبنی ہو۔ اور اگر صحیح تعریف اور حقیقی فوقیت۔۔یا۔۔ جائز علومِ مرتبت کا اظہار بھی منع ہوتا تو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام دربارِ مصر میں اپنی امانت ودیانت کی تعریف نہ فرماتے۔ ہمارے آقائے نامدار سید ذی وقار کائنات کے سردار مولا ومختار سیدنا ومولنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔۔۔ کہ جس انسان پر رب العزت نے دین ودُنیا کے انعامات فرمائے ہوں، وہ اگر اظہارِ نعمت نہیں کرتا تو کفر کرتا ہے اور ناشکرا ہے۔ اِس بنا پر اگر کوئی انسان اپنی فراوانیٔ انعامات کی اصلیت ذکر کرے تو وہ ممنوع نہیں۔ لہٰذا بزرگانِ دین نے جب کبھی اور جیسا بھی تذکرہ اپنی

بلندئ مراتب کا کیا ہے، وہ منع، ناجائز اور معیوب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ بفضل ایزدی کسی حقیقت پر مبنی ہوتا ہے اور اُس سے مراد نفسانیت وخود پسندی نہیں ہوتی بلکہ عوام کی رہنمائی اور اپنے تابعداروں کی طمانیت مقصود ہوتی ہے اور ان لوگوں کے لیے رشد و ہدایت جن کا اعتراض ہے کہ یہ سب کچھ ایک بے معنی تخیل اور بے حقیقت مذاکرہ ہے، اور۔۔۔ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ۔ ﴿۹۳:۱۱﴾ کا مطلب یہی ہے۔

یادرہے کہ قصیدہ شریف کے پہلے شعر میں ماضی کا صیغہ استعمال کر کے۔۔۔ سَقَانِی الْحُبُّ۔۔۔ میں بتایا گیا ہے کہ سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ کی بادہ نوشی پہلے سے پہلے کی تھی۔ چنانچہ ایک اور قصیدہ میں آپ نے فرمایا ہے۔۔۔ انا کنت قبل القبل قطبا مبجلا۔ یعنی میں قبل سے قبل ایک بزرگ قطب تھا۔۔۔ اور میری یہ مے نوشی میرے وجودِ ظاہری کے زمانہ سے بھی اوّل کی تھی جس سے مراد جوش انااجبت ہے۔ اور عام مخلوق کی پیدائش وظہور سے پیشتر بھی آپ کا بزرگ وقطب ہونا متحقق ہوتا ہے اور یہ کوئی بے دلیل دعویٰ نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ۔۔۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْن۔ یعنی حضور اکرم نبی مکرم تاجدارِ کائنات مختارِ شش جہات محبوبِ کبریا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔۔۔ کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام کا ابھی پانی اور مٹی اکٹھا کیا جا رہا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نواسے شہبازِ میدان معرفت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل ایسے وقت میں اپنی اُس بلندئ مدارج اور قطبیت وبزرگی کا ذکر ودعویٰ فرمائیں تو کوئی بعید از قیاس بات نہیں۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اسی قصیدہ حمیدہ میں کسی دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں، ع:

وقتی قبل قبلی قد صغالی۔ یعنی میرا وقت میرے وجودِ عنصری سے پہلے ہی صاف تھا

اے کہ حکم تست نافذ کلِ حال   در تو پیش از پیش حکم ذوالجلال

دیگر، صیغہء واحد میں 'یائے متکلم' کے استعمال کرنے سے یہ اشارہ ہے کہ میرے حصہ کی شرابِ عشق سب شرابوں سے صاف اور تیز تر ہے اور شارب کو ایسا گرمانے والی ہے کہ اور کسی میں اس شراب کے پینے کی طاقت ہی نہیں۔ چونکہ اِس دعویٰ میں دوسرے پینے والوں کی قطعی نفی ہوجاتی تھی۔ اس لیے فرمایا کہ میرا پس خوردہ پینے والا اس کی تاب وطاقت رکھ سکتا ہے کہ وہ اس شرابِ معرفت کو پی کر برداشت کر سکے۔ چنانچہ الفاظ۔۔۔ شربتم فضلتی ۔۔۔ میں اِس رمز کو ظاہر فرمادیا اور متلاشیوں کے سینوں سے کم طاقتی کا غم مٹادیا۔ اشعار:

اَے تو بالائے ہمہ در ہر عروج   نیست از قدم تو امکان خروج

ہر چہ خارج گشت اَز قدمت شہا ذرۂ بے سر شدو دور اَز ضیا
تو خوری دیگر مہ و استارہا ثانیِ تو نیست گفتم بارہا

یاد رہے کہ۔۔۔**سَقَانِیُ**۔۔۔میں جو نسبت 'حب' کی طرف ہے اور جس سے مراد دوستی رقیقی اور محبتِ حقیقی ہے اُس میں یہ اشارہ ہے کہ خود عشق غوثِ ربانی کا طالب ہے۔اور عشاق کی طرح نہیں جو آپ عشق کے طالب ہوتے ہیں۔ع:

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے عشاق کی دکان راز و نیاز کی گرمی عشق سے ہوتی ہے اور یہاں عشق اپنے بازار کی گرمی کے لیے محبوبِ سبحانی کی ذات کو تلاش کرتا ہے:

عشق خود جوید ترا اے شاہ دین تا مقام خویش یابد بالیقین
عشق را چوں بحر جوشد سینہ دائما در عشق تو بے کینہ

بعض بزرگانِ دین نے یہاں 'حب' سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات لی ہے کیونکہ محبوبِ حقیقی وہی ہے اور باقی سب اُس کے طفیلی ہیں۔اگر یہی تشریح صحیح مان لی جائے تو پھر اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مجھ کو محبوبِ حقانی وساقی ربانی یعنی ذاتِ آں سرور ﷺ نے وصل کے پیالے پلائے۔اور اس میں نکتہ یہ ظاہر ہوگا کہ میری مربی حقیقی وہی ذاتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے جس نے میری تربیت فرمائی۔

چنانچہ ایک دوسرے قصیدہ شریف میں اِس خیال وعقیدہ کا اظہار یوں فرمایا ہے۔۔۔ وَجَدِّیُ رَسُوْلُ اللّٰہِ فِیُ اَصْلِ رَبَّانِیُ ۔یعنی میرا جدِّ بزرگ اللہ کا رسول ﷺ ہے جس نے ہر امر میں میری تربیت کی ہے۔۔نیز۔۔ایک اور مصرعہ میں بھی ارشاد ہوا ہے۔۔۔**فساقی القوم بالوانی الملال** ۔اور ساقی قوم سے عبارت یہاں ذات نبی ﷺ ہے۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے اللہ کریم کی ذاتِ پاک بھی مراد ہو، کیونکہ ذاتِ الٰہی پر محبوب اور ساقی کا اطلاق بلحاظِ وصف، عندالشرع ناجائز نہیں۔

۔۔نیز۔۔یہ یاد رہے کہ لفظ '**کاسات**' کو جمع اور '**وصال**' کو واحد لانے میں یہ اشارہ ہے کہ میرے نقش قدم پر چلنے اور میری منزل فقر پر پہنچنے کے لیے کئی راستے ہیں اور مجھے اپنے ہر ارادت مندوں کی تربیت اُس کی استعداد کے لحاظ سے کرنی ہے تا کہ مختلف راہوں سے تمام طالب علیٰ قدر مراتب وارادت حصہ پاسکیں۔شعر:

اے ترا در ہر مکان حسنے دگر بادشاہا زیں ترا جشنے دگر

اے کف پائے تو رونق ہر رخے　　　　مر ترا در ہر کفے وزنے دگر

اور یہ امر ظاہر ہے کہ۔۔۔ **کاسات الوصال**۔۔۔ سے مراد سلوک کے وہ تمام طریقے ہیں جن پر اولیاء اللہ اور خاصانِ خدا چلتے ہیں۔ پھر مطلب یوں ہوا کہ 'حب' نے مجھے وصالِ الٰہی کے تمام پیالے پلائے اور وصول الی اللہ کے تمام راستے دکھائے۔ پس جو کوئی چاہے مجھ سے پائے اور میرے یدِ بیضا سے اپنی ہدایت کی شمع کو روشن کرے۔

چنانچہ اگلے ابیات اِسی مضمون پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ وصول ایک نسبت ہے جو کہ اِس وجود کے فنا ہو جانے کے بعد سخت ترین مجاہدہ میں خداوندِ عالم جل جلالہ کی ذات سے پیدا ہوتی ہے اور یہ محض توفیقِ ایزدی ہی ہے جو اَدنیٰ مخلوق کو نواز دے، ورنہ اِس مٹھی بھر خاک کو عالَمِ پاک سے کیا نسبت ہے۔ شعر:

میری خود بینی نے ڈالا تھا ترے رخ پر نقاب
میں ہی خود جب نہ رہا تو تُو نظر آیا مجھے

یاد رہے کہ لفظ۔۔۔ **قُلتُ**۔۔۔ میں اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جنابِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کو باہوشی و راز فہمی کا مرتبہ ہر مقام اور ہر حال میں حاصل تھا۔ بے ہوشی و مدہوشی طریقِ کار میں دخل نہ رکھتی تھی۔ شرابِ سکر کے پینے سے اِدراک و فہم ظاہری و باطنی میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہوتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو کلامِ ہوش کا یہ تذکرہ ظہور میں نہ آتا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔۔۔ میں نے عشق کو جو میرے حکم میں تھا کہا کہ میری طرف آتا کہ تیری تیزی اور پینے کی داد دی جائے اور خشک حلق والوں کو تیری جانسوز چاشنی سے سیراب کیا جائے۔۔۔ یہاں سکر و سرور کی انتہا کر دی کہ دریا قطرہ کے رنگ میں اور آفتاب ذرہ کی شکل میں بنا دیا۔ حضور کی لیاقت و قابلیت کا کیا کہنا ہے کہ شرابِ وصل کو اپنی جانب بُلا کر یہ ثابت فرما دیا کہ یہ بھی میرے حکم کے ماتحت ہے اور یہ تعجب کا مقام نہیں۔

بعض بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ درویش دو ۲ قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جن کو جلوؤں کی تلاش میں سرگردانی کرنی پڑتی ہے اور ایک وہ جن کو خود جلوے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اور یہ دونوں گروہ انبیاء علیہم السلام کے طریق طریقت کے حامل ہوتے ہیں۔ کسی پر کامل و ناقص کا الزام نہیں آ سکتا۔ ذرا میدانِ معرفت میں انکشافِ حقیقتِ نبوت کو ہی دیکھئے تو پتا چل جاتا ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پکار۔۔۔ رب ارنی۔۔۔ کیا تھی، اور جواب باری تعالیٰ بالفاظ۔۔۔ لَنْ تَرَانِیْ۔۔۔ کیا تھا، اور ہمارے سرکارِ دوعالم

محمد رسول اللہ ﷺ کی خواب خانۂ امِ ہانی کیا تھی، استراحتِ قلبِ غیر فانی کیا تھی، اور جبریل علیہ السلام کی رب العزت کی طرف سے دعوتِ دیدار لانی کیا تھی، اور سوتے کو جگا کر انشراحِ صدر کی کہانی کیا تھی، فرشتوں کی یہ ملازمت ونگہبانی کیا تھی، اور عرش اعظم کی بلندیوں پر قیدِ زمانی ومکانی کیا تھی۔

یہاں طور کی سرزمین میں کسی کی درخواستِ دیدارِ بے حجابانہ کو ٹھکرا دیا جاتا ہے اور مکہ کی آبادی سے کسی کو بے طلب بلا لیا جاتا ہے۔ بات دَر حقیقت یہ ہے کہ حسن محبوب کا اپنا ہے جس کو چاہے دیدار کرا دے اور محرم بنا لے اور جس کو چاہے انکار سے غیر محرم ٹھہرائے، اصرار کی جگہ نہیں۔ حضرت اقبال فرماتے ہیں:

گہے صد لشکر انگیزی کہ خونِ عاشقاں ریزی　　گہے در انجمن با شیشۂ و پیمانہ می آئی
تو بر نخل کلیمے بے محابا شعلہ می ریزی　　تو بر شمع یتیمے صورتِ پروانہ می آئی

شراب وصل کا پلانا تو درکنار حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔۔۔ تطوف لی الافلاک والرب سبحانی۔ یعنی آسمان میرے گرد طواف کرتے ہیں اور انوارِ الٰہی مجھے گھیرے رکھتے ہیں۔ اِس فرمانِ عالی میں ابتدائے سلوک اور انتہائے سلوک کی دونوں جانب اشارہ ہے۔ کیونکہ پہلا طریق جذبۂ عشق ہے، جس وقت یہ ظاہر۔۔یا۔۔ باطن میں ظہور پذیر ہوتا ہے، دن بدن اُس میں کشائش ظاہر ہوتی جاتی ہے اور یکبارگی منازل کا عبور شروع ہو جاتا ہے۔ اِسی لیے فرمایا کہ۔۔۔ میرے تمام جذبات وصال کا موجب ہیں اور ہر سلوک میں وصالِ کامل کا درجہ ہے۔ ہر جذبہ سے انتہا تک پہنچ سکتے ہیں اور ہر سلوک کے بھید سے مدعا کو دیکھ سکتے ہیں۔

اَے غلامِ قادری! آئندہ آنے والے اشعار میں تجھے معلوم ہو جائے گا کہ سرکارِ غوثیت مآب کے اِس فرمانِ عالی۔۔۔ فَقُلْتُ لِخَمْرَتِیْ نَحْوِیْ تَعَال۔۔۔ سے مراد وصل اور کمال کی شراب ہے جس کے معنی یوں ہوں گے کہ۔۔۔ تقرب کی بلندیوں کے جام پینے کے بعد جب مجھ کو وصال حاصل ہو گیا تو میں نے اپنی شراب سے کہا کہ آتا کہ میں تجھ کو آرزوؤں کے خشک لبوں اور حلقوں تک پہنچاؤں اور انہیں بھی تجھ سے سرشار کروں جو ابھی تک تم سے محروم وبے مراد ہیں تاکہ کوئی طالب تشنہ لب وخشک حلق نہ رہے اور یہی جذبہ ہر محتاج کے کام آئے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ

ملائک کی نگاہ خیرہ ہے انوارِ صفاتی سے　　وہ کیا جانیں قدم انسانِ کامل کا کہاں پہنچا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿جام دوئم۔۔۔کیفیتِ وجدانی﴾

سَعَتْ وَمَشَتْ لِنَحْوِیْ فِیْ کُئُوْسٍ　　فَھِمْتُ بِسُکْرَتِیْ بَیْنَ الْمَوَالِیْ

بڑے بڑے پیالوں میں بھری ہوئی یہ شراب جلد جلد میرے پاس آئی،
پس میں نے اس کو لے لیا اور اپنے دوستوں کے درمیان اُس کی مستی کا شیدا ہو گیا

آگیا وہ خمرِ طاہر پُر سرور　　بے پناہ تھیں مستیاں جس کے حضور
پی کے اس کو پی سے میں فوراً ملا　　اور ہم عصروں کو بھی حصہ دیا

انتظار کی گھڑی و فرقت کی ساعت اور ہجر کی رات جب ختم ہو جائے تو عاشق کے لیے ایک غیر فانی اور ابدی راحت ہوتی ہے۔ مطلوب کے دروازے کو جب پاتا ہے تو پھولا نہیں سماتا۔ اپنی سعی اور اُس کی رحمت کو کامیاب دیکھ کر اُس کے منہ سے عجیب عجیب تشکر و امتنان کے الفاظ نکلتے ہیں اور اس مسرت میں یہ عجیب و غریب اشارات کرتا ہے جن کو سننے سے اُس طالب کی کیفیتوں کا اندازہ لگتا ہے۔ اور وہ اس حال پر جس قدر ناز کرے کم ہے، چنانچہ اِسی حالت کو سرکارِ غوثیت مآب بھی بیان فرماتے ہیں کہ ۔۔۔ جب عشق نے شرابِ وصل کے پیالے بھر بھر کے مجھے پلائے تو میں نے طلبِ مزید میں محبوب کے دروازے پر اُس ساری شراب کے لیے پکار کی جس کی انتہا ہی نہیں۔ پھر اس والہانہ جذبہ کے ماتحت وہ بے پناہ کیف و سرور والی شراب بڑے بڑے پیالوں میں، جن سے مراد ساقی حقیقی کی چاروں توجہ (القائی، اتحادی، اتصالی وانعکاسی) ہی ہو سکتی ہیں، جلد جلد میرے پاس آئی۔ میں نے اُس کو لے لیا اور اپنے دوستوں اور ہم نشینوں کے درمیان اُس شراب کی مستی کا والا و شیدا ہو گیا، یعنی میں نے خود پی اور صاف دِل احباب اور وفا کیش طلاب میں تقسیم کی۔

یہاں یہ بات قابلِ یادداشت ہے کہ اِس عبارت میں اگر شراب کی سعی اور مستی حضور کی جانب مذکور ہے، تو اُس کی حقیقت یوں سمجھنی چاہیے کہ ۔۔۔ جب محبت نے پیالہ میری طرف کیا تو میں نے اُس کو لے لیا اور لیا بھی یوں کہ شرابِ وصل محبت کے ہاتھوں سے خود بخود میری جانب آئی۔ اور اگر سعی و مستی سے رشد و ہدایت کا جلوہ مراد ہو تو اِس کا یہ مطلب ہو گا کہ ۔۔۔ جس وقت 'حُب' نے مجھ کو وصل کا پیالہ پلایا، یعنی محبوب نے ہر طرف سے توجہ کے انوار سے مجھے منور کرنا چاہا اور میں نے بھی اپنے خالی قلب کو اُس

کے حصول کے لیے پیش کیا اور اُس کو مطلوب بنایا، تو پھر انتہائی ذوق میں اُس کے لیے پُر زور خواہش اور پکار کی کہ اَے شراب آ جا! پس وہ باعث کمال شراب، کمال انداز سے آئی اور ساقیِ حقیقی کی توجہ کے پیالوں میں ارشاد و ہدایت کے جلوے موجزن ہونے لگے۔ پس میں نے اُس کا قصد کیا اور اُس کی مستی کا دلدادہ ہو گیا۔ پھر مجھ سے میرے جذبے نے ظہور کیا اور میں نے اُس شراب کو طالبوں اور شاربوں میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنی استعداد کے مطابق اپنا حصہ پایا اور جلوۂ جمال محبوب لایزال سے مستفیض ہوا۔ اور اُس کی کائناتِ روحانی وجسمانی کے ہر ذرہ پر اُس کی اپنی وسعت حوصلہ کے مطابق انوار واسرار کا آفتاب چمکنے لگا اور اُس کی دُنیائے آب وگل میں قلب وطلب کا طُور بے حجابانہ مشاہدہ کی تجلیات سے دمکنے لگا۔

قارئین کو معلوم ہو کہ 'سَعَتُ وَمَشَت' کے الفاظ میں ایسی رمزیں ہیں کہ جن سے خاصانِ خدا کی اعانت کے سوا اور حضرتنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی مدد کے بغیر کماحقہٗ کچھ سمجھنا اور میدانِ معرفتِ الٰہی میں اُس کا مدعی ہونا اپنے آپ کو ایک کھلی گمراہی اور دانستہ طور پر فریب میں مبتلا کرنا ہے، جیسے کہ بعض نام نہاد جاہل صوفی اور بعض جوگیانِ ہند کی رسم وراہ پر چلنے والے بندگانِ لنگوٹ 'عارف باللہ' کہلاتے ہوئے پاکبازوں اور اہل اللہ کی دُنیا میں رینگنے لگتے ہیں اور جہالت و بے اَدبی سے 'ہمہ اوست' 'ہمہ اَز اوست' کی بھول بھلیوں میں الجھ کر سَعَت وَمَشَت کی مقدس وادیوں کو ہی چھوڑ جاتے ہیں جن کی طفیل طالب مولا محبوب کی چوکھٹ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ۔۔۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى ۔۔۔ کے ماتحت لفظ سَعٰی پر ہی ذرا توجہ دیجیے تو پتا چل جائے گا کہ سَعَتُ وَمَشَت میں کیا رموز ہیں۔ سَعٰی کے معنی ہیں کوشش کرنے والے کی عاجزی کا اظہار اور حصولِ مطلب سے دُوری کا اقرار، جس میں یہ مضمر ہے کہ یہ محض ہمنشینانِ صحبت کو سکھاتا ہے کہ حیلے کو ترک نہ کر دیں ورنہ محبوب ومحبّ میں شراب جہد کی گنجائش کیسی۔ نہ محبوب کسبی بن سکے اور نہ کسبی محبوب۔ نہ محبّ کے لیے 'سَعٰی' اور نہ 'سَعٰی' کے لیے محبّ۔ اَزلی تقسیم ہے جو جس کے لیے بن گیا بن گیا، یہ محبوب کو شراب پلانا اور محبّ کو 'سَعٰی' کے میدان میں لانا تو محض اس لیے ہے کہ محبوب کے اہل مجلس اور طالبانِ حق کو اُس سے نفع اور فیض حاصل ہو۔ اور حقیقت استغراق سے پردہ اُٹھا کر جمالِ خداداد کا جلوہ اپنے سے مستفید ہونے والوں کو دیں۔ ورنہ، شعر:

درمیان عاشق ومعشوق رمزیست کراماً کاتبین راہم خبر نیست

۔۔۔ چنانچہ ہر ذی فہم انسان سمجھ سکتا ہے کہ سرکار رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ 'مبلغ تبلیغ خلق کے لیے تھا اور

حضور ﷺ نے جو کچھ عملی زندگی کا نمونہ پیش فرمایا اور بھٹکی ہوئی خدا کی مخلوق کو اُس کے دروازے تک پہنچنے کی ہدایت کا طریق عمل کو ارشاد فرمایا اور اُن کے سامنے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، حج کیے، جہاد فرمائے، سجدے سہو سمجھائے، ہجرت کے اصول سکھائے وغیرہ وغیرہ، یہ سب کچھ خلقِ خدا کی رہنمائی کے لیے تھا، حضور ﷺ کی اپنی نجات کے لیے نہ تھا۔ کیونکہ جس ہستی کو خالق الکل نے ازل ہی سے افضل المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، محبوب رب العالمین، مالک لولاک، متصرف افلاک، تاجدار عرش وفرش اور تمام کائناتِ ارضی وسماوی کا بیج قرار دے کر معصوم و مصطفیٰ ﷺ پیدا فرمایا ہو، اُس کی نجات کا تذکرہ کیسا؟ اور ان اعمال زندگی پر اُس کی نجاتِ اخروی کا انحصار کیا؟ وہ تو ازلی نجات یافتہ وخود نجات دہندہ ہے۔

اِس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ جن لوگوں کے نزدیک نبی کسبی ہوتا ہے، اُن کے عقیدۂ فاسدہ کی بھی تردید ہو گئی۔ ظہورِ دُنیا سے قبل جس کو مندرجہ بالا فضائل ومحاسن سے سرفراز فرما دیا گیا ہو، اُس کی محنت ومشقت اور نجات ومناجات کا قصہ ہی کیا ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ عبادت سے بخشش ہو جاتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! بخشش ہی سے عبادت ہوتی ہے۔ اس رمز پر بھی کسبی نبوت کے مدعی 'دعویٰ سعی' کو نہ سمجھیں تو پھر اُن سے خدا سمجھے، کیونکہ اس عقیدہ کو دل میں جگہ دینے والا اہل اللہ سے دُور کی نسبت بھی قائم نہیں کر سکتا۔ العیاذ باللہ۔

نا اہل نہ سمجھیں تو اُن کی بے سمجھی ہے، ورنہ تبلیغ خلق کی راہ میں ہزار حقیقتیں پوشیدہ اور لکھوکھہا اسرار مضمر ہیں۔ اور ایک شخص کو صراطِ مستقیم کی دعوت دینا اور راہِ راست پر لانا دو جہان کی عبادت سے بہتر ہے۔ آمدم برسر مطلب۔ سبحان اللہ! سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ بھی کیسی بلند بارگاہ ہے کہ عشق بھی اس کی مجلس کے جاروب کشوں میں سے ہے، اور کیوں نہ ہو! جبکہ خاصانِ خدا کی بلندیٔ مراتب کمی اور دُوری کی کیفیتِ مجوبہ سے بالاتر ہوتی ہے اور شاید اسی لیے بعض اکابرین نے 'العشق حجاب' فرمایا ہے --- نیز --- اِس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ شرابِ عشق بھی اُس درگاہ کے ارادت مندوں اور طالبوں سے ایک ہے، جہاں چاہیں اُس کو بھیج دیں اور جیسے چاہیں اُس سے کام لیں۔

لفظ 'مشت' میں جس کے معنی رواں ہونا ہے، اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اُس بارگاہ کے طالبوں کے لیے کوئی مانع نہیں، جب کبھی وہ 'سَعی' کو عمل میں لاتے ہیں، اُس میدان میں چل پڑتے ہیں۔ مگر لفظ '**نحوی**' کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس کے اشارے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی ذات ہی طالب کے منظورِ نظر ہونی چاہیے، جیسا کہ بیت اللہ کے جانے والوں کو تماشۂ ملک منظور نہیں ہوتا۔ اور لفظ '**نحوی**' کے دو ۲ مطلب اور بھی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ اگر اس کا ترجمہ 'قصد' کیا جائے تو معنی یوں ہوں

گے کہ شراب نے پیالوں میں پڑ کر سعی کی اور ہماری طرف روانہ ہوئی تا کہ ہمارے انوارِ صحبت سے منور ہو اور اس صحبت سے یہ استعداد حاصل کرے کہ دوسروں کے سینوں میں قیام کرنے کے قابل ہو جائے۔

دوسرا یہ کہ اگر اِس کے معنی 'طریق' کیے جائیں تو اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ شرابِ عشق نے ہمارے 'طریق' پر قائم ہونے کے لیے سعی کی اور چلی تا کہ اُس کی موجوں کے جلوہ سے کثرت سے جذبات پیدا ہوں اور ہر طالب کے اندر ایک نیا نور پیدا کر سکے۔ یعنی جب پہلے پہل شراب نے جوش مارا تو اُس سے قسم قسم کے جذبات پیدا ہوئے اور اُس کی غرض یہ تھی کہ یہ ہمارے 'طریق' پر قائم ہو جائے تا کہ اُس کی 'سعی' اور روانی ہمارے دوستوں کا مقصد حل کر سکے، اور تیسرا یہ کہ اگر 'نحو' کے معنی 'جانب' کے کیے جائیں تو اِس لحاظ سے یہ معنی ہوں گے کہ شراب نے 'سعی' کی اور پیالوں میں پڑ کر ہماری طرف آئی۔ پس ہم نے بھی اُس کا قصد کیا، اُس سے محبت کی اور اُس کو اپنے دوستوں میں تقسیم کیا۔ اور یہی اُس کی تمنا تھی کہ ہم ہی اُس کی صراحی کو کھولیں اور اپنے ہاتھ سے اُس کو تقسیم کریں۔

دیگر اس میں بعض نکات اور بھی ہیں، جن کو بعض اہل اللہ سے سنا گیا ہے، مثلاً: ایک یہ کہ وہ شراب ہمارے دیدار کی طالب تھی، جب اُس نے ہمارے جمالِ جہاں آرا کا جلوہ دیکھا تو اپنے آپ کو ہمارے لیے وقف کر دیا اور ہم نے اُس کو اپنے اختیارات سے عارفانِ حق کے سینوں میں بھر دیا۔

دوئم یہ کہ اُس شراب کے ہماری طرف آنے کی غرض تو محض ہدایت تھی لیکن ہم نے یہ مناسب سمجھ کر اُس کو خدا کے نیک بندوں کے درمیان تقسیم کر دیا کہ وہ واقعی تقسیم کے قابل تھی۔

سوئم یہ کہ شرابِ عشق کو ہماری ہم آغوشی کی تاب نہیں، بلکہ اُس کا ہماری طرف سعی کرنا اُس کے کمالِ قبولیت کو ظاہر کرتا ہے۔

لفظ 'کئوس' میں جس کا مطلب شراب کا پیالوں میں تیار ہونا ہے، اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے طریقہ میں سرشاری طالبوں کی توجہ کو بلاتی ہے، جونہی طالب حاضر ہوا اپنے مدعا کو پہنچا۔

بعض بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ 'کئوس' سے مراد اُن تمام خاصانِ خدا کے سینے بھی ہو سکتے ہیں جو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے اوپر آنحضرت ﷺ تک پہنچتے ہیں، یعنی اُن برگزیدہ حضرات نے جن کی نسبتِ باطنی آنحضرت ﷺ تک تھی، سب کے سب اسرار و انوارِ الٰہی کے صدورِ مصفا اور قلوبِ مجلّا کے پیمانوں میں بھرے ہوئے تھے، مجھ تک پہنچائے اور امینوں کی طرح وہ تمام امانت میرے سپرد کر دی۔

چنانچہ اِسی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں بھی اَدا فرمایا ہے کہ۔۔۔ جدی رسول اللہ فی الاصل ربانی ۔ یہاں 'فی الاصل' فرمانے کا منشا یہ ہے کہ اگر چہ اس نسبت کے حامل بظاہر درمیان میں دوسرے

بزرگ بھی ہیں مگر وہ صرف امانت داروں کی طرح امانت پہنچانے والے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ ۔۔۔ لا منة علی لاحد بعد اللہ ورسولہ ۔۔۔ یعنی جو کوئی بھی ہے، امانت پہنچانے والا ہے، اس سلسلہ میں مجھ پر کسی کا احسان نہیں، جیسے مریدوں پر اپنے پیروں کا ہوا کرتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ۔۔۔ لا تقینونی کاحد من الاولیاء فرق ما بینی وبینھم فوق الارض والسماء۔ یعنی دوسرے لوگ زمین کی طرح محتاج ہیں کہ جب تک بارش نہ ہو اُس سے سبزی اور روئیدگی نہیں ہوسکتی اور جب تک آفتاب وماہتاب کی چمک نہ پڑے اُس کی کانوں کی چیزوں پر رنگ نہیں آتا، مگر میں آسمان کی طرح زمین کا محتاج نہیں ہوں اور مجھے کسی کی بلندی ورفعت سے کسی قسم کا سروکار نہیں، کیونکہ آسمان کی بلندی اور رفعت زمین کی سطحیت کے مقابلہ میں ظاہر و باہر ہے۔

یاد رہے کہ آنجناب قطب الاقطاب غوثیت مآب محبوب سبحانی غوث صمدانی، پیر پیراں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ دُنیائے ولایت میں بمقابلہ تمام اولیاء اللہ کے بمنزلہ آسمان ہیں اور دیگر اولیاء اللہ بمنزلہ زمین، جس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر زمین پر جب تک آسمان سے بارش نہ ہو وہ پھل پھول پیدا نہیں کرتی اور روئیدگی نہیں لاتی۔۔۔ نیز۔۔۔ جس طرح زمین اپنے تحفظ کے لحاظ سے خلاء آسمانی سے محیط ہے، اسی طرح تمام بزرگان دین اپنے اپنے مدارج میں خواہ وہ کسی حد تک بلند کیوں نہ ہوں، غوثیت کے دائرے میں گھرے ہوئے ہیں، کیونکہ نبوت، صدیقیت اور شہادت وفردیت کے بعد بارگاہِ ایزدی میں کوئی بلند درجہ ہے تو مدارج ومراتبِ ولایت میں غوثیت ہی ہے، اِس سے زیادہ اور کوئی بلندی نہیں۔

۔۔۔ نیز۔۔۔ ’کئوس‘ کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ عشق کی صاف شراب جو وصال کے پیالوں میں پڑی ہے، اگرچہ جگرتاب اور تیز ہے تاہم شرع شریف اور پرہیزگاری کے ضبط سے باہر نہیں، جس کی مستی میں کوئی امر خلافِ نبوت سرزد ہو، جس سے صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ سے بھاگے ہوئے اُن نام نہاد فقیروں اور ملنگوں کی بھی تردید ہوجاتی ہے جو مولائی، سروری، قلندری، شطاری، لال شہبازی، بالے شاہی، ملامتی وغیرہ کہلا کر اور فریبِ نفس میں مبتلا ہو کر ڈنڈے کونڈے کے نتیجے اور شجر خبیثہ کے نشے میں اتباعِ شریعت سے علیحدہ ہوجاتے ہیں اور عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ فقر اور چیز ہے اور شرع اور چیز ہے۔ حالانکہ فقر کی مالک اور فقر پر فخر کرنے والی بھی وہی ہستی ہے۔ جس نے تمام عمر رب العزت کے ارشاد کے ماتحت تبلیغ دین اور نشر واشاعت شرع مبین میں گزار دی ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ دولتِ فقر کا ثبوت اور عملی نمونہ نہ بانی اسلام، نہ صدیق اکبر، نہ فاروق اعظم، نہ عثمان ذوالنورین، نہ علی المرتضیٰ، نہ حضرت سید الشہداء، نہ متقدمین اغیاث واقطاب، نہ ابدال واوتاد، نہ نقباء ونجباء، نہ صلحا وصوفیا میں پایا جاتا ہے، اِس چودھویں

صدی کے بھیک ملنگ اور بے راہ رو ملنگ کو کہاں سے ملی ہے۔

مما لکِ اسلامیہ میں جہاں تک دیکھا گیا ہے بڑے بڑے اولوالعزم درویش پائے گئے مگر بالکلیہ متشرع ہونے کے علاوہ یہ طریق کار، یہ فقر کا نکھار، یہ رنگ روپ اور بے معنی دوڑ دھوپ، یہ چار ابرو کی صفائی اور بھنگ و پوست کی آشنائی، یہ نشے کی خماری اور امورِ شرعیہ سے بیزاری، کہیں بھی نظر نہیں آئی۔

دَرحقیقت اُس فریب خوردہ فقیر کو فقر نہیں مل سکا، لیکن تلاش فقر میں جوگیانِ ہند کی صحبت سے رہبانیت کی سیڑھی چڑھ گیا ہے اور اِسی کو فقر سمجھ بیٹھا ہے، کیونکہ ہمارے صوفیا میں ایک تو اربابِ حق کا وہ گروہ ہے جس کا مقصد محض تبلیغِ دین رہا۔ علمائے کرام نے ہمیشہ لوگوں کو خدا کے قہر وغضب سے ڈرایا اور صوفیاءِ عظام نے ہمیشہ اُس کے جمال رحمت ورافت کو بے نقاب کر کے لوگوں کے دِلوں میں محبتِ الٰہی کا بیج بونے کی سعی کی، لیکن اُن کے علاوہ مدعیانِ تصوف کی ایک دوسری جماعت بھی تھی جو اسلام کو دوسرے مذاہب کے عقائد سے تطبیق دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ متصوفین کے اُس گروہ کی کوشش نے ان غیر اسلامی معتقدات کو نئی شکلوں میں نمودار کر دیا، یعنی 'وحدتِ وجود' کے ساتھ ساتھ 'وحدتِ شہود' کا تصور بھی پیدا ہو گیا اور بیڈھب 'مسئلہءِ حلول' نے 'ظل وبروز' کی صورت اختیار کر لی، جس کا دھندلا سا خاکہ یہ درویشی رہ گئی ہے۔

لیکن مجذوبین حضرات کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے جس کے شبہ میں یہ نماز روزہ اور وضو کے پانی سے بھاگا ہوا مولائی مونچھوں پر ہاتھ پھیر رہا ہے، ورنہ مجذوب حضرات کی جماعت کو اگر اِن نفس پرستوں سے الگ کر کے اُن کا جائزہ لیا جائے تو پتا چل جائے گا کہ ان کی اس خود ساختہ درویشی اور خود کاشتہ ولی کی حقیقت جذباتیہ کیا ہے۔ چند باخدا مجذوبوں کی مشابہت میں اُن کی پاک جوانیوں کا صدقہ یہ جماعت بھی اہل اللہ میں شمار ہو گئی ورنہ قلندروں کی دُنیا میں رینگنا ایسے ہَوَس پرستوں کا کیا کام، شعر:

راہب نداشت تاب جمال پریرخاں گوشہ گرفت وخوف خدارا بہانہ ساخت

ہاں! تو اِس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہمارا اُس شرابِ عشق کی جانب قصد کرنا اور اُس سے دِل لگانا بلا درنگ ہے، یعنی جونہی کہ شراب ہماری طرف آئی، اُس کو اُس کے مدعا تک پہنچا دیا۔ یعنی احباب کے درمیان تقسیم کر دی۔ اور یہ معنی بھی کیے جا سکتے ہیں کہ ہم نے اُس کو قصداً پیا اور یاروں کو بھی پلایا، کیونکہ اگلے ابیات انہی معنوں کے زیادہ قریب ہیں۔

اور اِس بیت میں صیغہءِ واحد متکلم لانے سے آنجناب کی فردیت کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ آپ نے خود فرمایا۔۔۔ انا فرد الفرد ولا شریک لی۔ یعنی میرا رتبہ میدان ولایت اور مدارج ہدایت میں

تمام اولیاء سے زیادہ بلند ہے، شعر:

اَے کہ فرد الفرد عبدالقادری — در بساط قدس حقا برتری
دردو عالم نام تو مار ابس است — درولایت درنیابت سروری

آگے دیکھئے! اِسی شعر میں لفظ **'بسکرتی'** میں ایسا لطیف اشارہ ہے کہ شراب کی تقسیم کرنے کے وقت بحالتِ مستی بھی مجھ کو جذبۂ حقیقی میں تمکین حاصل تھی اور ہر چند کہ مستی میں بے خودی کارفرما تھی مگر احکامِ شرع کے بتانے میں اور وعظ و نصیحت فرمانے میں وہ 'سکر' حارج نہ تھا:

باچنیں زورجنوں پاس گریباں داشتم — درجنوں اَزخود نہ رفتن کار ہر دیوانہ نیست

سبحان اللہ! عجیب خمار و سرور ہے کہ ساقیِ میخانہ اپنی مستی کی حالت میں بھی ہوشیاروں کو مست اور مستوں کو ہوشیار کرتا رہتا ہے۔ مستوں کی مستی اور ہوشیاروں کی اَداکاری اُس سے کسی حال میں بھی پوشیدہ و مستتر نہیں، شعر:

ساقی ہوشیار مے باید شرابِ عشق را — آتشِ ہموار مے باید کباب عشق را

قادری میخانے کی کیفیات بھی کیا ہی انوکھی ہیں، جس کسی نے عقیدت سے اِس کی تند و تیز شراب کا ایک گھونٹ پیا، وہ دونوں جہاں میں کامیاب زندگی جیا۔ اور جو کوئی اِس کے جذب کے شعلے میں تلملایا، اُس نے ہستی موہومہ سے گزر کر بقاء کا رستہ پایا، جن کی ایک متلاشی نظر اس کی مینا کے بے پناہ نور پر پڑی، اُن کی چشمِ حق شناس حیرت کے میدان میں گڑی، سیت رو طالبانِ حق تیز رفتار اور چست چلنے والے برق آثار بن گئے۔ اشعار:

ساقیاں از بادہ اش مدہوش ہوش — سامعاں درنغمہ اش شد جملہ گوش
طالبان درطلب او، مجذوب اند — عاصیاں از کرم او محبوب اند
اہل دل از جود او شد کامیاب — ناقصاں را نور او کردہ صحاب
اَز طفیل مصطفیٰ بر ہر یکے — جودو فیضِ خود نمودہ بیشکے

اِس لفظ سے اِس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بوقت تقسیم ہم نے اپنی اَدنیٰ سی مستی کے ساتھ

تمام دوستوں کو مست کر دیا اور ہماری عالی ہمتی اور بلند حوصلگی وہ شان رکھتی ہے کہ کسی دوسرے کی ظرفِ حوصلہ میں اس کے لیے گنجائش نہیں، شعر:

بحر چوں در کوزہ آید اے عزیز　　فہم کن ہاں فہم گرداری تمیز

اور یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ میں نے شرابِ وصل کو دوستوں کے درمیان سب کے سامنے نوش کیا اور رونقِ مجلس بڑھانے کی داد دی۔ اور اگلا شعر۔۔۔ فقلت لسائر الاقطاب لموا ۔۔۔ ان معنوں سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ اور اگر پہلے معنی لیے جائیں تو یہ شعر پہلے کا بیان ہوگا، مثنوی:

ایکہ نور تو بہر سو در ظہور　　ابتدا وانتہا روز نشود

وائے بر غافل کہ زینجا دور ماند　　منکر ایں در بلا دزور ماند

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان ابیات میں اس مطلب کی طرف اشارہ ہو جو کہ اِس قول ۔۔۔ قدمی ھٰذہ علیٰ رقبة کل ولی اللّٰہ ۔۔۔ سے پایا جاتا ہے۔ یعنی جس وقت محبوبِ حقیقی نے وصل کی شراب میرے دِل کے پیالے میں ڈالی اور میری جان اور روح کے رگ و ریشہ میں اُس کا اثر ظہور پذیر ہوگیا تو میں نے وہ شراب سب کے سامنے استعمال کی اور اپنے درجہ پر سب سے آگے بڑھ کر اور فائز ہو کر تمام قطبوں کو پکارا کہ آگے آؤ اور عجز و نیاز و ارادات و عقیدت کی گردن ہمارے آگے جھکاؤ۔ تا کہ ہماری توجہ سے تم اپنے اپنے مطالب میں کامیاب ہو جاؤ اور اگرچہ تمہاری کیفیتیں مستور ہوں پھر بھی آفتابِ ولایت اور نورِ غوثیت کی روشنی سے چمکنے لگو گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام سوئم۔۔۔واردات معانی

فَقُلْتُ لِسَائِرِ الْاَقْطَابِ لُمُّوْا بِحَالِی وَادْخُلُوْا اَنْتُمْ رِجَالِیْ

پھر میں نے تمام قطبوں کو کہا کہ میرے پاس آؤ
اور میرے حال ورتبہ کو دیکھ کر میری محفل ارادت وافادہ میں داخل ہوجاؤ

پھر کہا میں نے یہ کل اقطاب کو حاضر وغائب شیوخ وشاب کو
دیکھ لو سب میرے حال وقال کو اور میری محفل اشغال کو

فرمایا گیا ہے کہ پھر میں نے تمام حاضر وغائب وشیخ وشاب اقطاب کو پکار کی کہ آؤ اور میرے حال اور مرتبہ کو دیکھ کر افادہ وارادت کی محفل میں داخل ہوجاؤ۔ کیونکہ تم لوگ ہم سے فائدہ حاصل کرسکنے کے قابل ہو اور تم ہی میں یہ استعداد واہلیت ہے۔

ہر شخص جو میدان طریقت وحقیقت میں ازروئے عقیدت کسی مردِ خدا کے دامن سے وابستہ ہے اور تلاشِ حق کے لیے کسی مرد خدا کی پابوسی اور کسی اہل اللہ کے دروازے پر جبیں سائی کرتا ہے، اُس نے اگر دیکھا نہیں اور بلندئ مراتبِ حضرت غوثِ پاک رضی اللہ عنہ سے واقف نہیں، تو اُس نے سنا ضرور ہوگا کہ حضرت سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ کا یہ مرتبہ ہے کہ جس قدر اقطاب واولیاء اللہ آپ کے زمانہ میں ہوئے سب کی گردنوں پر آنحضور کا قدم تفضّل ہے، اور وہ سب کے سب اس آستانۂ عالیہ پر جھک کر ہی اپنی منازل عرفان کے پانے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ پس جس وقت کسی قوم کا سردار اپنی قوم پر بخشش کرنے کو آمادہ ہوتا ہے تو اپنی قوم وجماعت کے ہر فرد کو خواہ وہ چھوٹا ہو۔۔۔یا۔۔۔بڑا، ندائے عام کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ آؤ، سب کے سب آؤ، اور ہمارے انعامات سے جو چاہو حاصل کرو۔ پھر کیا ہوتا ہے؟ جس کی قسمت یاوری کرتی ہے، وہ اُس بخشش عام میں پہنچ کر اپنے مدعا میں کامیاب ہوجاتا ہے اور جو بدبخت اُس آواز کو ان سنی کرکے اُس کی طرف رجوع نہیں کرتا، وہ ہمیشہ کے لیے محروم ونامراد ہوجاتا ہے، کیونکہ اُس کی نفس پرستی نے اُس سے حصول رحمت کی اہلیت چھین لی ہے۔ اور جب تک یہ نہ ہو تب تک کوئی بخشش مفید نہیں ہوتی، مثلاً: ہر شخص جانتا ہے کہ بارش رحمت ہے اور قرآن پاک میں بھی اس کو

اسی نام سے پکارا گیا ہے، مگر جب تک زمین میں اس رحمت کے قبول کرنے کی اہلیت نہ ہو، بارش ہر مقام پر روئیدگی پیدا نہیں کر سکتی۔ یہی بارش اگر کوڑے کرکٹ پر پڑتی ہے تو اُس میں بدبو بڑھتی ہے، اور یہی اگر کسی مزروعہ زمین پر پڑے جہاں کسی اللہ کے بندے نے ہل جوت کر بیج بھی ڈال دیا ہو، تو وہاں طرح طرح کے شگوفے اور پھل پھول پیدا کرے۔ اور اگر یہی بارش پتھر پر ہو تو وہ بے اثر اور کورے کا کورا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ موتی وہی سیپ پیدا کر سکتے ہیں جو ابرِ نیساں کے منتظر منہ کھولے پڑے رہتے ہیں۔ مگر بعض لوگوں کو یہ کہتے بھی سنا گیا ہے کہ ہم تو ایسی باتوں کے قائل نہیں، جب تک کوئی ہمیں زبردستی نہ درست کر دے اور ہم جب تک نہ دیکھیں گے نہیں مانیں گے۔

عزیز من! یہ بودا نظریہ غلط اور لغویت پر مبنی ہے۔ پیاسا ہمیشہ کنویں کے پاس جاتا ہے اور متلاشی ہمیشہ متحرک ہوتا ہے، نہ کنواں پیاسے کے پاس آوے اور نہ کبھی تلاش کی گئی چیز خود بخود اُس کی خدمت میں حاضر ہو۔ دُنیا کے لیے اگر ابنائے جنس کا غلام بنتا ہے، اُن کے سامنے دست بستہ ہوتا ہے، کتے کی طرح اُن کے بوٹ چاٹتا اور گدھے کی طرح اُن کی سواری بنتا ہے، تو بتا یہاں معرفت الٰہی میں کیوں یہ نظریہ بنا رکھا ہے۔ اپنے ظرف کو خواہشاتِ نفسانیہ سے خالی کر کے اور توبہ کے پانی سے دھو کر کسی سخی کے سامنے لے جا اور دیکھ کہ یہ انوارِ توحید الٰہی اور محمدی رحمت نامتناہی سے کیونکر لبالب ہوتا ہے اور آئینۂ جمال حضرت جیلانی سے بطفیل کمال سہروردی اس پر اسرارِ توحید و رسالت کیونکر منکشف ہوتے ہیں۔ اِس مغالطہ میں نہ رہ کہ مجھے کوئی مجبوری سے توحید کی راہ دکھا دے گا تو دیکھوں گا۔ یہ ایک شیطانی وسوسہ اور نفسانی فریب ہے جو تجھے بُرائی میں مبتلا کرنے کے لیے طرح طرح کے نظریے پیش کرتا رہتا ہے۔ ممکن ہے تو اِسی فریب میں مبتلا رہے اور موت کا فرشتہ سامنے آ کھڑا ہو اور تو محروم و نامراد ہی اِس جہاں سے سفر کر جائے۔ العیاذ باللہ۔

بندگانِ خدا اور مقبولانِ بارگاہ کو اتنی فراغت کہاں کہ وہ اپنے مطلوبِ حقیقی کا دروازہ چھوڑ کر تجھ جیسے نااہل اور ضدی انسانوں کو تلاش کرتے پھریں۔ اگر ضرورت ہے تو کسی کے جاتوں کو چوم اور پاؤں پر گر جا، ورنہ یہ نظریہ تیری اَزلی بدبختی کا گواہ ثابت ہوگا۔ پنجاب کے مایہ ناز شاعر علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں:

کیمیا پیدا کن اَز مشتِ گلے　　　بوسہ زن بر آستانے کاملے

عوام میں ایک اور بھی صریح مغالطہ ہے کہ بعض لوگ کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اور بیعت کر کے ہر بات میں اِس پر احسان جتانے لگتے ہیں کہ ہم نے فلاں کی بیعت کی ہے،

اُس کا فرض ہے کہ ہر موقع و محل پر ہماری رعایت، ہم سے سلوک اور ہماری آؤ بھگت کرتا رہے۔ وہ نادان نہیں جانتے کہ راہنمائی کے لیے کسی کو راہنما بنایا ہے۔۔یا۔۔ قصیدہ خوانی کے لیے۔ یہی وہ مغالطہ تھا جس کا جواب قرآن پاک میں حضور ﷺ نے اعراب کے مقابلہ میں ۔۔۔لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ﴿۴۹:۱۷﴾۔ فرمایا تھا، یعنی مجھ پر اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ، بلکہ میرا احسان مانو جس نے بھٹکے ہوؤں کو خدائے واحد کا پرستار وشناسا کرا دیا ہے۔ حضرت سعدی نے کیا خوب لکھا ہے:

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمے کنی　　　منت شناس از و کہ خدمت بداشتت

اوہو! بات دُور نکل گئی۔ مسئلہ یہ تھا کہ تمام کائنات کے اولیاء و اقطاب اُس بارگاہِ جیلانی رضی اللہ عنہ کے خوشہ چین اور اُسی دَر کے گدا ہیں، جس کے ثبوت میں حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ۔۔۔ اعطانی المولیٰ اجل ولایتہ لم یعطھا لغیری الیٰ یوم القیامۃ ۔۔۔اِسی مضمون کا کچھ حصہ اگلے اشعار میں آئے گا۔ پس تمام اولیاء اللہ آپ کے چاہنے والے اور آپ ہی سے پانے والے ہیں۔

یادر ہے کہ اس شعر میں **فقلت** کی 'تا' میں ایک خاص رمز ہے کہ میں نے اقطاب و اولیاء کو خمخانۂ توحید کی طرف بلایا اور خمرِ توحید پلایا، ورنہ کس کو طاقت تھی کہ شرابِ معرفت کا پیالہ لبوں تک لے جاتا۔۔یا۔۔شراب خانۂ حقائق پر ہاتھ ڈالتا۔

۔۔نیز۔۔لفظ سائر الاقطاب میں یہ رمز ہے کہ اِس ندا کے مستحق اقطاب وقت اور زندہ قطب مراد ہیں اور اصحابِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اُن سے مستثنیٰ ہیں۔ اور زندہ اقطاب کو ندا قرینِ قیاس بھی ہے اور اگر زندہ اور مردہ دونوں مراد لیں تو اِس کی توجیہہ یہ ہو سکے گی کہ اُن اقطاب کے سلاسل میں اُن کے مریدین کو بھی اُن میں شامل کر لیا گیا ہے اور لفظ **جمعاً** اِن معنوں پر دلیل ہو سکتا ہے، چنانچہ ایک نسخہ میں۔۔۔فقلت لسائر الاقطاب جمعاً ۔۔۔لکھا گیا ہے۔ آئندہ اشعار میں الفاظ۔۔۔ کل شیخ وحدی ۔۔۔انہی معنوں میں مستعمل ہوئے ہیں، جیسا کہ آئندہ ان کی تشریح کی جائے گی۔

دوسری توجیہہ یہ ہے کہ چونکہ عالَمِ ارواح میں بھی ترقیِ روحانی کا اِجرا ممکن ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ برزخ کے رہنے والے اور ملکِ عدم کے مسافر بھی آپ سے شرابِ عشق پیتے ہوں اور حضور کے درِ پاک پر بوسہ دیتے ہوں اور یہ کیفیتیں اصحابِ مکاشفہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۔۔نیز۔۔یادر ہے کہ لفظ **ھُلُمُّو** ، جس کے معنی 'نزل' کے بھی ہوتے ہیں اِس لیے آیا ہے کہ طالب کو اِس راز سے واقف کرے کہ مجلس ادب میں نہایت عجز وانکسار اور باقاعدگی سے بیٹھے تا کہ اپنے مدعا اور

مقصد میں کامیاب ہو۔ اگر مجالس ومحافل ابرار میں باادب نہیں ہوگا تو ہمیشہ محروم ونامراد رہے گا، شعر:

از ادب روشن شود سینہ بنور　　　　از ادب باشند مردم باحضور

۔۔نیز۔۔اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ایسے وقت میں خواہ کوئی انسان خود بھی ذی مرتبہ ہو اور عالی درجہ رکھتا ہو، تو بھی اُس پر فخر نہ کرے تا کہ اُس کے پاکیزہ حالات حصولِ انوار کے قابل ہو جائیں کیونکہ۔۔۔العِلم حجاب الاکبر۔ایک مشہور مقولہ ہے، اور یہی خود پسندانہ عمل اور فوقیت کا خیال عرفان کی منزل میں پردہ بن جاتا ہے۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ اسی رعونت اور تکبر کی وجہ سے بعض علماء و مشائخین کا علمِ ظاہر وسابق، بعض اولیاءاللہ نے پہلے سلب کر کے پھر اُن پر انوار وعرفان کے دروازے کھولے ہیں۔ کیونکہ جب تک یہ بدعملی اور رعونت کا بنیادی پتھر راہ سے ہٹا نہ دیا جائے عرفان کی راہ نہیں ملتی اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جس نے پایا ہے عجز ونیاز ہی سے پایا ہے، شعر:

ہر چہ اَز خود کاستم بر خویش افزودم کہ ظرف　　　　ہر قدر از خود تہی شد آں قدر پر میشود

۔۔یا۔۔اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہمارے حال پر نہایت حضورِ قلب اور تعمق سے نظر ڈالو اور ہمارے منالِ معرفت کو نہایت باریک نگاہ سے دیکھو تا کہ ہمارے شرابِ عشق کی حقیقتِ اعلیٰ کو معلوم کر سکو اور اگر بحالی کو 'لمو' کے متعلق کیے جائیں تو یوں مطلب ہوگا کہ۔۔۔میرے حال پر خوب نگاہ دَر نگاہ کرو اور اگر اِس کو 'قُلتُ' کے متعلق کر دیا جائے تو یہ مفہوم ہوگا کہ۔۔۔یہ قول میرا عین حال کی حالت میں کہا ہے، چنانچہ آئندہ۔۔۔بیت والقیت سری۔۔۔میں یہی مضمر ہے۔

اَے عزیز! یہ یاد رکھو کہ ہر منزل کے درویش کا حال ہر لحظہ یکساں نہیں رہتا، چنانچہ مبتدی کا حال جذبۂ الٰہی سے اُس بجلی کی طرح ہوتا ہے جو اُچک کر اوپر لے جاتی ہے اور متوسط کا حال اُس سے ذرا زیادہ بلند ہوتا ہے، مگر کامل کا حال کمال پر مبنی ہوتا ہے، یعنی وہ ذات میں قائم ہوتا ہے اور اُسی میں دائم رہتا ہے، مگر کبھی کبھی عالمِ کثرت کی طرف توجہ کر جانے سے اُس کا بھی حجاب میں آجانا ممکن ہوتا ہے اور پھر جب کثرت سے نکل کر وحدت کی طرف رخ کرتا ہے تو اپنے پہلے حال پر متمکن ہو جاتا ہے اور اس کو اس وقت اصطلاحِ صوفیاء میں 'ابوالحال' کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی حال کی جانب اشارہ فرماتے ہوئے سرکار انبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔۔۔لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ۔۔۔یعنی میرا میرے اللہ کے ساتھ ایک خاص وقت ہے، جس میں کوئی نبی ومرسل اور مقربِ بارگاہ فرشتہ بھی دخیل نہیں ہوسکتا۔۔۔اور یہ دولتِ عرفان سرکارِ

مدینہ محبوبِ نگینہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں مستقل اور ابدی تھی جس کو رکھتے ہوئے حضور اگر خلق کے حال پر متوجہ ہوتے تو تعلق الٰہی میں کثرت کے افکار کا حجاب نہ ہوتا تھا۔ اور اِس ایک کیفیت کا کیا ذکر ہے، آپ کی ہر منزل زندگی میں حجاب ایک متمنع چیز قرار دیا گیا تھا، کیونکہ آپ کی زندگی کا ہر پہلو اسوۂ حسنہ اور اس کا ہر رنگ مستقل طور پر ایک بابِ عرفان ہوتا تھا اور اگر خدانخواستہ آپ کی زندگی میں کہیں حجاب بھی ضروری ہوتا تو آپ جس پردہ سے نکل کر تعلیم فرماتے، غلام اُس میں سے نکلنے کی ہمت ہی نہ رکھتے اور کفار نے جب اُس حجاب کا طعنہ دیا تو ربّ العزت نے۔۔۔مَاوَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ﴿۳:۹۳﴾۔۔۔ فرما کر اُسی حال کو واضح فرما دیا۔

خود حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔۔۔ینام عینی ولا ینام قلبی ۔یعنی فقط آنکھ ہی ہے جو سوتی ہے، میرا دِل نہیں سوتا۔۔۔پھر اسی کے متعلق فرمایا کہ۔۔۔ان لی لیغان علی قلبی سبعین مرۃ فاستغفر واللہ ۔ اِس سے بھی یہی ظاہر ہوا کہ کامل کا حال بھی ترقی میں بڑھتا رہتا ہے، یعنی جب جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہر روز اِس قدر رفعت عطا ہوتی تھی کہ ترقی اعلیٰ سے حال سابق حجاب کی کیفیت اور پردہ کے رنگ میں ہوتا تھا، اس کو پردہ نہیں کہا جا سکتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ۔۔۔من استویٰ یوماہ فھو مقبولی ۔۔۔ یعنی جس کے دو[۲] دن ایک جیسے گزریں وہ گھاٹے میں ہوتا ہے۔ سالکِ راہِ سلوک کے لیے لازم ہے کہ حصول درجات میں نہ رکے، کیونکہ کمالاتِ الٰہیہ محدود نہیں۔ اگر ایک قسم کی ترقی حاصل ہو بھی جائے پھر بھی خاص ترقیوں میں زیادتی دَر زیادتی ممکن بلکہ لازم ہے، کیونکہ جس ذاتِ والا صفات، مالکِ ارض وسماوات کی تلاش ہے، اُس کی کوئی انتہا نہیں، اس لیے تلاش کی بھی انتہا نہیں ہو سکتی۔ طالب جوں اُس منزل میں ترقی کرے گا، اپنے آپ کو منزل مقصود سے دُور پائے گا۔ اور ارشاد باری تعالیٰ۔۔۔لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ ﴿۶:۱۰۳﴾۔۔۔میں یہی ارشاد ہے۔ اور 'درک' کے معنی ہیں۔۔۔بیک وقت ہر شے کو ہر جہت سے اُس کی ہر حقیقتِ صوری ومعنوی پر محیط ہو کر ملاحظہ کرنا۔ اور یہ انسانی بلندیوں کے لیے ذاتِ الٰہی کے متعلق محالات سے ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

لُمُّو بحالی۔ میں ایک بڑا ادق نکتہ یہ بھی ہے کہ میرے حال میں ملبس ہو کر آؤ، کیونکہ تم کو اس مقام میں پہنچنے کی خود بخود اتنی طاقت نہیں، پہلے ہمارے حال کے پرتو کا لباس پہنو، پھر اس مجلس میں آنے کی سعی کرو۔ 'وادخلوا' میں بھی یہی رمز ہے کہ کل اقطاب اسی مجلس میں بلا اجازت نہیں آ سکتے تھے اور نہ ہی ادب کے پہرہ دار اُن کو داخلے کی اجازت فرما سکتے تھے، اس لیے حکم حضور نے ہی اُن میں خود یہ استعداد پیدا فرمائی تاکہ بخوشی شمولیت کر سکیں۔

اِس خطاب میں جمع کا صیغہ لانے سے عام افادہ مراد ہے، کیونکہ فقیر کا دستر خوان ہر نعمت میں وسیع ہوتا ہے اور سخی اپنے ہر اَدنیٰ و اعلیٰ مہمان کے لیے ایک ایسا سلوک روا رکھتا ہے۔ بعض سے عمومیت اور بعض سے خصوصیت، یہ شانِ درویشی کے منافی اور بعض سے ترک اور بعض سے تعلق شانِ فقر کے خلاف ہے۔ فقیر کی دعوت عام ہونی چاہیے۔ دستر خوان میں شمولیت کرنے والا اپنی استعداد کے مطابق لقمہ اُٹھائے گا۔ جس کا وہ اہل ہوگا۔۔یا۔۔ جو اُس کی پسندیدگی میں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض سالکین راہِ سلوک کسی ایک مقام کو منتہا سمجھ کر اُسی پر اکتفا کر جاتے ہیں، حالانکہ وہ منتہا نہیں ہوتی۔ یہ اُن کی اپنی تعلیم اور استعداد کا مغالطہ ہے، دعوت دینے والے کا قصور نہیں۔

اور لفظ 'انتم' سے جو خطاب کی ضمیر اور صیغہ ہے، یہ مترشح ہوتا ہے کہ تمام شہروں ملکوں، دیہاتوں، قصبوں، جھونپڑیوں، جنگلوں، ویرانوں، کھنڈروں اور کاچھوں میں جہاں کہیں بھی خدا کی زمین پر تمام اقطاب و اولیاء کی سکونت تھی اور جس جس حال میں وہ مقاماتِ سلوک و منازلِ عرفان طے کر رہے تھے، سب کے سب سیدنا جناب غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی نظر میں حاضر اور موجود تھے اور اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاصانِ خدا جب چاہیں بفضل ایزد تعالیٰ بیک وقت بہت سے مختلف مقامات پر بلا شبہ و استحالہ کام کر سکتے ہیں اور اعانتِ مریدین فرما سکتے ہیں۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْم۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام چہارم۔۔۔ در سرشاریٔ ارغوانی

وَھُمُّوْا وَاشْرَبُوْا اَنْتُمْ جُنُوْدِیْ　　فَسَاقِی الْقَوْمِ بِالْوَافِی الْمَلَالِیْ

اور کہا قصد کرو اور پیو کہ تم میرا لشکر ہو اور میرے ساتھ عقیدت محکم رکھو

کہ میں ساقی قوم اور تمہارا نگران حال ہوں

قصد سے اپنے پیو بے انتہا　　کیونکہ ہو لشکر میرے تم برملا

ساقیِ میخانہ عرفان ہوں　　میں ہی ہر طالب کا اطمینان ہوں

حضور فرماتے ہیں ہم نے اقطاب کو خطاب کیا کہ قصد کرو اور ہمارے ساتھ اپنی نیاز کا ارادہ محکم

رکھو، چونکہ تم ہمارے لشکری ہو، اس لیے شراب عشق جس قدر چاہو نوش جان فرماؤ، ہم تم سب کے نگران حال ہیں۔ جیسے شاہ اپنے لشکریوں سے خبردار ہوتا ہے، ایسے ہم بھی اہل اللہ کی فوج کے ساقی ہیں، کیونکہ میخانہ عرفان کی کنجیاں ہمیں ہی تفویض کی گئی ہیں، اِس میخانہ سے جس قدر بھی پیا جائے اس میں کمی نہیں ہو گی۔ کیونکہ یہ خزانہ لامتناہی ہے اور رحمتِ الٰہی کے طفیل گھٹتا نہیں، چنانچہ آنجناب نے بعض دوسرے مضامین میں اِس امر کی تشریح یوں فرمائی کہ۔۔۔ انا بحر بلا ساحل۔ یعنی میں ایک سمندر بے کنار ہوں، جس سے ہزاروں دریا، نہریں، نالیاں، تالاب، مٹکے، گھڑے، کوزے بھر لیے جائیں تو بھی یہاں پر ایک قطرہ کی کمی محسوس نہ ہوگی۔

اور یاد رہے کہ ’ھموا‘ صیغہ امر ہے، اِس کے معنی کسی شے کے حصول کا ایسا قصد کرنا ہے جس کی ضرورت کا احساس اور جس کے پانے کے لیے غم دل پر اثر انداز ہو۔ پس اِس خطاب کا مطلب یہ ہوا کہ۔۔۔ حصول عرفان الٰہی میں میری طرف رجوع لاتے ہوئے ایسا قصد کرو، جس کے وصل کا حقیقی احساس تمہارے قلوب میں غم پیدا کردے، کیونکہ اِس دولتِ فقر کی نگہداشت وفورِ غم ہی سے ہوسکتی ہے، بلکہ بسا اوقات اِس پریشانی کے نہ ہونے سے یہ دولت ضائع ہوجاتی ہے۔ اور اس میں یہ بھی ایک باریک سی رمز ہے کہ۔۔۔ ہماری بارگاہ کے آداب کو مدِ نظر رکھو، جیسے کہ لشکر اپنے بادشاہ کے لیے ہوتا ہے اور اس پر ناز نہ کرو کہ یہ خوبیاں اپنی ذاتی اور پیدا کردہ ہیں۔۔۔یا۔۔۔ ہمارے سبب سے بادشاہ کو کوئی بلندی حاصل ہے، بلکہ یہ سمجھو کہ ہماری ملازمت کا حصول اور خدمات کا قبول شاہ کی مہربانی پر ہے ورنہ اسے اور بہت ملازم مل سکتے ہیں۔ اِسی مضمون کو سعدی علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا ہے، شعر:

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمے کنی　　　منت شناس ازو کہ خدمت بداشتت

سرکارِ بغداد کا یوں تمام اہل اللہ و طالبان حق کو پکارنا اور ’جنودی‘ کے لفظ سے اپنا لشکر فرماتے ہوئے پکارنا اِن معنوں میں ہے کہ سپاہی کی بقاء سوائے تتبع اور شکر گزاری کے نہیں ہوتی، جیسے کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے:

پیش شاہاں جز ادب نبود بقا　　　ہر کہ باشاہاں ستیزد شد فنا

تیغ قہر شاہ جاں را بر کشد　　　آبرو از اقرب وابعد بود

نزد شاہاں قرب جز آداب نیست　　　جز ادب آنجا کسے شاداب نیست

۔۔نیز۔۔اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ہمارے مے خانے کی شرابِ معرفت تیز تر ہے، اِس کو پی کر 'پی' سے ملو، لیکن پی پی کر آداب سے غافل نہ ہو جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ طُور کی طرح بے پناہ تجلیات سے 'قضا' کے شعلے کا سرمہ بن جاؤ۔۔یا۔۔اپنی ہستی کو۔۔۔تبُتُ اِلَیک َ۔۔۔کے ادراک میں لے جا کر عشق کے کوچہ سے لوٹ آؤ۔ یہ راہ نہایت پُر خطر ہے، جب تک مردِ میدان بن کر باہوش طریق سے اس راہ میں نہیں چلو گے منزلِ مقصود نہیں پاؤ گے۔ مولانا جامی فرماتے ہیں، شعر:

گرفتم سہل سوز عشق را اول ندانستم　　　　که صد دریائے آتش از شرارش میشود پیدا

'واشربوا' صیغۂ امر مع واؤ عاطفہ کے ذکر فرمایا، جس میں یہ رمز ہے کہ جب تم ایک دفعہ قصد کر چکے ہو تو پھر پینے میں دیر نہ کرو اور اپنا ارادہ و فعل فوراً یکجا کر دو، کیونکہ اِن دونوں میں سے علیحدہ علیحدہ کوئی اکیلا کام نہیں دے گا، پینا بغیر ارادے کے ایسا ہے جیسا درخت بغیر پانی کے، اور ارادہ بغیر پینے کے ایسا ہے جیسے زمین بغیر تخم کے، چونکہ اِس ضمن میں امر میں زمانہ کی قید نہیں لگائی گئی، اس لیے جب تک چاہو پیتے چلے جاؤ۔

اِس خطاب اور 'انتم جنودی' فرمانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر طریق کے اولیاء اللہ گروہ دَر گروہ آپ کے سامنے صف بستہ حاضر ہیں اور خود آنجناب غوثیت کا تاج پہنے اور مخدومیت کے تخت پر جلوہ افروزی کیے اس حکم کا اجراء فرما رہے ہیں، شعر:

پیو تشنہ لبو میخانۂ عرفان کھلتا ہے　　　　بنو وہ رند جن کو دشمنی ہو لفظ سیری سے

سبحان اللہ! اس گلزارِ سرمدی کی بادِ نسیم کے جھونکے کیسے ہر چہار جانب چل رہے ہیں اور اس مقدس ہَوا سے ہر متلاشی کے دِل کی کلی کیسے کھل رہی ہے اور اس کے اثر سے ہر جان کا باغ کیونکر ہرا ہو رہا ہے۔

الٰہی کرم ولطف غوث اعظم　　　　بما درح رار سانی فیض ہر دم
بشرح راز ایں خمخانۂ دین　　　　کشائی موج بادہ صاف آمین

یہی وہ علوشان کی بے پناہ بلندیاں اور عرفان کی اتھاہ گہرائیاں تھیں جن کے باعث قدمِ غوثیت تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر آیا اور سب نے سرِ تسلیم خم فرمایا۔ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کو بھی واضح کر دیا جائے کہ قدمِ غوثیت اولیاء کے کندھوں پر کیونکر تھا، اور ایک ہی غوث کا قدم کیا زمانہ بھر کے اولیاء اللہ کی گردن پر ہونا تسلیم کیا جا سکتا ہے۔۔یا۔۔نہیں، کیونکہ اِس میں بعض حضرات صوفیا نے اس

زمانہ میں اختلاف کیا ہے۔

بات یوں ہے کہ ایک دفعہ آپ مبلغانہ رنگ میں (جیسا کہ آپ کا قاعدہ تھا) ایک بھرے مجمع میں تقریر فرما رہے تھے کہ یکا یک آپ کی زبان مبارک سے۔۔۔قدمی هٰذه علی رقبة کل ولی الله ۔۔۔ نکلا، یعنی میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ 'بھجۃ الاسرار' کی روایت کے مطابق یہ سن کر نہ صرف اُن مشائخین نے جو اُس وقت جلسہ میں موجود تھے اور مشائخین عراق نے سر جھکا دیے، بلکہ تمام مشائخ عالم نے سرِ تسلیم خم کر دیے اور عملاً یہ ثابت کر دیا کہ اُس آواز کی تعمیل کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور حضرت شیخ علی بن ابی نصر الہیتی تو مجلس سے فوراً اُٹھے اور منبر کے پاس جا کر ظاہری طور پر بھی آپ کا قدم پکڑ کر اپنی گردن پر رکھ لیا اور اُس کے بعد تمام حاضرین مجلس نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

فقیہ ابو محمد الحسن بغدادی نے قاہرہ میں، شیخ محمود بن احمد الکردی نے بغداد میں، اور دیگر اولیاء اللہ نے جمیع بلادِ اسلامیہ کے اندر اپنی اپنی گردنیں جھکائیں، چنانچہ سیر کی مستند کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عدی بن مسافر نے بالس میں، حضرت شیخ سوید نے سنجار میں، حضرت شیخ املان نے دمشق میں، حضرت شیخ ابوالدنیا نے مغرب میں، حضرت شیخ عبدالرحیم فنادی نے فنا میں، حضرت شیخ احمد بن رفاعی نے ام عبیدہ میں، حضرت شیخ عبدالرحمٰن نے طفسونج میں، حضرت شیخ محمد بن موسیٰ نے بصرہ میں، اور حضرت شیخ حیات بن قیس حرانی نے حران میں، اُسی وقت اپنی اپنی جگہ آپ کی آواز سن کر عالمِ روحانیت میں اپنی اپنی گردنیں جھکا دیں۔ پھر 'بھجۃ الاسرار' میں یہ بھی لکھا ہے کہ عروس کے ساٹھ ۶۰، کوہ قاف کے سینتالیس ۴۷، عجم کے چالیس ۴۰، شام کے تیس ۳۰، مغرب کے ستائیس ۲۷، یمن کے تئیس ۲۳، مصر کے بیس ۲۰، جزائر محیط کے چوبیس ۲۴، حرمین الشریفین کے سترہ ۱۷، حبش کے گیارہ ۱۱، اور سراندیپ کے سات ۷، مشائخ نے اپنی گردنیں خم کیں، اور دُنیا بھر کے کم و بیش، دیگر تیرہ سو ۱۳۰۰ اولیاء اللہ نے حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے اُس فرمانِ فیض ترجمان پر لبیک کہا۔

جس روز حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے تھے، اُسی روز اور اُسی وقت تمام صوفیاء و مشائخین نے اپنی چشمِ باطن سے مشاہدہ کیا کہ تاجِ غوثیت آپ کے سر مبارک پر رکھا گیا ہے اور قطبیت کا علم آپ کے درجات کی بلندی میں لہریں لے رہا ہے۔ ایک خاص امر یہ ہے کہ عین اُسی وقت 'رجال الغیب' اور 'ابدال' کی ایک جماعت ہوا میں اُڑتی ہوئی نظر آئی اور اُس جماعت نے آپ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کیا۔

حضرت شیخ ابراہیم الاغرب بن شیخ ابی الحسن نے فرمایا کہ مجھے حتمی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ حضور

سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ ۔۔۔قدمی ھٰذہ ۔۔۔فرمانے پر مامور ہوئے تھے اور آپ نے جو ارشاد فرمایا تھا، وہ بفرمان ایزدی ہی تھا۔

شیخ حضرت ابوسعید قیلوی نے بھی، جب لوگوں نے آپ سے اس مسئلہ اور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی اس آواز کے متعلق استفسار کیا، تو یہی فرمایا کہ۔۔۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت فرمایا، اور آپ اِس کے فرمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے۔

بعض کتبِ تصوف میں واضح طور پر لکھا ہے کہ آپ کے ان الفاظ کے منہ سے نکالنے پر اکثر اکابر اولیاء اللہ متقدمین کی پیشین گوئیاں موجود تھیں کہ آپ پیدا ہوں گے اور اپنی بلندیٔ درجات کے ماتحت یہ دعوے کریں گے اور یہ الفاظ منہ سے فرمائیں گے جن کو سن کر آپ کے زمانہ کے تمام اولیاء اللہ اپنی گردنیں خم کر دیں گے۔

چنانچہ ابومحمد شبنکی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک دن شیخ ابوبکر بن ہرار کی مجلس میں اولیاء اللہ کے حالات کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ آپ نے فرمایا: عراق میں ایک مرد عجمی عبدالقادر نام پیدا ہوگا اور بغداد میں سکونت کرے گا اور۔۔۔ قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللّٰہ۔۔۔ کہے گا، اور تمام اولیاء اللہ اس بات کو تسلیم کر کے گردنیں جھکا دیں گے، وہ اپنے وقت میں یگانہ ہوگا۔

شیخ بقا ابوالمظفر ابراہیم سے نقل کیا گیا ہے کہ ابتدائے زمانہ میں آنحضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی، تاج العارفین ابوالوفا کی صحبت میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب شیخ مذکور آنجناب کو دیکھتے، تو تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوتے۔ لوگوں نے پوچھا: اِس جوان کی اتنی تعظیم کا مقصد کیا ہے، تو فرمایا: اِس جوان پر ایک وقت آئے گا جب یہ۔۔۔ قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللّٰہ۔۔۔ کہے گا اور یہ کلمہ بالکل سچ ہوگا، سب اولیائے کرام اپنی گردنیں جھکا دیں گے اور خاص و عام اِس کے محتاج ہوں گے۔

شیخ ابوعمران موسیٰ بن ماہین سے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک روز شیخ عقیل نے ایک منجم سے پوچھا کہ اب قطبِ وقت کون ہے، اُس نے کہا وہ مکہ میں پوشیدہ ہے، پھر عراق کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ آخرکار یہاں سے ظاہر ہوگا اور۔۔۔ قدمی ھٰذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللّٰہ۔۔۔ کہے گا جس کی اُس آواز پر تمام اولیاء اللہ اپنی گردنیں اُس کے قدم کے نیچے رکھ دیں گے۔

شیخ نجیب الدین سہروردی نے فرمایا۔۔۔ کہ ایک دفعہ شیخ حماد الدباس کی مجلس میں مَیں حاضر تھا اور وہیں پر حضرت سید عبدالقادر جیلانی تشریف لے آئے، تو شیخ حماد نے بھی یہی فرمایا کہ اِس جوان کا ایک قدم ہے جو اپنے وقت میں اولیاء اللہ کی گردنوں پر رکھے گا اور وہ سب اس کے سامنے جھک جائیں گے۔

'زبدۃ الابرار' میں ہے کہ ایک دن چند درویش حضرت شیخ علی بن وہب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: عجم سے۔ پوچھا کس شہر سے؟ کہا جیلان سے۔ فرمایا:

ان اللّٰہ نور وجوھکم بظھور رجل منکم قریب من فضل اللّٰہ تعالیٰ اسمہ عبدالقادر مظھرہٗ فی العراق وفی بغداد ویقول قدمی ھٰذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللّٰہ ویقرّہ اولیاء عصرہٖ بامر اللّٰہ تعالیٰ

یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ نے روشن کیے منہ تمہارے ایک شخص سے کہ ظاہر ہوگا تمہارے گروہ سے، نام اُس کا عبدالقادر ہوگا، ظہور اس کا عراق میں ہوگا، سکونت بغداد میں ہوگی، اور یہ کہے گا کہ میرا قدم کل اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے، اور تمام اولیائے کرام اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبول کریں گے

۔۔۔اور 'غبطۃ الناظر' میں ایک روایت شیخ ابو نجیب رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ہے کہ میں نے چالیس ۴۰ سے زیادہ مشائخین کو ایسے ہی فرماتے سنا ہے۔

فقیر نے خواجہ غریب نواز سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اجمیری کے حالات میں پڑھا ہے کہ حضرت غوث الاغیاث قطب الاقطاب محبوبِ سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے جب یہ آواز (قدمی ھٰذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللّٰہ) بلند کی، اُس وقت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نجد کے پہاڑوں میں اپنے مجاہدہ میں مشغول و مصروف تھے، جونہی یہ آواز غیب سے کھلی، فضا میں گونجتی ہوئی آپ کے کانوں میں آئی، سب سے پہلے اُس آواز پر جس نے گردن خم کی وہ خواجہ غریب نواز اجمیری تھے، پھر زمانہ بھر کے اولیاء اللہ نے عمل کے ساتھ یہ ثابت کردیا کہ حقیقتاً آپ کا قدمِ مبارک ہماری گردنوں پر ہے، کیونکہ جہاں تک آپ کی رسائی ہے، وہاں کسی کی بھی نہیں، گو حضرت غریب نواز سلطان الہند اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا خود حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ بحیثیت خالہ زاد ہونے کے بہت احترام فرمایا کرتے، مگر جب میدان معرفتِ الٰہیہ میں حفظِ مراتب کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو غریب نواز ہی اُس ارشاد پر سب سے پہلے جھکتے ہیں۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت غوث پاک کے زمانہ میں ایک بزرگ شیخ صنعان تھے جنہوں نے اُس آواز پر لبیک نہ کہی اور اِنکار کیا، تو آپ نے فرمایا۔۔۔ کہ جس ولی کے کندھے پر میرا قدم نہیں ہے اُس کے کندھے پر خنزیر کا قدم آئے گا۔ چنانچہ بڑا مشہور واقعہ ہے کہ شیخ صنعان اُس واقعہ کے بعد ایک یہودیہ عورت ناپید نامی کے عشق مجازی میں گرفتار ہوگئے، مریدین چھوڑ گئے، یہودیوں کے دروازے پر بود و باش ہوگئی، ناپید کے عشق میں رات دن اُن کے خنزیر چرایا کرتے اور اس وقت تک چراتے رہے جب

تک سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے اُن کو اس مخمصہ سے نہیں نکالا اور اپنی کرامت کے ماتحت ناپید کو اسلام سے مشرف فرما کر نکاح نہیں کر دیا، پھر اُس فرمانِ عالی کی سمجھ آئی، کہ کیونکر آپ کا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔ اور اگر آپ اپنے اس لشکر کی نگہبانی نہ فرمائیں تو کسی کا کسی مخمصے میں الجھ جانا اور منازل میں چکر کھا کر گرنا کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے۔ العیاذ باللہ۔

فقیر اس حقیقتِ اعلیٰ اور کیفیتِ عظمیٰ کو کہاں تک بیان کرے جس میں معانی جوش دَر جوش اور خامۂ خامی بلحاظ ادب خاموش۔ یہ وہ کلامِ مبارک ہے جس کے رموز و اسرار کو سمجھنا بغیر اس کے محال ہے کہ ہر مقام کی بولی اُس مقام کی بلندی میں پہنچ کر اور اُسی ماحول کی وسعت میں اپنے آپ کو لے جا کر اُسی متکلم کی روحانی امداد سے اپنے آپ پرواز کر کے بولی جائے اور ان حقائق کو اسی کے دامن کے سائے میں بیٹھ کر اسی دیس کی زبان میں اَدا کیا جائے۔ وہ معترض جو اِس حقیقت سے ناآشنا ہے، اسے اپنی بذلہ سنجی اور لن ترانی اپنے جیسے چمگادڑوں تک ہی محدود رکھنی چاہیے کیونکہ اِس میدان میں آنا صرف مردان پاکباز کا کام ہے، شعر:

بیانِ رمز و اسرار الٰہی — توان فہمیدن از انوار شاہی
زہے شاہِ معلّٰی بارگاہے — کہ حکم اوست ما ہے تا بماہی

فی زمانہ یہ مسئلہ چونکہ بعض صوفیا کے نزدیک نہایت مختلف فیہ ہو چکا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، بعض حضرات نقشبندیہ نے پنجاب میں اور بعض چشتیوں اور قادریوں، بعض نظامیوں اور قادریوں وغیرہ مختلف سلاسل کے فقراء نے ہندوستان میں اِس پر بہت معرکہ آراء بحثیں کی ہیں اور دونوں جانب سے اس پر کچھ ایسے انداز و نہج سے تکرار ہوتی رہی ہے کہ الامان! اس مہذبانہ و صوفیانہ بحث میں اور ایک بڑی سے بڑی گستاخی میں کوئی فرق نہیں رہا۔ قادری حضرات نے اپنی عقیدت میں وہ زیادتی اختیار کی اور ایسے بڑھے کہ انہوں نے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو نہ صرف معاصرین و متاخرین بلکہ متقدمین حضرات تک پر بھی فضیلت دے دی، حالانکہ یہ امر تجاوز عن الحد تھا اور اگر خود بھی حضور پاک رضی اللہ عنہ اُس بحث کو سنتے تو ہرگز ہرگز یہ گوارہ نہ فرماتے، کیونکہ متقدمین حضرات رحمہم اللہ میں خود اُن کے پیرانِ طریقت اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی جماعت بھی شامل ہے جن پر فضیلتِ غوثیت کسی طرح بھی جائز بلکہ ممکن ہی نہیں۔ اور نہ ہی کوئی باخبر انسان اپنے شیخ کے متعلق اِس قسم کے الفاظ استعمال کر سکتا ہے، بلکہ وہ تو ایسے الفاظ تفوق و تعلّی کا تصور بھی نہیں لا سکتا، پھر کیونکر باور ہو سکتا ہے کہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اپنے پیرانِ عظام اور مشائخین کرام

کے متعلق یہ فرمائیں۔۔۔کہ یہ میرا قدم اُن کی بھی گردنوں پر ہے اور میں اُن سب سے افضل واعلیٰ ہوں۔

اِسی طرح چشتی اور نظامی حضرات بھی یہ کہنے میں حد سے بڑھ گئے کہ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمہ اور حضرت خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی دہلوی علیہ الرحمہ کا مرتبہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سے کہیں زیادہ بلند اور اُن کی شان آپ سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے، کیونکہ حضرت غوث رضی اللہ عنہ کا زمانہ اُن سے پہلے کا ہے اور کوئی شخص دعوے سے نہیں کہہ سکتا کہ ان بزرگان دین کے کمال کا کیا عالم تھا۔ اِسی طرح بعض نقشبندی حضرات نے بھی سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے اُس فرمان۔۔۔قدمی ھٰذہ۔۔۔کے خلاف کام کیا ہے اور وہ بھی بعض اولیاء اللہ نقشبندیہ کو اِس فرمان سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ صاحبِ نظر (آنکھوں والے) لوگ اِس باب میں خاموش ہیں اور جنہیں اِس راہ میں کچھ نظر ہی نہیں آتا بلکہ آنکھیں ہی نہیں رکھتے وہ بحث وتمحیص میں مبتلا ہیں۔ بھلا اُن سے کوئی پوچھے کہ یہاں اِس افراط وتفریط سے تمہارا کیا تعلق ہے اور کس نے تمہیں منصف بنایا ہے کہ تم حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی علیہ الرحمہ کی محبوبیت اور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی محبوبیت کا مقابلہ کراؤ، ترازو ہاتھ میں لو، اور دونوں حضرات کی محبوبیت کا وزن کر کے انصاف کردو کہ کس کی محبوبیت بھاری اور علوشان رکھتی ہے۔ کس نے تم سے فتویٰ پوچھا ہے کہ سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری کی شان اور غوث الاعظم کی شان کو ناپتے پھرو، اور بتاؤ کہ جاہل ملنگوں اور نام نہاد خشک صوفیوں کو دونوں حضرات میں سے کس ایک کو ذلیل کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه ۔ یہ تقدس وبزرگی کے مدعی نہیں سمجھتے کہ صرف ایک اللہ وحدہٗ کی شان ہی اِس قسم کے اختلافات سے بَری ہے جس کی کوئی نظیر اور مثل نہیں۔ خدا کے بندوں میں تو اختلافِ مراتب ہوتا ہی ہے، مگر اندازہ وہ کرے جو اُن سے آگے۔۔یا۔۔اُن کا ہم پلہ ہو۔ یوپی کے سموسے اور فاسفورس کا تیل بیچنے والوں کو یہ فکر کیوں دامنگیر ہوئی جو بیچارے درویش کو جانیں نہ درویشی کو۔۔۔مثل مشہور ہے۔۔۔حلوہ خوروں راروئے باید۔۔۔غوثیت ومحبوبیت کا وزن کرنا ناشناسوں اور بازاری لوگوں کو زیب نہیں دیتا۔ اللہ کریم رحم فرمائے اور مقبولانِ بارگاہ کی ان بلند ترین ہستیوں کو ایسے نااہلوں کے ہاتھوں اور زبان سے مجروح ہونے سے بچائے۔ اِن مباحث میں حصہ لینے والے زیادہ تر وہی افراد ہیں جن کا باطن یا تو بالکل کورا ہے کہ اس کی مس سے بھی بے بہرہ ہیں اور۔۔یا۔۔پھر ہیں تو مبادیات سے آگے قدم نہیں بڑھا سکے۔ ہر چہار خاندانوں کے منتہی بزرگ کبھی بھی اِس قسم کے مباحث میں نہ اُلجھے، نہ اُلجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس راہ میں ہر اولوالعزم ہستی کا ادب واحترام شرطِ اولین ہے اور ہر شخص کو یہی شعار اختیار کرنا چاہیے۔

فقیر کہتا ہے کہ اِس افراط وتفریط سے اہل اللہ کی توہین ہوتی ہے۔ ہر درویش کو اس روش سے قطعاً اجتناب لازم ہے اور اس مسئلہ میں سب سے مناسب وموزوں عقیدہ یہ ہے کہ اس فرمانِ غوثیت کو صرف عہدِ غوثیت کے تمام اولیاء اللہ تک محدود سمجھا جائے، کیونکہ ایسا ماننے سے ایک طرف تو مختلف خیال آرائیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور دوسری طرف ایک صحیح راہ بھی مل جاتی ہے کہ متقدمین حضرات میں جو صحابہء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خود سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پیشوایانِ دین شامل ہیں، اُن کی تنقیص شان نہ ہو گی اور متاخرین میں سیدنا مہدی علیہ السلام اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی وغیرہم رحمہم اللہ بھی اِس اہانت سے باہر رہ جائیں گے، اور یہی فتوے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔۔۔ قدمی ھٰذہٖ۔۔۔ کے ارشاد کو عہدِ غوثیت کے اولیائے کرام تک ہی محدود رکھنا چاہیے، بلکہ یوں فرمایا کہ یہ حکم اولیائے وقت کے ساتھ ہی مخصوص تھا، اولیائے ماقبل ومابعد کے لیے نہیں۔ اِسی طرح حضرت شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین عمر سہروردی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب 'عوارف المعارف' میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ کلمات آپ کی زبان سے حالتِ سُکر میں صادر ہوئے تھے۔ بہرکیف اگر واقعی یہ الفاظ کہے گئے ہیں تو بہ امرِ الٰہی ہی کہے ہوں گے، کوئی شیخِ وقت اَز راہِ تبختر ایسے الفاظ اپنی زبان سے نہیں نکال سکتا، کیونکہ فقر اور فقیر میں رعونت وخودی بمنزلۂ کفر ہے۔

ایسے الفاظ کا اطلاق واقعی اولیائے وقت ہی پر ہو سکتا ہے اور اگر حالتِ سکر میں یہ صادر ہوئے ہیں جیسا کہ حضور سیدنا شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رضی اللہ عنہ نے ارقام فرمایا ہے تو پھر اُن کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہ جاتی اور نہ اُس کا کوئی نتیجہ ہی مرتب ہو سکتا ہے، بلکہ یوں سمجھئے کہ یہ بحث کرنا ہی فضول ہو جائے گا۔ باقی رہی آپ کی علوشان مرتبت، سو اُس سے نہ کسی کو انکار ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

آمدم برسرِ مطلب، اگر۔۔۔ ساقی القوم۔۔۔ سے مراد ذاتِ غوث ربانی ہو جیسا کہ ارشاد۔۔۔ فھمت لسکرتی بین الموالی۔۔۔ دلالت کرتا ہے، تو جو معنی مندرجہ بالا بیان میں کیے گئے ہیں، صاف اور ظاہر ہیں اور۔۔۔ ھموا واشربوا۔۔۔ انہی معنوں کی طرف اشارہ ہے۔ نیز۔۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ساقی سے مراد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہو، چنانچہ۔۔۔ شربتم فضلتی۔۔۔ اِسی مطلب کا اَدا کرنے والا اشارہ ہے اور معنی بھی ظاہر ہیں، یعنی قصد کرو اور پیو اور یہ خیال نہ کرو کہ ہمارے پینے سے شراب کم ہو جائے گی، تم نے پس ماندہ پیا ہے، ابھی شراب جوش میں ہے اور ساقی ہوش وخردش میں اور اس میں مشارالیہ نبی علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ حوصلہ وفراخیِ رحمت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ حقائق اعلیٰ کا ایک بحرِ موّاج ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ساقی سے مراد ذاتِ باری ہو اور اُس پر بھی لفظ 'ساقی' کا اطلاق اَز روئے شرع شریف

جائز ہے جیسا کہ۔۔۔وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْن ﴿٨٠:٢٦﴾۔ واذا عطشت فهو يسقين ۔۔۔آیتِ قرآنی و حدیثِ نبوی ﷺ کا ماحصل ہے، اور بزرگوں کے اکثر ارشادات میں ایسا اطلاق پایا جاتا ہے اور ان معنوں میں یہ رمز ہو سکتی ہے کہ اللہ کریم خود اپنے اہل قرب کا 'ساقی' ہے، چنانچہ حدیث شریف کا مضمون۔۔۔ ابيت عند ربى هو يطعمنى ويسقينى ۔۔۔اِسی پر دلالت کرتا ہے۔اور یہ بھی معنی لیے جاسکتے ہیں کہ 'ساقی قوم' سے مراد عشق ہو جیسے کہ فرمان۔۔۔ سقانی الحب ۔۔۔میں فرمایا گیا ہے کہ مجھے عشق و محبت نے شرابِ وصل کے پیالے بھر بھر کے پلائے۔

۔۔نیز۔۔معلوم ہوا کہ **الوافی** کے معنی وفا کرنے والا اور **ملال** کے معنی غمناک کرنے والا ہیں، اور **وافی** کے معنی تمام بھی ہو سکتے ہیں اور ملال کے معنی اندوہ، پھر بہر حال **وافی** کا موصوف۔۔یا۔۔تو شراب ہے۔۔یا۔۔جام۔پس دوسری صورت میں مبالغہ تمام کا تمام میں ہوگا اور اس شعر میں طالبانِ عالی ہمت کی تسلی اور آنجناب کا حوصلہ ظاہر ہوتا ہے، یعنی اَے تشنہ لبو خاطر جمع رکھو اور شراب پیو یہاں تک کہ تمہاری تمنا کے پیمانے لبریز ہو جائیں، کیونکہ ساقی قوم بھجوائے۔۔۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْن ﴿٢٩:٥٥﴾۔۔۔موج میں ہے اور تشنہ لبوں میکشوں کی کثرت کے باوجود بھی شراب خانہء وحدت کا دروازہ ابدی طور پر کھولے فراخدلی اور جوش سے دعوت دے رہا ہے۔سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام پنجم۔۔۔بزمِ افروزی معانی

شَرِبْتُمْ فُضْلَتِىْ مِنْ بَعْدِ سُكْرِىْ وَلَا نِلْتُمْ عُلُوِّىْ وَاتِّصَالِىْ

میرے مست ہو چکنے کے بعد تم نے میری پس خوردہ شراب پی
مگر میرے والا تقرب اور بلندئ مدارج تمہیں حاصل نہ ہو سکا

پی چکا میں جب تو اک مستی ہوئی پھر شرابِ معرفت سستی ہوئی
میرے پس خوردہ کا تھا یہ رنگ ڈھنگ پی کے تم بھی ہو گئے شیر و نہنگ

ارشاد ہوتا ہے: گو تم نے بھی میرے مست ہو چکنے کے بعد میری پس ماندہ و پس خوردہ شرابِ

معرفت پی، مگر جو تقریبِ الٰہی اور علوم مرتبت مجھے حاصل ہوا وہ تمہیں حاصل نہیں ہو سکا، کیونکہ میرا مرتبہ تم سب سے بلند و بالا اور میرے فیضِ عام کا مقام سب سے اعلیٰ ہے۔ وہ شرابِ وصل گو ایک ہی چیز ہے مگر استعداد کے لحاظ سے اُس کا حصول جداگانہ حیثیت رکھتا ہے اور اُس کے پالینے میں مساوات نہیں ہو سکتی، کیونکہ ہر طالب کا درجہ اور استعداد الگ الگ اور ہر متلاشی کا ظرف علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔

یہاں پر یہ گمان نہ کر لینا چاہیے کہ یہ تفوق اور تعلّی کا کلام سرکارِ غوثیت مآب نے کیوں فرمایا ہے، اگر اپنے لشکر اہل اللہ پر شرابِ معرفت سے نوازش کی تھی تو اُس کا احسان جتانا کیا ضرور تھا۔ صاحبِ حوصلہ اور عالی ہمت حضرات اپنے ماتحتوں پر انعام و اکرام فرما کر احسان جتانے کا آئین نہیں رکھتے۔

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ نہ دعوائے فوقیت ہے اور نہ ہی مسئلہ تعلّی، بلکہ جیسے ایک اولوالعزم سردار۔۔یا۔۔بادشاہ اپنی قوم۔۔یا۔۔اُس کے کسی فرد پر انعام فرما کر ازروئے حکمت ساتھ ہی یہ بھی فرما دیتا ہے کہ یاد رکھو میں بادشاہ ہوں اور میں سب کچھ کر سکتا ہوں، تو اِس سے اُس کا مطلب اپنے مصاحب پر شہنشاہیت جتانا مقصود نہیں ہوتا، کیونکہ وہ سب کچھ جانتا ہے بلکہ اُس کا مطلب اس کو حدِ اعتدال پر رہنے کی تعلیم دینا اور ادب سکھانا ہے تاکہ اس کا حوصلہ اُن انعامات کا متحمل ہو جائے اور یہ برابری کا دم نہ مارنے لگے۔ امیروں۔۔یا۔۔فقیروں سے جس کسی نے یہ شیوہ اختیار کیا کہ اپنے ہی محسن کے ساتھ برابری کا شوق چرایا اور مدعی بن بیٹھا، تباہ و برباد ہوا۔ کیونکہ یہی 'شرک فی الاحسان' اور 'بغاوت عن المحسن' ہے جس سے ہر شخص کو ہر مقام پر اجتناب کی ضرورت ہے، شعر:

ایں بود تعلیم شاہاں ہوشدار	ظاہرش جذبہ بدل مہر نگار
دید معشوقاں بود در چشم عام	دیدۂ خونیں بخاصاں شادکام
تا توانی ہوشدار و ہوشدار	در وضوحش مثل گویم بار بار

چنانچہ ایک مشہور ولی کا ذکر آیا ہے کہ اُس نے دِل میں یہ گمان کیا کہ جس حال کے اہلِ معرفت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں، اُسی حال کا پانے والا میں بھی ہوں اور یہ میری وراثت ہے۔ اُس کے اِس وسوسۂ قلبی کا جب حضور کو علم ہوا تو آپ قہر میں آگئے اور اُس کے حال کو کچھ عرصہ کے لیے ضبط کر دیا تاکہ اُس کا یہ خیال نکل کر اُس کی اصلاح ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ ارادتمند کسی حد تک بھی جوش و خروش کیوں نہ دکھائے، علوم مرتبت میں شیخ کی برابری کا دم نہیں مار سکتا۔ باپ کی بلندی درجات پر پنجہ مارنا صوری و معنوی دونوں لحاظ سے بیٹے کی حماقت کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدابِ طریقت اور حفظِ مراتب میں

یہ چیز شامل کر دی گئی ہے اور تعلیماً بذریعۂ نبوتِ تامہ امتِ محمدیہ کو یہ سبق دیا گیا ہے: مثنوی:

عین فضلِ حق بہ بیں مصطفیٰ ۔۔۔ قسم خوردہ در قرآں او والضحیٰ
باز وجدک عائلاً ضالاً بگفت ۔۔۔ یعنی ایں دولت ندانی مفت مفت
شکرِ ما بگذار ورنہ کبرِ ما ۔۔۔ جذبۂ دارد زعالم ماورائے
رحمِ ماؤ قہرِ ما ابرو وردیف ۔۔۔ یارِ ما باید کہ باشد خوش خریف
ہم بخند ولیک گرید درنہاں ۔۔۔ دلستانی مالفہمد دلستاں
قہر ہا بکنیم باشد رحمہا ۔۔۔ ہست ایں اغراض ماصد فہمہا

درنہاں رحم است در ظاہر غضب
میتوانی یافت اے روشن لقب

سبحان اللہ! قصیدہ حمیدہ شریف کے اِس شعر میں کس قدر اسرار ظاہر فرمائے ہیں اور بلندیٔ شان کا کن الفاظ و اشارات میں تذکرہ فرمایا ہے تاکہ ہر کوئی اس راہِ معرفت کا راہرو اپنی حقیقت سے آگاہ ہو کر قدم اُٹھائے اور میری وساطت سے منزل مقصود کو پائے۔ شاید بندگان خدا کے نزدیک ۔۔۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه ۔۔۔ کا مفہوم انہی معنوں میں لیا ہو، یعنی ۔۔۔ من عرف نفسه فی الفناء فقد عرف ربه بالبقاء ۔۔۔ جس نے اپنے نفس ۔۔ یا ۔۔ اپنے آپ کو اپنی حیثیت و حقیقتِ باطنی میں فنا کے لحاظ سے پہچان لیا کہ میری ہستی فانی ہے اُس نے اپنے پیدا کرنے والے خالق و مالک کو اُس کی بقاء کے ساتھ حی و قیوم اور لازوال باقی جان لیا، کیونکہ صانع کی تمیز مصنوع سے ہوتی ہے جیسے ہر مقام پر اپنی ہستی کی تمیز نہیں ہوتی، وہ گمراہی و ضلالت کے گڑھے میں گرتا ہے اور فرعون و نمرود کے رستہ پر مرتا ہے۔ یہاں پر اِس مضمون میں فقیر کو حضور غوث الاعظم کے ایک دوسرے قصیدہ کا شعر یاد آیا جس میں آپ نے اپنے کمالات کا عجیب رنگ میں تذکرہ فرمایا ہے، شعر:

وَمَا قُلْتُ ھٰذَالْقَوْلَ فَخْراً فَاِنَّمَا ءِ ۔۔۔ تَکَلَّمْ رَبِّیْ مِنْ لِسَانِ حَقِیْقَتِیْ
وَمَا قُلْتُ ھٰذَا الْقَوْلَ مِنِّی فَاِنَّمَاء ۔۔۔ اَتَانِیَ النِّدَاءُ لِتَعْرِفُوْنَ طَرِیْقَتِیْ

ترجمہ ۔۔۔

آنچہ گفتم نیست از فخر وریا ۔۔۔ بلکہ خود گفت از زبان خود خدا
من نہ گفتم ایں ہمہ گفت از خودی ۔۔۔ بل ندا آمد بگو راہ سوی

خود بیاں کن تو طریق خویش را　　تا بود رہبر ہمہ درویش را

کلام الملوک، ملوک الکلام، خاصانِ خدا کا طرزِ تکلم ہی انوکھا ہوتا ہے، الفاظ کچھ ہوتے ہیں اور مطلب کے اسرار کچھ ہوتے ہیں۔ ہر شخص ایسے کلام کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا، سوائے اِس کے کہ رب العزت خود جس کو اپنا راز دار بنائے۔۔یا۔۔راز سمجھنے کی اہلیت بخشے۔ بعض کج فہم، بدعقیدہ مجہول، بزرگانِ دین کے بعض اُن ارشادات پر معترض ہوتے ہیں جو انہوں نے محویتِ استغراق کی حالت میں زبانِ فیض بیان سے نکالے ہیں۔ چونکہ وہ کسی دُور کے دیس کا راگ ہوتا ہے اور سمجھنے بیٹھ جاتے ہیں وہ جن کو شرعی طور پر استنجا کرنا بھی نہیں آتا، اور قدیم سے جن کے لیل ونہار کی گزرگاہ سینما کی عشرت گاہیں ہوتی ہیں، ایسے یاوہ گو لوگ بھلا کیا سمجھ سکتے ہیں کہ رازِ الٰہی کیا ہے اور یہ آواز کس کی ہے، غیر ممکن کی رَٹ جن کا مطمحِ نظر اور انسانیت کی انتہائی پستی کا تخیل، جن کا بلند ترین نظریہ ہو اُن کو سرِ خدا کی منازل سے کیا تعلق۔ بس ہر بات میں ایک ناممکنیت اُن کے دماغوں میں آگھسی ہے، جس نے ان ناانجام شناس انسانوں کو کہیں کا بھی نہیں چھوڑا۔ جہاں پر اُن کا ماؤف دماغ رسائی نہ رکھے، وہ زمانہ بھر کے لیے ناممکن سمجھتے ہیں، مگر یہ ان کے بس کا روگ نہیں۔ لسان العصر حضرت اکبر الٰہ آبادی نے کیا سچ فرمایا ہے، رباعی:

منصور نے کہا خدا ہوں میں　　ڈارون بولا بوزنہ ہوں میں

سن کے یوں بولے میرے اک دوست　　فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اسرار وروحانیت کی حقیقتِ اعلیٰ کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو مولا کریم کی طرف سے پاکیزہ دِل، طبع بلند، ہمتِ مردانہ، اور ذوقِ سلیم ودیعت ہو چکا ہو، نااہلوں کے اِس میدان میں رینگنے کی مثال اِس لطیفہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

لطیفہ:۔۔ایک بے وقوف طالب علم استاد سے فارسی پڑھ رہا تھا، متقی کا لفظ آ گیا، شاگرد نے استاد سے پوچھا کہ متقی کی کیا تعریف ہے؟ استاد نے اُس کو سمجھانے کے لیے اتقاء وپرہیز گاری اور خوفِ خدا کی ایک انتہا بیان فرماتے ہوئے جواب دیا کہ متقی اُس شخص کو کہتے ہیں کہ اگر ایک غیر مرد اور ایک غیر عورت کسی ایک مکان میں بغیر کسی خوف وحفاظت کے شب باش ہو جائیں تو صبح اُن کو نہانے کی ضرورت نہ ہو۔ استاد صاحب نے اس شب باشی میں پاکیزہ خیالی بیان فرمائی مگر شاگرد صاحب ناممکنیت کے حامل تھے، استاد صاحب کا جواب سن کر بولے، متقی کی تعریف سمجھ لی ہے، ہمارے وطن میں مخنّث (ہیجڑے) کو متقی کہتے ہیں

جو نہ مرد ہوتا ہے نہ عورت۔ یہی حال اِن بے لگام چودھویں صدی کے نام نہاد محققین کا ہے۔

شربتم میں جو کہ ماضی کا صیغہ ہے، اِس موقعہ پر خواہ وہ اپنے ماضی ہی کے معنوں میں مستعمل سمجھا جائے خواہ امر کے معنوں میں، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، بہر حال اشارہ اِس بات کی طرف ہے کہ تمام اولیاء اللہ کا آپ کی پس خوردہ شراب پینا۔۔یا۔ معرفتِ الٰہی کے خمخانہ سے سرورِ حقیقی پیدا کرنا ایک تحقیقی امر ہے، اور خطاب میں بھی یہی رمز ہے کہ وہ تمام کے تمام بالا جسام۔۔یا۔۔ بالا رواح حاضر وموجود تھے:

درین عالم چہ ارواح وچہ اجسام　　طفیل مصطفیٰ اصحاب اعلام
غلام محی الدین بہت خوش بفہمی　　معانی را اگر فارغ ز وہمی

اور 'فضلتی' میں جو 'یائے متکلم' ہے، اُس میں یہ اشارہ ہے کہ آنجناب محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، غوثِ صمدانی، شاہِ شاہاں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ وعرفان تمام اہل قرب سے بلند تر ہے، کیونکہ حضور فرماتے ہیں: میرے پس خوردہ سے اُن کے مدارج نے ترقی پکڑی اور اُسی کی برکت سے سب کی بگڑی بنی۔

اور '**بعد سکری**' بھی اِسی امر کی تصدیق کرتا ہے کہ میرے سیر ہو چکنے کے بعد دوسروں کو شراب وصل ہوئی ہے، کیونکہ فضلہ کسی کھانے کا اُسی وقت ہوتا ہے جب کہ اُس کو پہلے کوئی کھا کر بقیہ چھوڑ چکا ہو۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ۔

اور '**ولا نلتم**' میں یہ ایک لطیف تر رمز ہے کہ ہر مرید اگر تصور شیخ کے ماتحت اپنی پوری سعی کو کام میں لائے اور فنافی الشیخ کی منزل کو پائے تو اپنے پیر کے درجہ پر فائز ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں یہ حال ہے کہ اس دربارِ عالی میں کیا پیر اور کیا مرید سب حضور کے قدموں میں ہیں اور۔۔نیز۔۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ کوئی مرید ہر چند ترقی کیوں نہ کر جائے، اپنے شیخ کے قدموں سے ہرگز ہرگز نہیں نکل سکتا۔ اور اگر اُس کو کسی وقت میں یہ باطل پیدا ہو بھی جائے کہ مجھے اولوالعزمی کے ماتحت جو درجہ حاصل ہو چکا ہے، اس میں مجھے اب شیخ کی ضرورت نہیں۔۔یا۔۔ میں آئندہ منازل عرفان میں بغیر اُس کی اعانت ودستگیری کے چل سکتا ہوں، تو گمراہ ہو جاتا ہے۔ رب العزت ہر ارادتمند کو ایسے باریک وسوسۂ شیطانیہ اور خطرۂ نفسانیہ سے محفوظ وماموں فرمائے۔ فقیر یہاں اسی حقیقت کی ایک نہایت عمدہ سبق آموز حکایت لکھتا ہے اور وہ یہ ہے:

حکایت:۔۔ حضرت خواجہ مشکل کشا محبوبِ خدا سیدنا خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک مقام تنہا میں آپ کے ایک مخلص وصادق مرید خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ عالَم محویت واستغراق میں پاؤں

لٹکائے بیٹھے ہیں۔ حضرت شیخ خواجہ غریب نواز نقشبند علیہ الرحمہ پاس جا کر کھڑے ہو گئے، مگر خواجہ محمد پارسا کو اپنی محویت میں کوئی علم نہ ہوا۔ حضرت خواجہ مخدوم شیخ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے چاہا کہ اپنے اُس مرید مخلص و عاشق کی پرواز کا معائنہ کریں، مگر جہاں تک روحانی پرواز میں پَر مارے معرفتِ الٰہی کی بلندیوں میں خواجہ محمد پارسا کی منزل کو نہ پا سکے، آخر جب پروازِ عرفان کا یہ عالم دیکھا تو فوراً بیٹھ کر خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں پکڑ لیے اور بارگاہِ الٰہی میں یوں گویا ہوئے کہ:

الٰہی بحق این پائے ھائے مقدس خواجه محمد پارسابر بهاؤالدین رحم کن

یعنی اَے میرے خدا خواجہ محمد پارسا کے ان مقدس پاؤں کی طفیل بہاؤالدین پر رحم فرما

۔۔۔بعض درویش اِس کی تاویل میں، کہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید کی پرواز کو اس وقت کیوں نہ پا سکے، یہ لکھتے ہیں کہ خواجہ محمد پارسا کی وہ پرواز عاشقانہ محویت کی تھی اور خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی اختیاری۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود وہی اولوالعزم اور واجب الاحترام قابل اتباع شیخ تھے اور خواجہ محمد پارسا ایک فیض یافتہ غلام بے دام اور صحیح نقش قدم پر چل کر ان منازل کو پانے والے مرید بلند پرواز تھے۔ آخر شیخ کے قدم و میمنت لزوم سے ہٹ کر جائے کہاں۔ جتنی بلندیاں حاصل ہیں وہ انہی قدموں کی طفیل ہیں، کیونکہ کوئی شخص کسی بلندی پر چڑھتا ہے اور کسی مکان کی بالائی منزل کو پاتا ہے۔ پیر کا حق اس کی گردن پر ہی ہوتا ہے۔ مثنوی:

حق کشتی بر گزر باناں بود — گرچہ از دریا بآنسو میرود
حق قائف راہرواں راشکر خواہ — حق بیداراں بغافل انتباہ
بندہ را گر شاہ بنشاند بہ تخت — حق گرنگزار دش شد لخت لخت
حق لازم واجب آید برہمہ — از خدا وبندگاں چوپاں رمہ
اوستاد انرا بنی مولا بگفت — نام ونگ از خدمتِ شاہاں بشست
تو کجا از حق شیخ آئی بروں — ہر چہ یابی از طفیل اوست چوں

محو شو در انتثال امر او
تا بہ بینی نورِ رب ازمو بمو

یہاں پر لفظ 'سکر'، 'علو' اور 'اتصال' کے معانی سمجھنے چاہیں۔ اگر ان تینوں کو متحد بالذات سمجھیں تو بھی روا ہے مگر حیثیت اور اعتبار کے لحاظ سے فرق ہے۔ لفظ 'اتصال' میں جس کے معنی وصول کے ہیں،

قرب کا ہونا پایا جاتا ہے، مگر ایسا قرب نہیں جو محض اضافی ہو بلکہ وہ قرب جو محو وفنا کی حد تک پہنچا ہو اور اس کا ظہور بقا کا ظہور ہو۔

اتصال و وصل میدانی کہ چیست　　　محو وفانی گشتن است وزندگیست

'**علو**' میں عروج کا رستہ ناسوت کی گہرائی سے گزر کر لاہوت کی بلندیوں کو جاتا ہے اور اگرچہ یہ رتبہ درجہ ءِ وصول تک پہنچتا ہے لیکن ارتفاع کے لحاظ سے، کیونکہ '**علو**' بعض اوقات عارضی اور اضافی بھی ہوتا ہے مگر یہاں چونکہ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے، اس لیے اسی درجہ کو انتہائی سمجھنا چاہیے، کیونکہ '**سکر**' میں آپ سے بے خود ہو جانا جس سے مراد انوارِ حقیقی کے مشاہدہ سے وجود کا فنا ہونا ہے (اگرچہ یہ بھی حصول درجات میں ایک رکاوٹ ہی ہے) 'علوِ حقیقی' کہلا سکتا ہے، کیونکہ ذاتِ حقیقی میں سکر وہی انتہا درجہ کی بے خودی ہے جس سے مراد وجود کا فنا ہو جانا اور اُس کے بعد جو چیز باقی رہ جائے، اُس کا بقا ہے۔ مثنوی:

سکرِ کامل عین ہشیاری بود　　　سکر اوسط گریہ وزاری بود
مبتدا را نیز باشد سکر و محو　　　گاہِ بیخود گاہِ صحو وگاہ سہو

۔۔۔ کیونکہ سکر دو[۲] قسم ہے: ایک محمود اور دوسرا مذموم۔ محمود اُس کو کہتے ہیں جو کہ عین صحیح ہو اور دوسرا مذموم جو کہ حیرت اور حقائق امور کی عدم شناخت سے پیدا ہو، شعر:

قصہ دور وسینہ ہا زیں جوش جوش　　　مطلعِ انوار باشی دار گوش

تین[۳] چار الفاظ شعر میں جو 'یائے متکلم' کی جلوہ آرائیاں اور حقیقت کشائیاں ہیں، اس کی رموز سے عقدہ کشائی اور عہدہ برآئی کا واسطہ بغیر رحمتِ الٰہی کے محال ہے۔ قلم اس کی تحریر سے قاصر اور تخیل و ادراک اس کی تقریر سے عاجز ہیں۔ ہاں! اس کیفیت وجدانی سے وہی واقف ہو سکتا ہے جس کا خود ذوالجلال حامی وناصر ہو، طالب ومطلوب کے اشارات کی گرہ کشائی ایک ہیچمدان سے ناممکن ہے۔

دردم از عشقِ تو اے مایہ شادی جذب است　　　شرب تو نوش شفا شکر بقائش عجب است
داروئے دروبدہ از لبِ شافی دلبر　　　اے کلام تو بقا بحر شفائش عذب است

جام ششم ۔۔۔ فیض ربانی

مَقَامُکُمُ الْعُلٰی جَمْعًا وَّلٰکِنْ مَقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَازَالَ عَالِیْ

تم سب کے مقام ذاتی طور پر بہت رفیع ہیں، لیکن میرا مقام
تم سب سے ارفع اور ہمیشہ بلند ہے جہاں کوئی نہ پہنچے۔

ہیں تمہارے وہ مقامات بلند پا نہیں سکتی جنھیں علمی کمند
پر مرا درجہ بہت محمود ہے جو تمہاری منزلِ مقصود ہے

اِس شعر میں بسوئے اقطاب خطاب فرمایا گیا ہے کہ تمہارے درجات تقرب الی اللہ کی پہنائیوں میں بہت بلند ور فیع ہیں، جہاں تک رسائی بجائے خود رحمتِ الٰہی کا ایک خاص الخاص حصہ ہے لیکن وہ اس میدان معرفت کی انتہا نہیں ہے جس پر عجب وناز کرسکو، کیونکہ میرا درجہ اور مقام تم سب سے زیادہ اتنا بلند وارفع ہے جہاں تک تمہاری رسائی محالات وناممکنات سے ہے اور باوجود سعی کے بھی تم وہاں تک نہیں پہنچ سکو گے، کیونکہ وہ درجہ خاص صرف میرے لیے ہی ودیعت فرمایا گیا ہے۔
۔۔۔الاماشاء اللہ، جسے محبوب نے نوازا ہو۔

یہاں پر الفاظ 'مقام وحال' کو جو اصفیا واولیاء کی خاص اصطلاحات سے ہیں، غور کرنا لازم ہے۔ اس لیے کہ بعض جگہ وہ ان کے معنوں میں فرق کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب سالک اپنی منزل میں ترقی کرتا رہے اور ہر لحظہ وہر روز امتیازی حیثیت کے ساتھ اس کا کمال حصولِ مطلب تک پہنچتا رہتا ہے تو اُس کو 'حال'، 'تصریف'، 'تلوین'، 'گردش' کہتے ہیں اور جب وہ ایک خاص ایسے مقام تک رسائی حاصل کرلیتا ہے کہ جس سے آگے 'گردش' اور 'تحویل' اُس کے لیے ممکن ہی نہ ہو اور اسی منزل پر قرار پکڑ جائے تو اُس کو 'مقام' کہتے ہیں۔ اور بعض اوقات اس کا اطلاق اس 'مقام نوعی' پر بھی ہوتا ہے جس سے آگے نوعی تحویل اور تصریف ممکن ہے۔ چنانچہ پہلے سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے ۔۔۔ بحالی وادخلوا ۔۔۔ فرمایا، اور آگے چل کر ۔۔۔ یصرفنی وحسبی ۔۔۔ کا ارشاد سنایا ہے جو اسی کی طرف دلالت کرتا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ 'حال' کے اپنے معنی اور لفظ 'مقام' کے اپنے لغوی معنی مراد ہوں۔ اور اگر 'مقام نوعی' ہی مراد لیا جائے تو اِس میں بھی ایک خاص اشارہ پایا جاتا ہے کہ تم کو جب ہمارے ہی 'مقام نوعی' تک

رسائی نہیں تو تم 'مقامِ نوعی حقیقی' تک کیونکر پہنچ سکو گے۔ اور جب ہمارے 'حال' ہی میں آنا محال ہو، تو ہمارے 'مقام' کی محفل میں دخل کیسا۔

اِس فرمان میں قطبوں کو تسلی بھی دی گئی ہے کہ اگر چہ تم ہمارے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے مگر پھر بھی تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ بذاتہٖ تمہارے مقامات ودرجات بہت بلند ہیں جن کو پالینا ہر راہرو کا کام نہیں بلکہ یہ پانے والے کی خوش قسمتی ہے جو خاص فضلِ ایزدی ہے۔

اِس موقعہ پر اگر یہ شعر پہلے شعر کی تفسیر سمجھا جائے تو بھی موزوں ہے، یعنی اقطاب کو فرمایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے 'علو واتصال' کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ خواہ تمہارا مجاہدہ کسی حد تک ہمت سے بھی زیادہ اور تمہاری پرواز آپے سے باہر ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ مجھے جو رتبہ ملا ہے، اُس کے لیے میں ہی خاص کیا گیا ہوں۔ وَھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّی۔

اِس شعر میں یہ بھی ایک رمز ہے کہ آنغوثِ صمدانی ہر ایک قطب پر جو حضور کے زمانہ میں موجود تھا، خواہ وہ کسی مقام اور مکان پر ہو، انفرادی اور مجموعی طور پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اور یہ جو بعض لوگ بضد ہو کر کہتے ہیں کہ ممکن ہے کوئی خاص ولی اُس سے مستثنیٰ بھی ہو اور اُس کا درجہ حضور کے زیرِ قدم ہونے سے مبرا ہو، مگر یہ قول حضور کے زمانہ کے اولیاء کے لیے بعید از قیاس اور غیر ممکن ہے، کیونکہ حفظِ مراتب وعرفِ مدارج میں یہ گروہ اہلِ جہاں سے بہت باریک خیال واقع ہوتا ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس بیت کی یہ غرض ہو کہ تمام اقطاب کو ترغیب دے کر اس عام گمان سے باہر نکال دیا جائے جنہوں نے اپنے زعم میں یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم 'وصول الی اللہ' کے حصول مراتب میں کمال وانتہا کو پہنچ چکے ہیں تا کہ اُسے کمال نہ سمجھیں اور نہ ہی یہ اُس میدان کی منتہا ہے، کیونکہ جب تلاش کی گئی ذات کی انتہا نہیں تو تلاش کی انتہا کیونکر ہوگی۔ اور اگر وہ اس زعم میں پھنس گئے ہیں تو وہ کمالاتِ وصول الی اللہ کو محدود نہ سمجھیں اور ہماری طرف دھیان کریں، جب وہ ہمارے مراتب تک رسائی نہیں رکھتے تو منتہی کیونکر ہو گئے۔ یہ تو وہ بحرِ ناپیدا کنار ہے جو عبور کرنے والوں کے لیے کنارہ ہی نہیں رکھتا۔ بلکہ آئیں اور ہماری شراب پئیں اور مزید سعی کریں تا کہ وہ ہر ترقی پر ایک اور ترقی کو پائیں اور ہر مقام سے اوپر ایک اور مقام کو معلوم کریں۔ پھر اِس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اُن کے مقامات بلند سے بلند ترین اور مقامات بھی ہیں، جن کے پانے میں ابھی یہ ایک مبتدی کی حیثیت رکھتے ہیں، شعر:

آں مقامے کہ من دراں داعی — کے توانی رسید اے ساعی

از خودی خود بر آو فیض بجو — ہاں شرابم بنوش نغمہ شنو

۔۔نیز۔۔اِس ارشاد سے بعض اولیاء واقطاب علیہم الرحمہ کا تردد و مغالطہ رفع کرنا بھی مقصود تھا جو اپنے کسی حال میں بعض اوقات ایسے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ آگے کی منازل پر قدم اُٹھانا عبث خیال کرتے ہیں۔۔یا۔۔یہ سمجھ کر قدم اُٹھاتے ہی نہیں کہ یہاں تک تو آسانی سے منازل کا عبور ہوا ہے، آگے کا پتا نہیں کہ کیا گزرے۔ مبادا کسی الجھن میں گرفتار ہو جائیں، یہیں عمر گزار دینا اور اسی حال میں شاکر رہنا بہتر ہے۔۔یا۔۔بعض کے نزدیک اسماء الحسنٰی سے کسی اسم مبارک کے انوار کا دسویں دوار (یعنی پیشانی کے اندر) ظہور اُن کو مغالطے میں ڈال دیتا ہے، جیسا کہ بعض درویشی کے مدعی لنگوٹ بند درویشوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اُسی چمک وضیا کو جو حبس کبیر کے وظیفہ میں معکوس پیشانی کے اندر پیدا ہو جاتی ہے، میدان معرفت اور مقامِ فقر کی انتہا سمجھتے ہیں اور ان اپنے زعم باطل میں اُس سے آگے اور کوئی بلندی نہیں بلکہ بعض کو تو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ انوارِ الٰہی ذاتی یہی ہیں، حالانکہ وہ انوار اسمی ہوتے ہیں جو ہر اسم کی تاثیر کے ماتحت ہر ایک کے لیے ہر وقت ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک صریح مغالطہ ہے، اس لیے اس شعر میں میری سرکار غوث الاعظم نے جو رفع تردد کے لیے ارشاد فرمایا، اس کا مطلب بھی یہی تھا کہ بعض اوقات سالکوں کو اپنا حال خود کمال نظر آتا ہے اور ہر چند اُس سے اوپر اور مراتب ہوتے ہیں، مگر وہ اپنے اُسی مقام کو محبوب رکھنے اور اُسی مقام پر مطمئن ہو جانے کے باعث اور درجات و مراتب پر نگاہ نہیں ڈالتے۔اور جو کچھ اُن کو حاصل ہوتا ہے، اُسی پر قانع ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، چنانچہ بیرونی مراتب پر ظاہری مکاسب والے لوگ بمصداق۔۔۔ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۲۳:۵۳﴾۔ ہر پارٹی جو اپنے اپنے پاس ہے اس سے ہر ایک مگن ہے۔۔۔اور اسی طرح وہ اولیاء جن کو باطنی مراتب حاصل ہیں، اپنے مختلف درجوں پر راضی رہتے ہیں اور جب تک ان کو متنبہ نہ کیا جائے، تب تک وہ مزید ترقی کے لیے آگے نہیں بڑھتے۔

اِس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر کوئی سردارِ قوم اپنے ماتحت سبزی فروش کو حکم دے کہ تم اب سبزی فروشی کے کام کو ترک کر کے اپنی تجارت کو فروغ دینے اور اپنی امارت کو بڑھانے کے لیے بزازی کا کام شروع کر دو، تو اب چونکہ سبزی فروش اپنے اُسی کسب کے ساتھ مانوس اور راضی ہے اُس کسب سے علیحدگی دشوار معلوم کرتا ہے، اور اگر اس سے علیحدگی قبول بھی کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ بزاز کے کام سے امیر الامراء بن جاؤں گا بلکہ اس لیے کہ سردار کی نافرمانی سے کہیں گرفتارِ عتاب نہ ہو جاؤں۔ کیا اِس کو ایسا کرنے میں حقیقتاً تردد کرنا لازم ہوتا ہے، ہرگز نہیں، بلکہ اُس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی لاعلمی کے باعث بزازی کے منافع اور اُس کی حیثیت سے واقف نہیں ہوتا، ورنہ اُس پستی پر اکتفا کر کے نہ بیٹھ رہتا اور سبزی فروشی کے مقابلے میں ہر بڑے منافع کے کسب سے جی نہ چراتا۔ شعر:

مجملے گفتم بفہم ایں نکتہ را　　　　یاد دار دو یاد دار ایں گفتہ را

پس آنجناب غوثیت مآب رضی اللہ عنہ نے سالکان راہ کو ارتقاءِ منازل کی کیسی تعلیم دی ہے کہ جس سے رازداری کے غنچے کھلتے اور اسرار کے فوارے ابلتے ہیں۔ خیال کی لوح نقش اوہام سے صاف اور فکر کا شیشہ زنگار سے شفاف ہوجاتا ہے، ہر راہ رو کو چاہیے کہ اس شعر میں جو مطالب مذکور ہیں اُن پر خوب غور کرے کہ اِس سے ہمت بلند ہوتی ہے اور اپنے کمال کے غلط گمان کے پردہ سے باہر نکلنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اولوالعزم لوگ اِسی واسطے۔۔۔العلم حجاب الاکبر۔۔۔کے یہ معنی کرتے ہیں کہ جب انسان کو اپنے علم پر گھمنڈ ہوجاتا ہے تو وہ کبھی بھی درجۂ کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔

مازال عالٍ کے ارشاد میں بھی یہی رمز ہے کہ اپنے منہائے درجات سے مطلع فرما کر یہ ثابت کردیا کہ ہمارا رتبہ ہر آن ترقی پر ہے اور راہروانِ راہِ عرفان سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس درجہ کو پاسکے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے، شعر:

ستارہ بودی واکنوں مہے ہنوز کجاست　　　　بایں حساب ترا آفتاب کے باشد

یعنی فنا فی الشیخ ستارہ کے رنگ میں ہوتا ہے اور فنا فی الرسول چاند کے رنگ میں اور بقا باللہ خورشید کے رنگ میں متصور ہوتا ہے۔ سرکار انبیاء منبع ہر ضیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ درجہ ازلی اور بالذات حاصل ہے اور تمام امت کے برگزیدہ افراد، اغیاث واقطاب وغیرہم کو آپ کی تابعداری اور آپ کی طفیل سے عطائی۔

اوست صاحب خانہ دیگر تبع او　　　　از طفیل مصطفیٰ شد دست شہو

جن لوگوں نے اتباعِ نبوت اور راہِ مؤمنین کے سوا دوسری راہ اختیار کی اور بغیر نسبتِ بزرگانِ عظام کے سلسلۂ پیری مریدی کو چلایا، وہ بے راہ چلے۔ نسبت طریقت وہی صحیح ہے جو کسی باخدا درویش کے واسطہ سے ہو۔ خودساختہ طریقت اور گھریلو بنائی ہوئی مشیخیت فی زمانہ ایک صریح گمراہی سے کم نہیں، جیسا کہ ظہور ہو رہا ہے، اور ایک جماعت ایسی پیدا ہوچکی ہے جس کی بے راہ روی نے اپنے تقدس کا ڈھول پیٹنے کے لیے ظاہری علم کے حصول کے بعد بغیر کسی نسبت کے سلسلۂ بیعت شروع کردینا اور متقدمین اولیاء اللہ کے طریق سے لوگوں کو منع کرنا اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ یہ لوگ خود میدان معرفت میں نامرد، گمراہ اور نورِ باطن سے ناواقف ہوکر مردوں کے راہزن ہوتے ہیں۔ سوائے اِس کے کہ نام نہاد بیعت کی رسم ادا کرلینے

کے بعد اپنے ارادتمند کو قرآن کریم کی کوئی آیت۔۔یا۔۔اسماء الحسنٰی سے کوئی اسم تلقین کر کے چھوڑ دیں، نہ کسی باطنی نسبت سے واقف کرتے ہیں اور نہ ہی خود ہوتے ہیں، بلکہ یہ مکار اپنی ذمہ داری اور مرید کے فرائض کو محسوس ہی نہیں کرتے۔ انہیں تو تعصبِ کے زنگ میں ہر چہار سلاسل عالیہ کے بزرگان عظام سے اپنی نفسانیت کے ماتحت ایک قسم کی خاص کد ہے، جب دیکھتے ہیں کہ درویشوں اور اہل اللہ کی تابعداری میں خدا کی مخلوق دیوانی ہو رہی ہے تو یہ سرے سے پیری مریدی کی تردید اور بیعت کی مخالفت میں مضمون لکھنے لگتے ہیں اور یہاں تک کہتے سنے گئے ہیں کہ یہ عمل ہی بدعت حرام اور ناجائز و باطل ہے۔ اگر کوئی کسی دوسرے بزرگ کی بیعت کرے تو حرام اور اگر اُن کی کر لے تو جائز۔

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

تعصب بُری بلا ہے، یہ بھی نہیں سوچنے دیتا کہ دشمن کا منہ سرخ ہے تو اپنا پیٹ کر نہ کیا جائے، اگر کسی بزرگ کی طفیل کوئی اہلیت پیدا کر لیتے تو اس حسد کے کوئی معنی بھی تھے۔ یہاں تو یہ مثل ہے کہ میرے ایک دوست ایک گاؤں میں بطریق مہمان گئے، وہاں کے امام مسجد کے واقف نہ تھے، مسجد کو نماز پڑھنے جا رہے تھے، راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پیشاب کر کے اُٹھا ہے اور اُس نے بھی سیدھا مسجد کا رخ کیا ہے اور مسجد میں پہنچ کر بغیر استنجا اور وضو کیے اُس نے اذان دے دی ہے، میرے دوست نے سمجھا کہ شاید وقت کی قلت کے باعث اُس نے ایسا کیا ہوگا۔ اب نماز با جماعت وضو سے پڑھائے گا، مگر ایسا نہ ہوا وہ امامت کے لیے اُسی حال میں کھڑا ہو گیا۔ اب اُن کو پتا چلا کہ یہی امام مسجد صاحب ہیں۔ اُن کو چونکہ اُس کی عدم طہارت اور ناپاکیزگی کا علم تھا اس لیے انہوں نے اُس کی اقتدا نہ کی اور اپنی نماز پڑھ کر اُن امام صاحب سے پوچھا کہ حضرت یہ کیا حرکت ہے، میرے سامنے آپ نے پیشاب کیا، پھر نہ استنجا کیا نہ وضو اور نماز پڑھا دی، کیا اسلام یہی ہے؟، کہنے لگے میاں کیا بتائیں کہنے کی بات نہیں، یہ لوگ میرے خلاف ایک دوسرے مولوی سے زیادہ محبت رکھتے اور اُس کا دم بھرتے ہیں اور جو وہ کہتا ہے کرتے ہیں، اِس لیے میں نے بھی اُن سے بدلہ لینے کے لیے یہ طریق اختیار کیا ہے تا کہ اُن کو کافر کر کے مارا جائے۔ بعینہٖ یہی حال ہمارے ان نام نہاد اور متعصب بناوٹی پیروں کا ہے۔ خدا اُن کی اِس اسلام دشنی سے محفوظ فرمائے۔ شعر:

خداوندا تو اپنے سادہ لوح بندوں پہ رحمت کر کہ یہ تقدیس کے نقال عیار انہ نکلے ہیں

یہاں یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ اس امر میں اختلاف ہے کہ روحانی مدارج میں ترقیات بحالت دُنیوی زندگی میں جاری رہ سکتی ہیں۔۔یا۔۔مرنے کے بعد بھی یہ اجراء ممکن ہے۔ ہر درویش ان میں سے ایک عقیدہ ضرور رکھتا ہے مگر سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے اس بیت شریف میں دونوں جانب اشارہ ہے، یعنی بحالتِ زندگی اور بعد موت بھی یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ موت سے یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ مرنے والا آدمی افضل ہے۔۔یا۔۔ارذل، جس طرح ایک انار توڑا جائے۔۔یا۔۔سیب چیرا جائے تو اِس سے اُس کی اندرونی صفات کا پتا لگ جاتا ہے کہ شیریں ہے۔۔یا۔۔تلخ، پُر مغز و خوشبودار ہے۔۔یا۔۔بوسیدہ و متعفن۔ اِسی طرح موت سے انسان کے وہ روحانی فضائل ظاہر ہو جاتے ہیں جو جسمانی حجاب میں چھپے ہوتے ہیں۔۔یا۔۔وہ نفسانی رذائل کھل پڑتے ہیں جو حیاتِ جسمانیہ کے پردہ میں مخفی ہوتے ہیں، چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شعر

آنچہ با معنی است خود پید شود زانچہ بے معنی است خود رسوا شود

مولانا کے قول۔۔۔خود پیدا شود۔۔۔میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ صالحین کے مرنے کے بعد اُن کے انوار کمالات کا پرتو پسماندگان پر کسی نہ کسی طرح پڑتا رہتا ہے۔

۔۔۔میر درد نے اِس مضمون کو اس رنگ میں اَدا فرمایا ہے:

کرتا ہوں پس از مرگ بھی حل مشکل عالم بے حس ہوں پہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں

اور مازال عالی میں یہ ہی مضمر ہے۔اور۔۔۔نیز۔۔۔یہ ارشاد کہ۔۔۔اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ وَلٰكِنْ يَّنْقَلِبُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ۔۔۔بھی عموم ترقیات کا موید ہے۔ درویش ربانی و بندہ حقانی صرف نقل مکانی کرتا ہے مرتا نہیں، جیسا کہ شہداء کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲:۱۵۴﴾

اور مت کہو اس کو جو قتل کیا جائے اللہ کی راہ میں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں (معارف القرآن)

۔۔۔اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۳:۱۶۹﴾۔ بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی دیے جاتے ہیں۔۔۔ چنانچہ اسی امر میں اکثر بزرگانِ دین کے اعمال برزخ شاہد ہیں، کسی ہندی شاعر نے کیا خوب لکھا ہے، شعر:

ہر مرے تو ہم مریں نہیں ہمرے مرے بلا سانچے گرو کا بالکا نہ مرے نہ مارا جا

﴿جامِ ہفتم۔۔۔قربِ ربانی﴾

اَنَا فِیْ حَضْرَةِ التَّقْرِیْبِ وَحْدِیْ　　　یُصَرِّفُنِیْ وَحَسْبِیْ ذُو الْجَلَالِ

ربّ العزت کے تقرب میں میں یگانہ ہوں۔ وہی (مراتبِ سلوک میں)
میرے حال کو بدلتا رہتا ہے اور میرے لیے وہی صاحب عظمت کافی ہے

ہوں یگانہ قرب میں پیشِ الٰہ　　　وصل حاصل ہے مجھے شام و پگاہ
ہے بدلتا رہتا میرا حال وقال　　　ہے مجھے کافی خدائے ذوالجلال

حضور فرماتے ہیں کہ ذاتِ الٰہی کے عرفان اور تقرب الی اللہ کے میدان میں میں یگانہ ہوں اور اس راہ کے رہروں سے میرے زمانے میں کوئی بھی میرا ہمسر نہیں، اور وہی میرا بزرگ برتر خدا مراتبِ سلوک میں مجھے ایک حال سے دوسرے حال میں لے جاتا ہے، اور میرے لیے اُسی ذوالجلال کی ذات کافی ہے۔ یعنی میرے مرتبہ اور مقام میں اِس قدر بلندی ہے کہ اس تقرب کی منزل میں میرا کوئی ساجھی نہیں۔ قربِ خداوندی میں میں ہی یگانہ اور مقاماتِ سلوک میں میں ہی مردانہ ہوں۔ کیونکہ میرا ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل ہونا محض ذاتِ باری ہی کی طرف سے ہوتا ہے اور وہی بہ تقاضائے استعداد مجھے نورِ خاص بخشتا رہتا ہے۔ وَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

تشریح:۔۔۔ یاد رہے کہ لفظ 'اَنَا' کے دو[2] استعمال ہیں، یہ دو[2] طریق اور مطالب میں مستعمل ہوتا ہے: ایک تو زبانِ عوام میں جہاں لوگ خودی اور کبر۔۔۔یا۔۔۔غرور و فخر کے لیے بولتے ہیں۔ دوسرے جو بندگانِ خدا اور خاصانِ بارگاہ سے وحدتِ حقیقی کے ظہور پر تکلم میں آتا ہے۔ اوّل ہر پہلو سے ناجائز اور ثانی ہر لحاظ سے عین ثواب ہے۔ چنانچہ فرعون نے۔۔۔ اِنِّی اَنَا اللّٰہ۔۔۔ کہا تو مرتد و ملعون ہوا اور منصور نے۔۔۔ اَنَا الْحق۔۔۔ فرمایا تو مؤمن ما مون رہا۔ ابلیس کو طوقِ لعنت کا سبب یہی کلمہ۔۔۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ۔۔۔ ہوا اور ذاتِ پاک معصوم و مصطفیٰ محمد رسول اللہ ﷺ میں۔۔۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدُ آدَمَ وَلَا فَخَر۔۔۔ باعثِ تملیکِ رحمت کون و مکان بنا۔ (فافہم) مثنوی:

ایں انا آمد طہور ذات ہو　　　آں انا را خواری آمد چار سو

این انا باشد نشان وحدہٗ — وآں اَنَا شد لائق سَحقا لہٗ
این اَنا شد شربت صافی مزاج — وآں اَنا شد چوں حمیم لانتاج
این اَنَا شد رونق ہر دو جہاں — وآں اَنا شد صد بلا وصد زیاں
خود فنا چوں ماند آنجا ایں اناست — نفس کافر چونکہ خود آں اناست
خود نبی از سر خود درے بسفت — یاں انا احمد بلا میمے بگفت
یعنے آں حلقہ کہ میم از در واست — از الف برخود بہ پیچیدہ گردست
چونکہ حلقہ میم را کودی تو راست — خود الف ماندہ بہ بین بے کم وکاست
الف اول الف آخر در اَناست — ایں الف ہم باعث ارض وسماست
گر یکے از دو الف غائب شود — بر جہاں ہست تیغ لازند
الف اللہ الف احمد را بہ بیں — جز حجاب میم گوتو چیست ایں
چوں زاسرار بیا بم محے دین — از الف وانم بنائے ماوٗطین
از طفیل شاہ جیلان شد ظہور — از الف پیدا شدہ ایں نارونور

چوں قلندر رواقف اسرار شد
از نوائے ازل برخوردار شد

اگر تمام حروفِ تہجی کو ملاحظہ کیا جائے تو تمام 'الف' ہی کا ظہور نظر آتا ہے، اگر 'الف' کے دونوں سرے بڑھا دیے جائیں تو 'ب' اور اوپر دو ۲ نقطے دینے سے 'ت' اور تین ۳ نقطوں سے 'ث' بنتا ہے۔ اور اگر دونوں گوشوں کو پھر پہلی شکل میں لاکر کھڑا کر دیا جائے تو 'الف' کا 'الف' ہی رہ جاتا ہے۔ اِسی طرح سب حروف کا حال ہے اور سب میں اِسی 'الف' کی جلوہ فرمائی ہے۔ اسی کی ذات سے صورتیں بنتی ہیں اور اسی سے بدلتی ہیں اور وہ نقطہ جو باعثِ ایجادِ عالَم ہے، اِسی کے ایک ادنیٰ سے جزو کا نام ہے مگر ان حقائق ودقائق کو دیکھنا کسی حق شناس آنکھ کا کام ہے۔ بات دُور نکل گئی۔ غرض اِس سے 'انانیت' کا بیان کرنا تھا، کیونکہ 'انانیت' ہی کی وجہ سے جواب۔۔۔ لَنْ تَرَانِی ۔۔۔ ملتا ہے اور اسی کی عقدہ کشائی سے غنچہء دِل کھلتا ہے، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ صرف طریق کار اور استعمال حروف میں فرق ہے۔ ہر طالب کو مٹ کر مطلوب کی منزل ملتی ہے، 'انانیت' کا رکھنا حجاب اور نہ رکھنا وصل کی شراب ہے۔ جس نے اپنے آپ کو دیکھا وہ یار سے دُور رہا اور جس نے 'انانیت' کو مٹایا اُس کے دیدار سے مسرور ہوا۔ اِسی مقام پر اہل اللہ

نے فرمایا ہے۔۔۔کہ اپنا قتل انانیت مباح اور دوسرے کا قتل طمانیت گناہ ہے۔ اگر محبوب کو پانا چاہتا ہے تو اپنی ہستیِ موہومہ سے دَرگزر، پھر اُسے پا سکے گا جیسا کہ کہا گیا ہے، شعر:

پسِ مردن بنائے جائیں گے ساغر تری گل کے
لبِ جاں بخش کے بوسے ملیں گے خاک میں مل کے

اِس شعر میں لفظ جُوفی' بولا گیا ہے، جس کے معنیٰ 'داخل' کے ہیں اس میں یہ اشارہ ہے کہ میں درگاہِ ربی میں حسبِ اجازت دخیل کار ہوں اور اللہ کے فیض سے احاطہ کیا گیا ہوں۔ میری ہستی اہلِ حضور سے ہے اور میری منزل قرب میں نام کو بھی حجاب نہیں۔ وَھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔

اور لفظ 'تقریب' میں جس کے معنیٰ 'دوسرے کو قریب کرنا' ہے، حضرت محی الدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا درجۂ ارشاد سب سے بلند ہے اور میں رتبۂ 'اہدا' میں یگانہ ہوں۔ یہ اشارہ اقطاب کو کیا گیا ہے کہ تم ابھی 'وصول' اور 'ہدایت' کی منزل میں ہو اور میں بمرتبۂ 'اہدا' فائز ہوں۔

خود خدا چوں تربیت گردد مرا — لیک در آغوش احمد مصطفیٰ
کے کسے واقف زراز وسر ما مست — زانکہ اندر جان ما نور خدا ست

لفظ 'وحدی' بھی ایک عجیب یگانگت و فردیت پر دلالت کرتا ہے کہ آں غوثِ ربانی کو مرتبۂ فردیت ایسا حاصل تھا جس کی نسبت ایک دوسرے قصیدہ میں ارشاد فرماتے ہیں، ع:

انا فرد الفرد لا شریک لی

۔۔نیز۔۔یاد رہے کہ کمالاتِ الٰہی احاطۂ اعداد وشمار سے باہر اور نا متناہی ہیں۔ بندۂ فانی کی کیا حیثیت ہے کہ بغیر اُس کی رحمت و کریمی کے اُس کی معرفت کے بحرِ بے پایاں میں تیر سکے اور دُرِ مقصود کو ہاتھ میں لانے کے لیے غواصی کا ارادہ کرے۔ جو کوئی بھی اس اتھاہ سمندر میں تیرا ہے، اُس کی مہربانی سے اور جس کسی نے اس میں غوطہ لگایا ہے اُس کی نگہبانی سے۔ نہ کسی کا اس میں اختیار اور نہ ہی کسی کا اپنے آپ پر مدار ہے۔ اُسی کی بے نیازی ہے جسے چاہے اپنا قرب عطا فرمائے اور جسے چاہے راندۂ بارگاہ بنائے۔

خاصانِ خدا نے فرمایا ہے کہ 'کمالاتِ قدسیہ' کا ظہور دُنیا میں تین ۳ طریقوں سے ہوا ہے۔ (۱)۔۔۔نبوت (۲)۔۔۔ولایت خاصہ (۳)۔۔۔ولایتِ عامہ۔ پھر اوّل الذکر کے بھی جداگانہ مدارج

ہیں، جن کی تشریح کی اِس مختصر میں گنجائش نہیں۔ صرف اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ میدانِ نبوت و معرفت میں تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ترین ہمارے نبی الانبیاء محبوبِ خدا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ پھر نبوت خاتمہ، تامہ اور مستقلہ کے بعد ولایتِ خاصہ کے بھی بہت سے مراتب ہیں جس میں اصحاب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے بعد نیابتِ مطلق ہر زمانہ میں ہمیشہ سے قائم رہی ہے اور آئندہ تا قیامِ قیامت قائم رہے گی، جیسے اغیاثِ زمانہ کی نیابت جن میں سے ایک زمانہ کی حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی سیدنا پیر عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے وابستہ ہے اور آپ کے زیرِ قدم ہونے سے کوئی ولی بھی باہر نہیں رہا۔ اِسی طرح ولایتِ عامہ میں بھی عام مؤمنین کے درجات علیحدہ علیحدہ ہیں جو اُن کے ایمان کے استحکام کے موافق ہوتے ہیں اور اُن میں سے بھی ہر زمانہ میں ہر ملک اور ہر مقام پر ایک شخص صاحبِ عروج ہوا کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور اِس شعر میں جو الفاظ **یصرّفنی وحسبی** مذکور ہیں، جن کا مفہوم 'تصریف' اور 'کفالت' سے ہی ہوسکتا ہے۔ یہ دونوں لفظ صوفیائے کرام کی مخصوص اصطلاح میں سے ہیں، یعنی سالکِ طریقت کو تصریف من جانب اللہ ایک حال سے دوسرے حال اور ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں پہنچاتی رہتی ہے اور یہ تغیر و ترقی بعض حالات و حوادث ظاہری کے ساتھ بھی وابستہ ہوتی ہے۔ چنانچہ بزرگانِ عظام نے فرمایا ہے کہ سالک کو سوائے ذاتِ الٰہی کے کسی چیز پر نظر نہیں رکھنی چاہیے، بلکہ ارشادِ نبوی ﷺ سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ 'استعانت غیر اللہ' سے ایسی پرہیز کرے کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا سے ہی مانگے اور۔۔۔ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل ۔۔۔ کا پورا پورا عامل بنے۔ جو درویش ذات باری کو کافی سمجھ کر اور یہ ایمان رکھتے ہوئے۔۔۔ وَمَامِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا ﴿۶:۱۱﴾ اور۔۔۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸:۱۲﴾۔۔۔ پھر اپنے جملہ امور کو اُس کے سپرد نہ کرے وہ اپنے دعوائے درویشی میں کاذب ہے، شعر:

ناتوانی خویش را باحق سپار ۔۔۔ تا بہ بینی روئے آں احسن نگار
چوں تو خود را با خدا داری عیاں ۔۔۔ او کند کار تو جملہ اسے جواں

یہاں لفظ **ذو الجلال** میں ایک قابل فہم رمز یہ ہے کہ 'تصریف وتلوین' جو اصطلاحاتِ صوفیائے عظام سے ہیں (اور وصول و تمکین کا انہی پر وقوف ہونا ہے) کا تعلق 'صفاتِ جلالیہ' سے ہے جو ہر خام کی تربیت کرنے والی اور ہر طالبِ مقام کو ترقی بخشنے والی ہیں۔ اِس سے 'ایمان بین الخوف والرجاء' کے معنوں کی تصدیق ہوتی ہے اور۔۔۔ قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمن یقلبہ کیف یشاء ۔۔۔ کا راز

ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ ہر کام اُسی کے جلال کا جلوہ ہے اور اُس ذاتِ اقدس کے آداب بجالانے میں جس نے دریغ کیا اُس کی ہستی فانی حقیقتاً فانی ہو جائے گی اور وہ کبھی بامراد نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام ہشتم۔۔۔پروازِ لامکانی

اَنَا الْبَازِیُ اَشْہَبُ کُلِّ شَیْخٍ   وَمَنْ ذَافِی الرِّجَالُ اَعْطِیْ مِثَالِیْ

میں باز اشہب ہوں اور مردانِ خدا میں سے کوئی نہیں ہے
جس کو عطائے ایزدی و مرتبۂ حقیقی میری مانند ملا ہو۔

بارگاہِ قدس کا شاہباز ہوں   لامکاں میں برسرِ پرواز ہوں
کون ہے کس کو ملا ہے یہ مقام   جس نے پایا مجھ سے پایا لاکلام

باغِ داد (بغداد) کی تاریخ غوثیت کا ہر لمحہ اپنے اندر ہزار کیف اور بے شمار جاذبیتیں رکھتا ہے۔ شبانہ روز مجالسِ وعظ کی ترتیب، اتباعِ سنت کے اثر میں ڈوبے ہوئے بیانات، مذہب واخلاق اور معاشرت وعرفان کا درس دینے والی تقریریں، ساکن وصامت فضاؤں میں آگ لگا دینے والی تحریریں، مقامی و بیرونی ارادتمندوں کی مستانہ وار جذبات وعقیدت سے مسند ارشاد کے سامنے دست بستہ ایستادگی، علمِ شریعت کے معرکہ آراء معترضانہ سوالات کے جوابات، سالکانِ راہ طریقت کو معراج ترقی پر پہنچا دینے والی تعلیم، گم گشتگانِ منزل کو جادۂ منزل کا ٹھیک پتا بتا دینے والی تعمیم، اور بانگِ جرس پر حیران وششدر رہ جانے والے راہروں کو منزل کی صحیح رہنمائی، شمع غوثیت پر عقیدت مندوں کا پروانہ وار ہجوم اور منازل عرفانِ الٰہی کا مفہوم، مجذوبوں کا ایک سالک پر مرنا اور اُس کا چوروں کو قطب کرنا، وہ حیات افروز مناظر ہیں جن پر سرکارِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ جس قدر مدعی بلندئ مراتب ہوں، ہر طرح بجا اور قطعی طور پر زیبا ہیں۔ ایک انصاف پسند آنکھ حضور کے اِس دعوے کی یقیناً تائید کرے گی کہ۔۔۔

''میں آسمان عرفان کی بے پناہ بلندیوں کا '**بازِ اشہب**' ہوں، میرے سامنے مردانِ خدا سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کو وہ درجاتِ معرفت عطا ہوئے ہوں جو مجھے عطا ہو چکے ہیں، یعنی اصالتاً ہر

مرتبۂ حقیقی اقطاب واغیاث میں مجھ کو ہی عطا ہوا ہے اور باقی میرے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں۔ اور جس کسی پر اور جب کبھی ولایت کا دروازہ کھلتا ہے، میری ہی طفیل اور میری ہی توجہ سے کھلتا ہے''۔

ہر یکے از بحر جود محی دین　　قطرۂ دار دو ز فیاضیش بین

اِس شعر میں 'منصبِ نیابتِ مطلق' بلاشرکتِ غیرے کی جانب اشارہ ہے کہ حضور شاہِ جیلانی رضی اللہ عنہ میدانِ معرفتِ صمدی اور احاطۂ دینِ محمدی ﷺ کے نائب ہیں اور جمیع اولیاء اللہ حضور کے تابع فرمان۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے دعویٰ فرمایا کہ میں 'بازِ اشہب' ہوں، جو سب بازوں کا سردار ہوتا ہے۔ ہر شیخ و ولی کا حال سلب کر لینا اور ہر ایک کو اپنا شکار بنا کر اُس کا حال بدل دینا میری قوتِ غوثیت کا ایک ادنیٰ ترین کام ہے۔ ذرا سی شوخی پر کسی کے حال میں قبض وسلب پیدا کرنا اور کسی کی نیازمندی پر بسط وکشاد کا عطیہ میرے بس کی بات ہے۔ مجھے جو اختیارات تفویض ہوئے ہیں وہ کسی ولی کو نہیں ہوئے، جو چاہے اپنی نیازمندی کے ساتھ میرے سامنے آئے اور اپنے مقصود کا نفع اُٹھائے۔

یہاں لفظ 'باز' دو ۲ معنوں میں مستعمل ہوا ہے: ایک 'باز' دوسرے 'بازی'۔ اور آنحضور غوثِ پُرنور کے اکثر کلام میں یہ دونوں لفظ پائے جاتے ہیں۔ لفظ 'باز' میں صفت اور 'بازی' میں بلندی کا دعویٰ مذکور ہے۔ جو اہلِ علم حضرات قصائدِ غوثیہ سے واقف ہیں، اُن پر یہ امر واضح ہے۔

اپنے آپ کو 'باز' بیان فرما کر اس رمز کا اشارہ فرمایا کہ رب العزت کی توحید وتقدیس کے میدان میں میری پرواز سب سے بلند ہے اور جو لوگ ہوائے نفس کے جنگل میں آوارہ ہوں، اُن کو شکار کر کے امرِ الٰہی کے فتراک (شکار بند) کے ساتھ باندھ دینا میرا کام ہے۔ اور ہر شیخ جو پرواز میں اپنے اندازہ سے باہر ہو جائے، تادیب کا پنجہ مار کر راہِ راست پر لانا میری ہی شانِ غوثیت کا دام ہے۔

در نظر نگاہِ شہنشاہ مے پرم　　دیگراں کنجشک ومن باز اشہم
کے تواند پر زدن اے یار راز　　گر کسے شاہین بود لیکن بباز

یعنی عنایتِ ازلی کی شکارگاہ میں میں ہی وہ 'بازِ اشہب' ہوں جو نظر گاہِ شہنشاہ کی غیر محدود پہنائیوں اور لاتعداد وسعتوں میں ہر میدان کی جداگانہ پرواز رکھتا ہو۔ میں اس بلند پروازی میں ایسا یگانہ ہوں کہ کوئی اس میدان کے پرندوں سے میری ہمسری کا گروہ نہیں رکھتا۔

من چہ گونم وصف آں شہباز دین آنکہ دیں راازندہ کردہ بالیقیں
جاہا از پر پروازش شکار عالمے از فیض اودار وبہار

اِس شعر میں لفظ کلّی جو اپنی اضافتِ نکرہ کے لحاظ سے عمومیت پر دلالت کرتا ہےاور جس سے زیادتی عموم پائی جاتی ہے، وارد ہے۔ جس میں یہ رمز ہے کہ آنجنابِ غوثیت مآب کا تصرف تمام مشائخین پر ثابت ہےاور حضور کے تصرفِ غوثیت سے کوئی باہر نہیں۔۔نیز۔۔یہ اشارہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے 'پنجۂ محیط' میں اس جماعت کو محکوم و مامور کر رکھا ہے۔

اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ مردان خدا کو جو کچھ دیا گیا ہے، وہ مشابہ مثل۔۔یا۔۔ظل کے ہیں۔اِس کا مطلب یہ ہے کہ مثل ہمیشہ اصل کے برابر نہیں ہوا کرتی بلکہ مشابہ ہوتی ہے۔اور یہ ضروری نہیں کہ ہر پہلو سے بھی مشابہ ہو۔کسی ایک پہلو سے تشبیہ پائی جائے تو اُس کو بھی مشابہ کہہ سکتے ہیں۔اصل اصل ہے اور مثل مثل۔اِسی لیے فرمایا کہ میں توحید وعرفان الٰہی کا آفتاب ہوں۔باقی میری مانند روشنی میں مجھ سے مشابہ ہیں۔حالانکہ وہ روشنی بھی مجھ ہی سے چاند کی طرح حاصل کی گئی ہے۔

یہاں پر عام مشائخین اور تمام ارادتمندوں کے لیے ایک واضح اشارہ یہ بھی ہے کہ ہرارادتمند اپنے شیخ بیعت۔۔یا۔۔پیر صحبت کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ایک اُس محتاج ذرہ کے رنگ میں تصور کرے جو آفتاب کی روشنی سے اپنی جِلا پاتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آفتاب کے پَرتو کے بغیر ذرہ کی کوئی بھی ہستی نہیں ہوتی۔اور یہ مشاہدہ ہے کہ جب آفتاب مغرب کے افق میں ڈھلنے لگتا ہےتو وہ ذرات جو چمکتے ہوئے دکھائی دے رہے ہوتے ہیں سب کے سب معدوم ہوجاتے ہیں۔ایسے وقت میں اگر کوئی متلاشی کسی ایک ذرہ کی بھی تلاش کرنی چاہےتو وہ ہرگز نہ پاسکے گا۔گویا ذرات کی زندگی آفتاب ہی کی روشنی سے ہےاور اُسی کے سبب اُن سب کو نشو وارتقاء کا سلسلہ جاری ہے۔گویا اُن کی ہستی کی رونق اُن کی ذاتی چیز نہیں۔جس ارادت مند کو یہ وہم ہوجائے وہ صرف گمراہ ہی نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ کے لیے برباد بھی ہوجائے گا۔یہی وجہ ہے کہ خاصان خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ طالبان حق ومحبان جلوۂ نبی ﷺ کی بھی بعینہٖ یہی کیفیت ہےاور شہودِ الٰہی یوں ہی ہوتا ہے۔پس یہ انوارِ الٰہی ہی ہیں جو انبیاء اور مشائخین کے رتبہ میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

اورارشادِ باری۔۔۔فِیْ اَنْفُسِکُمْ۔۔۔وَاللّٰہُ مَعَکُمْ۔۔۔اور۔۔۔اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ۔۔۔کا یہی مطلب ہے،اورارشاد۔۔۔اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔اور۔۔۔اَللّٰہُ نُوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض۔۔۔کے معنوں کا مضمون بھی یہی ہے، مثنوی:

چونکہ سالک را بود نور از وجود　　خود خدا در وے دہد جلوہ شہود
چوں شود تاریک از ظلمت گناہ　　عالمے از دید او باشد سیاہ
آفتاب محی دین بر جانہا　　میکشائد لحظہ لحظہ کانہا
سنگہا از آبِ او شد لعلہا　　از خلافش واز گوں شد لعلہا

ارادت مند کو چاہیے کہ وہ ذرے کی طرح اپنے آپ کو چمکانے کے لیے ہر دم آفتاب کی روشنی کا متمنی ہو کر اور اُس سیپ کی طرح جو موتی پیدا کرنے کی تمنا رکھتا ہو، ابرِ نیساں کا منتظر رہ کر سچی طلب اور حقیقی ارادت کا منہ کھلا کر کے اِس طرح ہمہ تن چشمِ براہ ہو جائے کہ شیخ کی توجہ اُس کے قلب کو مجلّا کرنے میں پورا کام کر سکے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو نامراد رہے گا۔ مشائخین عظام ہر ارادت مند کو جو مراقبے کا طریق تلقین فرماتے ہیں، اُس کی علتِ غائی بھی صرف یہی ہے کہ فیضِ شیخ کو اَخذ کرنے کے لیے بحیثیت ذرہ کے اپنے آپ کو اُس کے تصور۔۔۔یا۔۔۔اُس کی ذات کے سامنے پیش کرے تا کہ حقیقی روشنی حاصل کر سکے۔ کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا ہے، شعر:

ریت پریت پریم رس چکوا کرے دھیان
بنی ہو کے سنگرے تب پاوے بھگوان

یعنی وہ کہتا ہے کہ۔۔۔تُو نے سنا ہو گا چکوا اور چکوی، نر اور مادہ جانور ہوتے ہیں جس میں قدرتِ الٰہی سے ایک نیا قانون کام کرتا ہے کہ وہ بچے پیدا کرنے کے لیے جفت نہیں ہوتے بلکہ جب اُن کو یہ خواہش پیدا ہوتی ہے تو ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر ایسے محبت کی نگاہ اور مخلصانہ انداز سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کہ نظروں نظروں میں مادہ حاملہ ہو جاتی ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ۔۔۔تو بھی انوارِ شیخ اَخذ کرنے کے لیے اُسی مخلصانہ انداز میں بیٹھ تا کہ تیری طلب کی گود بھی بوجھل ہو جائے اور تو بھی مقصود کا موتی پیدا کر سکے۔ جب تک ذرہ کی مانند ہمہ تن چشم نہ بن جائے گا۔۔۔من ذا فی الرجال اعطی مثال۔۔۔کا مطلب مفہوم تیری سمجھ میں نہ آ سکے گا۔

یاد رہے کہ اِسی شعر میں لفظ **'اعطی'** (جو صیغۂ مجہول اور جس کے معنی 'دیا گیا' کے ہیں) وارد ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ عطائے ایزدی سے میرے اس جلوہ کی ضیاء میں تمام مشائخین زمانہ یکساں گھرے ہوئے ہیں اور میرے ہی فیضان سے مستفید و مستفیض ہیں۔۔۔نیز۔۔۔میرے متبعین کو عطائے ذات الٰہی کی مدد ہی تربیت کرتی ہے اور اُسی سے ان کے انوار و اسرار کا سلسلہ تر و تازہ رہتا ہے۔

جام نہم ۔۔۔ خلعتِ لاثانی

كَسَانِىْ خِلْعَةً بِطِرَازِ عَزْمٍ　　　وَتَوَّجَنِىْ بِتِيْجَانِ الْكَمَالِ

مجھے نیابت وبزرگی کا خلعت اور وصول وکمال کا وہ تاج پہنایا گیا
جو عزم وقصد اور دوام وقیام کے نقشوں سے آراستہ تھا

خرقہ پہنایا مجھے تعظیم کا　　　سر پہ میرے تاج ہے تکریم کا
ہے اولوالعزمی میری اَدنیٰ کنیز　　　بے نیازی ہے مری عقلی تمیز

جب جنابِ غوثیت مآب شرابِ عشق کے پیالوں کو طلب فرما کر اور اپنے مجاہدہ کی بساط میں اہل مجلس کو گرما کر، خمر طہور پی کر، اور تقرب الی اللہ کے میدان میں باہوش جی کر، توحید وتجید کے مقامات میں شہبازی کر کے، اور فردانیت کے رتبہ میں یار کو راضی کر کے، مقامِ نیابت ومحبوبیتِ آنحضور ﷺ پر پہنچے تو آپ کو نیابت وبزرگی کا خلعت اور وصول وکمال کا وہ تاج پہنایا گیا جو امتیازی حیثیت سے عزم وقصد اور دوام وقیام کے نقوش سے آراستہ تھا، کیونکہ منتہائے ولایتِ کاملہ حضور ہی کے لیے مقدر تھی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ 'کسانی وتوجنی' کی ضمیر جب اللہ کی جانب ہو جس سے آپ کے ارشادِ پاک کا یہ مفہوم ہو جائے کہ میں نے یہاں تک عشق کمایا کہ وہی عشق میرے کمال کا سبب بن گیا اور بارگاہِ حقیقی سے مجھے خلعتوں اور سعادتوں کے تاج حاصل ہو گئے۔ اِس درجہ اور منزل کا نام 'منزل صدق' ہے، شعر:

سر پنہاں است در ہر لفظ وحرف　　　گر تو خواندی علم نحو وعلم صرف

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کے اُن فضائل ومحاسن کا ذکر کر دیا جائے جو آپ کی اس نیابتِ محبوبیت پر شاہد ہیں اور جن کا تعلق ابتدائے ولادت سے ہی آپ کی ذاتِ ستودہ صفات کے ساتھ وابستہ تھا، اور یہی ایک وہ باب ہے جس کو صحیح معنوں میں سوانح حیات کہا جا سکتا ہے۔

چنانچہ ۴۷۱ ہجری المقدس کی شب یکم رمضان المبارک تھی جس میں یہ قطبِ ربانی وغوثِ صمدانی کتمِ عدم سے پردۂ وجود پر جلوہ گر ہوئے۔ پیدا ہوتے ہی فضائے بسیط میں نور وضیا کی لطیف لہریں دوڑنے لگیں اور دُنیائے روحانیت میں ایک بیداری پیدا ہو گئی، سعادتوں کے ابواب کھل گئے اور بزمہائے ایقان وعرفان میں چہل پہل نظر آنے لگی، آسمان والوں نے زمین پر رحمتوں اور برکتوں کی بارش کی اور قدسیوں

میں ہر طرف ایک شورِ تہنیت برپا ہو گیا۔ چنانچہ شبِ ولادت ہی میں آپ کے والدِ بزرگوار سید ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ نے حضور پُرنور شافع یوم النشور نبی کریم محمد رؤف و رحیم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ حضور اپنے احباب صحابۂ کرام و اولیائے عظام کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور انوارِ غیبی سے پورا مکان کا مکان منور فرما کر ارشاد فرمایا۔۔۔ کہ اے ابو صالح! آج اللہ کریم نے تجھے وہ فرزندِ جلیل عطا فرمایا ہے جو شیخ العہد، قطبِ وقت، اور غوثِ زماں ہو گا۔ شاید اِسی بشارت کی برکت تھی کہ آپ کی تاریخ ولادت۔۔۔ 'مالک الرقاب وریب تاج اولیاء'۔۔۔ لکھی گئی۔

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے ایک فقید المثال اور صاحبِ تصرفات بزرگ تھے۔ زندگی میں آپ سے اِس قدر کرامات کا ظہور ہوا جن کا بیان تحریر سے باہر ہے اور اِس موضوع پر ایک مستقل ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ شیخ ابو عمر نے بالکل درست فرمایا کہ آپ کی کرامتیں 'سلک مروارید' کی طرح تھیں جن کا تسلسل قائم ہی رہتا تھا اور کرامات بھی وہ جن کی نوعیت بہت ارفع واعلیٰ ہوتی تھی اور جن سے بیک وقت یہ واضح ہو جاتا تھا کہ یہ کرامات جن سے یہ صادر ہو رہی ہیں، وہ کتنی عظیم القدر قوت کے حامل ہیں۔ شیخ الاسلام عزیز الدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ جس تواتر و کثرت کے ساتھ آپ سے کرامات کا صدور ہوا اور کسی ولی سے نہیں ہوا۔ چنانچہ فقیر شارح یہاں پر مشتے نمونہ از خروارے بعض کرامات کو بالکل اشارۃً اور مجمل الفاظ میں پیش کرتا ہے، کیونکہ ان کی تفصیل کے لیے دفتر بھی کم ہے۔ لہٰذا اِس اجمال کی تفصیل جسے دیکھنی منظور ہو وہ دوسری کتبِ تصوف و سیر کا مطالعہ کرے، مثلاً:

۱۔ پیدا ہوتے ہی رمضان المبارک کا احترام اور دودھ نہ پینا۔
۲۔ کمزور ناقہ میں نئی طاقت بھر دینا۔
۳۔ ابو المجر حامد الحرانی کو ایک دُعا سے نور الدین زنگی کا ناظمِ اوقاف بنا دینا۔
۴۔ انہدامِ مسافر خانہ کی قبل اَز وقت خبر پا لینا۔
۵۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا مزارِ اقدس سے باہر آنا۔
۶۔ چھت سے غیر متوقع طور پر جانور کا گرنا۔
۷۔ سبز پرندے کا ظاہر ہونا۔
۸۔ ایک پرندہ کا محض الفاظ سے مر جانا۔
۹۔ ایک ارادت مند کو عذاب قبر سے مخلصی دلانا۔
۱۰۔ چور کا ابدال وقطب کر دینا۔

۱۱۔ ایک عرض گزار کو بیداری میں بیٹھے ہوئے کعبہ شریف کی زیارت کرا دینا۔

۱۲۔ غائبانہ امداد فرما کر ایک قافلے کو ڈاکوؤں سے بچانا۔

۱۳۔ نہاوند میں ایک ابدال کا مقرر کرنا۔

۱۴۔ قلبی امور سے آگاہی پالینا۔

۱۵۔ اور مافی الضمیر کا بتا دینا۔

۱۶۔ بربط نواز کو بارگاہِ صمدیت سے انعام دلانا۔

۱۷۔ دریائے دجلہ کی لہروں پر سجدے کرنا۔

۱۸۔ مادرزاد اندھے اور مفلوج بچے کا صحت پانا۔

۱۹۔ کھائے ہوئے مرغ کا زندہ کر دینا۔

۲۰۔ جنات کی جماعت سے ایک گمشدہ لڑکی اُس کے والدین کو واپس دلا دینا۔

۲۱۔ بعض واقعات آئندہ کی تشریح فرمانا۔

۲۲۔ بعض شوخ اور مغرور نفس کے فریب خوردہ فقیروں کا حال سلب کر لینا۔

۲۳۔ عصائے مبارک سے روشنی نمودار ہونا۔

۲۴۔ ایک چیل کا محض دیکھنے سے سر کاٹ دینا۔

۲۵۔ خاموش پرندہ کا بولنا۔

۲۶۔ غیب سے تازہ سیب نمودار کرانا۔

۲۷۔ سلبِ علوم و حروف کا تصرف فرمانا، وغیرہ وغیرہ۔

۔۔۔آنحضور غوثیت نشور کے وہ نشانات سعادت ہیں جو اَزل ہی سے آپ کے بخت بیدار اور قسمت پُر اسرار میں ودیعت فرمائے گئے تھے۔ ابھی سرکارِ غوثیت کی عبودیت، عقائد و عبادات، نماز و تلاوت، مقالات وارشادات، حالات و معاملات، فضائل و اخلاق، ایثار و سخاوت، استغناء و محویت، ہیبت و عظمت، سادگی و بے نفسی، حق گوئی و حق نوازی کے اوصافِ فطری، مزید برآں قابلِ تشریح ہیں جن کی اِس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں اور جن سے پتا چلتا ہے کہ نیابت و محبوبیت کا خلعت بطفیل سید المرسلین ﷺ حضور کو ملنا اور آپ کا اُس کے متعلق مدعی ہونا کس طرح حقیقتِ اصلیہ پر مبنی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضور نے اپنے قصد و عزم کے انضباط میں وہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں جن سے ہٹنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

کیونکہ تاجِ نیابت جس سے مراد ولایت کاملہ کا وہ درجہ جو محبوبیت محمدی کا خاص سایہ ہے، پالینے

میں حضور مشہور اور تاجدار بن چکے ہیں، اور تو جنی کا مفہوم یہی تاجِ ولایتِ کاملہ ہو سکتا ہے، اس لیے کہ دین کو زندہ کرنے کی دائمی دولت کا خلعت اور محی الدین کی مصدقہ سند کا تاج حضور ہی کے لیے موجبِ زینت اور باعثِ تکریم و فخر ہے، کیونکہ ترکِ دُنیا و بیخودی سالک کا عزم اور بقایا باللہ کا علو اس کا خلعت ہوتا ہے۔ اور اگر اِس سے یہ معنی اَخذ کیے جائیں کہ حق تعالیٰ نے بے شمار ظاہری خلعتوں اور تاجوں سے حضور کو نواز رکھا تھا، تو یہ بھی بے جا نہیں۔ بلکہ حضور خود ایسے بے شمار خلعتوں کے تقسیم فرمانے والے ہیں، جیسا کہ لکھا ہے کہ آپ کی مجلس شریف میں درگاہِ الٰہی سے خلعت ملا کرتے تھے اور لوگوں نے دیکھا کہ قدرتی طور پر مستحقین میں سرخ و سبز لباس بٹ رہے ہیں اور دینے والا نظر نہیں آ رہا۔ پھر جب غوث الاعظم کے بھیک منگوں اور گداگروں کی یہ کیفیت ہے تو آپ کے اپنے لیے فضیلتوں کے تاجوں اور اولوالعزمی کے خلعتوں کی بارگاہِ ایزدی سے کیا بخشش نہ ہوگی، اور یہ درجہ کہ آنجنابِ غوثیت مآب کو ہر صبح دو گھڑی تک انوارِ الٰہی محیط رہتے اور گھیرے رکھا کرتے تھے، خلعتِ اولوالعزمی نہیں تو اور کیا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ خلعت اور لباس بغیر تاج کے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، لہٰذا جہاں خلعت اولوالعزمی حضور کو حاصل تھا وہاں آپ سلطان الاولیاء ہوتے ہوئے تاجِ تکریم کے حامل بھی تھے۔

یاد رہے کہ بعض نسخوں میں یہ الفاظ 'بتیجان الکمال' کی بجائے 'بتیجان الجمال' لکھے ہیں، اِس سے بھی وہی بیانِ وصول مقصود ہے کیونکہ 'کمال' آخری درجہ کے معنوں میں آتا ہے اور 'درجۂ جمال' انوارِ حقیقی کے جلوہ کو کہتے ہیں جو کہ سالک کو جلالِ الٰہی کی تصریف و تلوین کے ساتھ اَدنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ تک پہنچاتا ہے تاکہ بصیرتِ قلبی کی رویت کا جلوہ ذاتی اور حقیقی جمال کے نظارہ سے مسرور و مطمئن ہو جائے اور ہر سالکِ راہ و متلاشی بارگاہِ الٰہ کو اپنی استعدادِ روحانی کے مطابق یہ کشائش نصیب ہو جاتی ہے۔ اور آنجنابِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کو یہ درجہ منتہائے استعداد کے ساتھ حاصل تھا۔ چنانچہ حضور نے خود بعض قصائد میں اِس قسم کی رویت کا بیان بلفظ 'عین البصیرت' فرمایا ہے۔

چونکہ فیضانِ الٰہی کی حد و نہایت کوئی نہیں، اِس لیے 'کمال' کا صحیح مفہوم سمجھ میں آنا محال ہے۔ ہاں! اتنا سمجھ لینا آسان ہے کہ یہاں پر جن معنوں میں 'کمال' کا تذکرہ ہوا ہے، اُس سے مراد وہ سبقت ہو جو آنجنابِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کو دوسرے اولیاء اللہ پر حاصل ہے۔ باصطلاحِ تصوف 'کمال' کی دو ۲ قسمیں ہیں: کمال فی السیر الی اللہ اور کمال فی السیر فی اللہ۔

قسم اوّل کے لیے ایک حد متعین ہے اور اولیاء اللہ بحسبِ استعداد مل کر اُس کو حاصل کر کے ایک حدِ معین کے اندر ایک دوسرے پر برتری اور تفوق حاصل کر سکتے ہیں، مگر قسم دوئم میں کوئی حد معین

نہیں۔ بندگان خدا کے لیے ترقی کا میدان ایسا بے انتہا اور غیر معین ہوتا ہے کہ اس فرقہ کے مقربین اپنے شوق تقرب الی اللہ میں کبھی سیر نہیں ہوتے۔ اہل عرفان نے فرمایا ہے:

هو المرتبة الاخيرة التى هى عبارة عن الخروج الكلى عن اراده العبد او الفناء الكلى الذى يعقبه البقاء الكلى المنتهى اليه السير الى الله عزوجل

وہ ایک مرتبہء آخری ہے جس میں کسی چیز کا ارادہ ہی نہ کیا جائے اور نہ کوئی حاجت وطلب دِل میں جگہ پا سکے بلکہ انسان کا وجود ہی ارادۃ اللہ ہو جائے

۔۔۔پس جب انسان کا وجود ہی ارادۂ الٰہی بن گیا تو اُس کی ہستی مٹ گئی اور جب ہستی مٹ گئی تو مطمئن ہو گیا، کیونکہ۔۔۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب ﴿۲۸:۱۳﴾۔ یادرکھو کہ اللہ کے ذکر سے چین پا جاتے ہیں دِل۔۔۔ کا یہی مقام ہے۔ پھر پورا اطمینان حاصل ہو چکنے کے بعد درویش تصرفاتِ الٰہی کے ایسا تابع ہو جاتا ہے جیسے انگوٹھی انگلی کے تابع ہوتی ہے، اُس وقت خارقِ عادت افعال وکرامات گو انسان کی جانب منسوب کیے جاتے ہیں لیکن اُن کا فاعل حقیقی خدا ہوتا ہے، شعر:

بیا اینجا شنو شرح مقدس — کہ بنیاد حقائق زیں موسس
گفتہ او گفتہ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔۔۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْن ﴿۹۶:۳۷﴾۔ اور اللہ نے پیدا فرمایا تمہیں اور جو تم بناتے ہو۔۔۔ اور اس میں اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے، لیکن بعض نافہم ایسے اقوال پر کفر کی لاٹھی ہاتھ میں لیے پھرتے ہیں اور تمام اولیاء اللہ سے برہم رہتے ہیں، یہ اُن کا اپنا قصور ہے کہ وہ اِس حقیقت سے واقف نہیں ہو سکے۔ معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیاء اللہ برحق ہیں، کیونکہ یہ عوام کے لیے اسبابِ ہدایت ہیں، جو بحکمِ الٰہی ظاہر ہوتے ہیں، انبیاء واولیاء تو فقط ایک مظہر ہیں۔

اِن طاعنین کی ایک جماعت ہے جس کی سمجھ میں ابھی خدا کے بندے کی شان ہی نہیں آئی، خداوندِ عالَم جل مجدہٗ کو کیا سمجھ سکیں گے۔ یہ اپنی جنگ سفیہانہ میں ہمیشہ الفاظ کی ہڈیوں اور معانی کے شور بے پر جھگڑا کرتے ہیں، اِس چیز پر غور نہیں کرتے کہ ان الفاظ کو جس کی دعوت کے لیے وضع کیا گیا ہے، وہ کون اور کیا ہے۔

اُن کو بھلا بدیں غرض معذور جانئے کہ یہ لوگ اس راہ کے رہرو ہی نہیں ہیں، تعجب تو اِس بات کا ہے کہ فی زمانہ اکثر مشہور درویش اور بعض نام نہاد درویشوں کے متبعین جن پر رہبانیت کا رنگ چڑھ

گیا ہے، ایک نئے فتنے میں پھنس گئے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ رویتِ بصری (یعنی بدنی چشم وظاہری آنکھ سے رویت ذاتِ باری تعالیٰ کے قائل ہوگئے ہیں۔ چنانچہ فقیر کے ایک دوست کو ایک مدعیِ معرفتِ الٰہی سے جو عارف بھی کہلاتا تھا اور تمام شرعی اصولوں کا منکر و تارک تھا، اِس مسئلہ میں گفتگو کرنے کا موقع ملا، اُس نے جہاں یہ دعویٰ کیا کہ میں نے سر کی ظاہری دو آنکھوں سے اپنے خدا کو دیکھا ہے، وہاں اُس نے اِس قول کی تشریح بھی ساتھ ہی کر دی کہ وہ ایک خوبصورت بچہ کی شکل میں تھا جس کے بال سنہری اور گھونگھر والے تھے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ کس قدر دیانت، امانت اور فقر و فقیری سے بعید ڈھکوسلہ ہے جس کو رویت تو درکنار رویت کے لفظ سے بھی دُور کا تعلق نہیں۔ اور درحقیقت یہ کیفیت مسائلِ شریعت وطریقت اور حقیقت و معرفت سے دُور رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ نہ الفقر فخری کی مدعی شان کا مطالعہ کیا، نہ اُس کے ارشادات کو پڑھا۔ اور نہ ہی دربارِ رسالت ﷺ سے کسی حق پرست کے ذریعہ رشتہ جوڑا۔ جس کا نتیجہ بصورتِ گمراہی یہ ظاہر ہوا کہ خدا بھی ۔۔۔ نعوذ باللہ من ذالک ۔۔۔ اِن مخبوط الحواسوں اور شوریدہ سروں کو لونڈوں کی شکل میں نظر آنے لگا۔ وہ ۔۔۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴿۶:۱۰۳﴾ ۔۔۔ کے ارشاد کو ایسے بھولے ہیں کہ بزرگانِ دین کے ابیات اور متقدمین کے اقوال کو بھی جو رویتِ قلبی کے شاہد تھے، ظاہری آنکھ کی دید پر محمول کرنے لگے، اور اِسی بنا پر سوابق اولوالعزم لوگوں کو اپنی خرافات کا گواہ سمجھ لیا۔

پھر اُن نام نہاد درویشوں میں ایک اور جماعت بھی ہے جو بالکل اُن کے برعکس جاتی ہے، یعنی یہ اس بات کے قائل کہ دُنیا پر ظاہر آنکھ سے خدا دیکھا جاسکتا ہے اور دوسرے اس کے بیان کنندہ کہ انسان اس کو کبھی بھی نہیں دیکھ سکتا اور نہ دیکھ سکے گا، نہ دُنیا میں اور نہ عقبیٰ میں۔ گویا دیدارِ باری تعالیٰ کے قطعی منکر۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ حقیقت سے قطعاً دُور ہیں اور ممکن ہے اِس عقیدۂ فاسدہ کی بنا پر دیدارِ الٰہی سے ہی محروم رہیں۔ رب العزت رحم فرمائے اور اِس نفسانی و شیطانی وسوسہ اور مخمصہ سے بچائے۔

فقیر کے استاد اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ، مستند الکل للکل، قبلہ مولانا الحاج احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بروزِ محشر رویتِ باری تعالیٰ کا عقیدہ رکھتے ہیں، یہ بتائیے کہ دیدارِ باری تعالیٰ کیوں کر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہم اِس کے قائل ہیں کہ ضرور ہوگا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیونکر ہوگا۔ ہاں! جب دیکھیں گے دکھا دیں گے۔ سبحان اللہ۔

بلند بخت ہیں، وہ ہستیاں جنہیں یہ شرف نصیب ہوا اور اُن کی روحانی سیر میں ابوابِ کرم ربانی وا ہوجائیں۔ لذات والطاف کی ایک جنت سامنے ہوا اور مشاہدۂ الٰہی میں مستغرق ہو کر حقیقی لطف و راحت کے حامل بنیں۔ آنکھیں ملاءِ اعلیٰ میں دیکھیں اور قلوبِ اشاراتِ الٰہیہ سے متاثر ہوں۔

وہ بھی ایک منظر ہوگا جب مولائے کل جناب سید الکونین ﷺ تمام مؤمنین کو لیے رب العالمین کی ذاتِ پاک کے سامنے ہوں گے اور رب کونین کی ذات بے پردہ محبوب کے سامنے ہوگی۔ مؤمنین کی آنکھوں پر سے پردے اُٹھادیئے جائیں گے۔ بالکل اُسی طرح جیسے اِس دُنیا میں ہم اِن محبوب آنکھوں سے چودھویں کے چاند (ایک آسمانی سیارہ) کو دیکھ سکتے ہیں، اِسی طرح اِن دو[۲] بے حجاب آنکھوں سے اکرم الاکرمین کی ذات بے حجاب کو دیکھیں گے۔ کیوں نہ ہو سید ولد آدم کا ارشاد جو ہمارے سامنے ہے:

والله انکم سترون ربکم کما ترون هٰذا القمر لیلة البدر لا تضامون فی رؤیته

میرے نقشِ قدم کو مشعل راہ سمجھنے والو! مجھے رب کی قسم ہے، تم بہت جلدی اُس دوسرے جہان میں پہنچ کر اپنے رب کی ذات کو دیکھو گے جس طرح اس آسمان پر چمکنے والے چاند کو چودھویں رات میں دیکھا کرتے ہو کہ تمہیں اُسے دیکھنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی

ربِ رحمت، اپنے رحمۃ للعالمین کے صدقے میں وہ منظر دکھائے کہ ہم رب کی ذات کے جلوے میں اِس طرح بے حجاب اور بے تکلف محو ہوں، ہمارے چہرے رونق سے کھل رہے ہوں اور رسول عربی کے فرمان پر ایمان نہ لانے والے مرجھائے ہوئے چہرے لے کر نظر زمین میں گاڑے کھڑے ہوں۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۷۵:۲۲-۲۳﴾

کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہیں اپنے رب کی طرف دیکھنے والے (معارف القرآن)

۔۔۔اللّٰھم احفظنا من وساوس الشیطان ونور قلوبنا بمحبة رسولک الامین

بہر کیف چونکہ یہ ہر کہ ومہ کے سمجھنے کی چیز نہیں، اِس لیے فقیر اتنی بحث میں ہی اکتفا کرتا ہے، اِس سے زیادہ خامہ فرسائی عبث ہے۔ درویش کو چاہیے کہ جس حیثیت میں ہو اتنا ہی کلام کرے۔ بساط سے بڑھ کر باتیں بنانا اور خود ساختہ وخود کاشتہ ولایت کے زعمِ باطل میں ۔۔۔ہمچو ما دیگرے نیست۔۔۔ کا وِرد کرنا نفس کا ایک کھلا فریب اور ایک بے پرواہ گمراہی ہے۔ العیاذ باللہ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿جام دہم۔۔۔اسرارِ نہانی﴾

وَاَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِیْ

اور مجھے اپنے اَزلی راز وقدیمی بھید پر آگاہ کیا

اور مجھے مامور فرمایا اور میری آرزو۔۔یا۔۔میرے سوال کو پورا فرمادیا

ہوگیا میں واقفِ اسرارِ حق عہدِ ازلی کا ہوا اَز بر سبق

آرزوئیں ہوگئیں پوری تمام میں نے جو مانگا وہ پایا لاکلام

ارشاد ہوا کہ مجھے رب العزت۔۔یا۔۔محبتِ الٰہی نے اپنے کرم وفضل اور سرکارِ انبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی طفیل رازِ قدیم پر آگاہ فرمایا، مطلع اور مامور کیا۔ مجھے اپنی غلامی میں قبولیت وفرمانبرداری کا قِلادہ پہنایا اور اپنا ہونے کا نشان دے کر عزوشرف بخشا۔ مجھے میری آرزو دے دی، اور میں نے جو مانگا اُس کی رحمت سے وافر حصہ پایا۔

یاد رہے کہ جس طرح قِلادہ گلے میں ڈالنے اور اس کے جسم پر رنگ لگانے۔۔یا۔۔نشان کرنے سے قربانی کا جانور پہچانا جاتا ہے، اِسی طرح سرکارِ بغداد بھی دیگر اولیاء اللہ سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ تقلید کے معنی دَر حقیقت گردن میں تمغۂ امتیاز ڈالنا ہوتا ہے۔ پھر جو انسان اپنے ظاہر کو وجودِ حقیقی کی طلب میں گم کردے اور فقر کے میدان میں چلے وہی مقلد ہے، طور پر اختیار کرنا ہی تقلید کہلاتا ہے۔

بعض نسخوں میں **اطلعنی** کی بجائے **اَوْقَفَنِی** لکھا ہے جس کے معنی ہیں کہ مجھ کو واقف کیا اور مجھ پر پوری طرح واضح ہوگیا۔

اب یہاں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ **سرِّ قدیم** سے مراد کیا ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اِس سے مراد ُرازِ وحدت الوجود' ہوسکتا ہے۔ یعنی مولا کریم نے مجھ پر ُوحدت الوجود' کے راز کو واضح فرمادیا کہ مجھ کو معلوم ہوگیا ہے کہ وہ ذات جس کے متعدد جلووں میں ظہور ہوا، خود آفتابِ حقیقی ہی تھی جس نے قلوب پر ضیا پاشی فرمائی اور اپنے جلوۂ بے حجابانہ سے گرما دیا۔ بعض اہل اللہ نے فرمایا کہ **سرِّ قدیم** سے مراد ُرتبۂ تکوین' بھی ہوسکتا ہے جو اولیاء اللہ کو متخلق با اخلاق اللہ ہونے کے بعد عطا ہوتا ہے۔ بعض نے لکھا کہ اس سے مراد ذاتِ نبی ﷺ ہے اور اس پر مطلع ہونا گویا حقیقتِ محمدی کا منکشف ہونا ہے جس کو ُجوہر

قدیم' فرمایا گیا ہے۔ بعض نے **سرِّ قدیم** کا ترجمہ یہاں پر 'وصول' کیا ہے۔ یعنی خدائے قدوس عز اسمہ کا رازِ پوشیدہ پر مطلع فرمانا اور۔۔۔ كُنتُ كَنزًا مَخفِيًا ۔۔۔ کا بھید سمجھانا۔ بعض صوفیاء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد عہد 'اَلَستُ بِرَبِّکُم' کی حقیقت اور اُس سے قبل کے زمانہ کے حالات سے مطلع ہو جانا ہے۔ اور بعض عارفانِ حقیقت نے یہ بھی بتایا ہے کہ **سرِّ قدیم** کا مطلب اِس شعر میں۔۔۔ اَلاِنسَانُ سِرِّی وَاَنَا سِرُّہٗ ۔۔۔ کا ارشاد ہے، یعنی اس ارشاد میں جو حقیقت پوشیدہ ہے اُس سے واقف کیا جانا۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سرکارِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ نے اِس شعر میں مدارجِ ولایت کو بالترتیب بیان کر کے اپنی اولوالعزمی کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ مثلاً: ابتدائی درجہ شریعت ہے اور شریعت کا مدار قرآن ہے اور قرآن کریم قدیم ہے۔ پس قرآن پاک کے نکات وبطون معنی اور علوم نہائی، پر مطلع ہونا **سرِّ قدیم** پر مطلع ہونا ہے۔ پھر قرآن کریم کی تقلید احکام کا رشتہ گردن میں ڈالنا، عزتِ حصول رضا وتسلیم ہے۔ پھر رضا وتسلیم کی منازل کو پانا اور راضی برضا ہو جانا مرتبہ' طریقت ہے۔ اس کے بعد جب تمام مرادیں حاصل ہو جائیں یہ حقیقت ہے، اور۔۔۔ اذا تم الفقر فهو الله ۔۔۔ کا نام معرفت۔ غرضیکہ **سر قدیم** میں ایسے ایسے اشارات ہیں کہ ہر اشارہ بجائے خود ایک راز کی حیثیت رکھتا ہے۔

لفظ **قلدنی** جس میں نیابت اور ولایتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت مراد ہے، یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خدمت ہمیشہ کے لیے آں **غوث اعظم** رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی ہے اور اُس بلند منصب کا نشان اپنے فضل وکرم سے اُن ہی کی گردن میں ڈال دیا ہے۔

ذات اوشایان درجہ ارتقاع   ازخود تو درود عالم صد شعاع

اور '**اعطانی سوالی**' سے مراد ہے بارگاہِ ایزدی سے اپنی ہر مطلوبہ شے کا پانا، اور خلعتِ اولوالعزمی کے ساتھ ہر مانگی ہوئی چیز سے سرفراز فرمایا جانا۔ بعض خاندان قادریہ کے درویشوں نے لکھا ہے کہ حضور نے بارگاہِ الٰہی میں درخواست کی تھی کہ میرے مریدین سے عذابِ دوزخ اُٹھا دیا جائے اور اُن پر آتش دوزخ حرام کر دی جائے، اِس دُعا کو شرفِ اجابت بخشا جانا ہی **اعطانی سوالی** کا ترجمہ ہے۔

فقیر کے نزدیک یہ روایت گو قابلِ تحقیق ہے تاہم ناممکن نہیں سمجھتا، لیکن یہاں پر یہ لکھے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ اگر کوئی ایسی دُعا مریدین باصفا کے لیے حضور نے طلب فرمائی ہے تو کیا اِس کی قبولیت وشمولیت کا اہل ہر وہ مرید ہو سکتا ہے جس کو صرف خوش اعتقادی سے مطلب اور ضرورت کی وقتی عقیدت ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ۔۔۔ حلوا خوردن زادوئے باید۔۔۔ **غوث الاعظم** رضی اللہ عنہ کی ارادت ومریدی بھی کارے دارد کا مضمون ہے۔ ہر بدعمل اور ہر شریعت وطریقت سے بھٹکا ہوا انسان اور راندۂ انسانیت اُس دربارِ عالی

کی نسبت صحیح نہیں پا سکتا۔

مرید وہ ہوتا ہے جو اپنے ارادہ کو چھوڑ کر اُس کو پیر کے ارادے کے ساتھ بدل دے اور خود اِس کے بعد اپنے اندر کوئی ارادہ قائم نہ کرے، کیونکہ مرید صادق ۔۔۔ المرید لا یرید بنفسه ۔۔۔ کے ماتحت ہی پاکیزہ زندگی گزار سکتا ہے، پس جو انسان اِس حقیقت ارادت و مشیخت کے ماتحت نہیں چلتا وہ مرید کہلانے کا مستحق نہیں، اور نہ ہی اپنی نسبت ایسے اولوالعزم شیخ سے کر سکتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا نام نامی واسم گرامی 'محی الدین' مشہور ہے جس کے معنی دین کے زندہ کرنے والے کے ہیں اور ہر چیز کی زندگی اُس کی تربیت میں ہوا کرتی ہے اور تربیت دو ۲ چیزوں پر موقوف ہے: ایک یہ کہ اس کے ضرر کو اس سے دُور کرنا، دوسرے یہ کہ اس کا منافع اس کو پہنچا دینا۔ کیا ایسے مرید کو معلوم ہے کہ دین محمدی کی مضرت کیا ہے، یہی اعمال قبیحہ اور اخلاق رذیلہ جن سے دین کو بچانا ہے بلکہ ان کو ایسا دُور کیا جائے کہ یہ سالک کے لیے ہمیشہ کے واسطے مجاب راہ نہ رہیں، کیونکہ اعمال قبیحہ و اخلاق رذیلہ جب تبدیل ہو جاتے ہیں تو انوارِ الٰہی ظہور کرتے ہیں، اور اگر اخلاق میں رذالت ہو تو اعمال بھی غبار آلودہ اور فحش ہو جاتے ہیں۔ پھر کیا ایسا مرید جو دین کے معاملہ میں بے دین اور بد اعمال واقع ہو، دین کے خلاف جا کر غوث محی الدین رضی اللہ عنہ کا مرید بن سکتا ہے اور کہلا سکتا ہے، ہرگز نہیں۔

مثل مشہور ہے کہ ایک جگہ چند درویش بیٹھے تھے، ایک نے پوچھا کہ بھائی ارادت کی تعریف کرو، مرید کیونکر مرید حقیقی کا درجہ پا سکتا ہے؟

۔۔۔ ایک درویش نے جواب دیا کہ ہر معاملہ میں اپنے ارادہ کو ترک کر دے اور شیخ کے ارادہ کو وارد کر لے۔

۔۔۔ دوسرے نے کہا کہ اتباع شیخ میں اپنی منزل تکلف کو نہ دیکھے۔

۔۔۔ تیسرا بولا کہ شیخ کے نقش قدم پر چل کر ہر وقت ہر قربانی کے لیے تیار رہے اور کسی حکم میں ڈگمگانے نہ پائے۔

۔۔۔ چوتھے صاحب بولے کہ اُس کی مرضی پر راضی رہے اور اپنی ہر تمنا سے کنارہ کش ہو کر اُس کے کسی حکم میں تنگ دلی کو جگہ نہ دے۔

۔۔۔ حضرت عبداللہ بن سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ بھی اُسی مجلس میں تشریف فرما تھے، فرمانے لگے یہ جوابات صحیح نہیں بلکہ ارادت کا حق یہ ہے کہ شیخ کی طرف سے میدان ابتلا میں جو بھی ایذا اُس کو پہنچے اُس میں لذت حاصل کرے۔

حکایت: ۔۔۔ ایک درویش باخدا سے کسی بے تکلف دوست نے سوال کیا کہ آپ کے اِس قدر مریدوں کی تعداد ہے، قیامت میں آپ ہر ایک کی ذمہ داری کو کیونکر سرانجام فرمائیں گے۔ آپ نے جواب میں

فرمایا کہ فلاں تاریخ۔۔یا۔فلاں دن کو آؤ، تم کو دکھا دیں گے۔ چنانچہ آپ نے یہ انتظام کیا کہ اپنے مکان کے اوپر کے حصے میں دو چار بکرے منگوا کر رکھ دیئے اور اپنے غلام کو کہا کہ جب میں نیچے سے کسی آدمی کو اوپر بھیجوں تو تم اُس کو بٹھا دینا اور خود اُن جانوروں سے ایک ذبح کر دینا جس کا خون اِس پرنالہ سے گلی میں نظر آئے، اسی طرح دوسرے اور تیسرے چوتھے آدمی کے اوپر آنے پر کرنا۔ اِدھر یہ انتظام کیا، اُدھر وہ دوست اور مریدین بھی آگئے۔ مکان کی نچلی منزل میں یہ مجلس تھی کہ ان کے دوست نے پھر یہی سوال کیا۔آپ نے اُس کے جواب میں مریدین کی جماعت کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: کون ہے جو آج اپنے آپ کو میرے کہنے پر اللہ کے لیے قربان کرے اور دین و دُنیا میں سرخرو اور کامیاب ہو جائے، مجھے چند ایسے مخلصین کی قربانی کی ضرورت ہے جو میری غلامی کو ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں۔ پھر کیا تھا، مجلس معتقدین پر ایک سناٹا چھا گیا۔ ہزاروں کی تعداد سے صرف ایک مرید نکلا جس نے اُس آواز پر لبیک کہا اور قربانی کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ حکم ہوا کہ اوپر چلے جاؤ، وہاں تم کو ذبح کیا جائے گا، چنانچہ وہ اوپر گیا تو غلام نے اُس کو جگہ دی اور خود ایک بکرا ذبح کر دیا جس کا خون نیچے والے تمام اہل مجلس نے دیکھا اور یقین کر لیا کہ وہ ذبح ہو گیا۔اب پھر شیخ نے پکارا، کوئی اور ہے جو اپنے آپ کو راہِ خدا میں قربانی کے لیے پیش کرے۔ پھر ایک شخص اُٹھا اور عرض کیا کہ میں حاضر ہوں، فرمایا: اُوپر چلے جاؤ، وہاں تم سے وہی سلوک ہوگا جو پہلے سے ہوا۔ چنانچہ وہ بھی اُوپر چلا گیا اور غلام نے اُس کے جانے پر بھی حسب ہدایت ایک بکرا ذبح کر کے اُس کا خون نالی میں بہا دیا، جو نیچے والے اہل محفل نے دیکھا۔اب تیسری بار آواز اُٹھی، کوئی ہے جو اپنے آپ کو اللہ قربان کرے، اب دیر تک کوئی نہ بولا، پھر ارشاد ہوا، کوئی میرا مرید مخلص ہے جو میرے حکم پر جان قربان کرے، اب دیر تک کوئی نہ بولا، ہزاروں کے مجمع سے ایک نحیف سی آواز آئی اور ایک شخص بہ ہزار تساہل اُٹھا اور کہنے لگا کہ مجھے حکم دیا جائے کہ میں اوپر جا کر قربان ہو جاؤں۔ حکم ہوا کہ جاؤ، مگر قدم نہ اٹھتا تھا مجبوراً پاؤں گھسیٹتے سیڑھیوں تک پہنچا اور جان دینے کے خوف سے سیڑھیوں سے گر گیا۔اُس کے بعد جتنی مرتبہ پکارا مریدین پر سکتہ کا عالَم تھا اور مجلس کی مجلس صدائے برنخاست کا نقشہ تھی۔ اُس درویش نے اوپر والے دوستوں کو اور تیسرا اُس کو جو سیڑھیوں میں گر گیا تھا، بلا لیا اور اپنے اُس دوست سے جس نے سوال کیا تھا، فرمانے لگے: یہاں یہ اڑھائی مرید ہیں، جن کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے، دو وہ جو کامل ہمت و ایمانی استقامت سے بہ ارادۂ قربانی مکان کے اوپر چلے گئے، اور آدھا یہ جو سیڑھیوں میں گر گیا۔ باقی سب مدعیان ارادت غرض پرست ہیں، نہ یہ اپنے فرائض میں پورے اُتریں گے نہ ہم پر اُن کی ذمہ داری عائد ہو۔

کیا پیرانِ عظام و بزرگانِ ذوی الاحترام کے ماننے والے اِس حکایت سے سبق حاصل کرنے کی سعی کریں گے؟ دَرحقیقت ارادت وعقیدت کی یہی سچی تعلیم ہے اور کوئی مرید بغیر اتباعِ کامل اپنے شیخ کے اور بغیر پیروی شریعتِ غرا کے مقصودِ حقیقی کو نہیں پا سکتا۔ جو درویش راہِ طریقت میں اس عمل کے بغیر مدعی ارادت ہوتا ہے، وہ کاذب ہے۔

جس مرید کا شیخ 'محی الدین' (دین کا زندہ کرنے والا) ہو اور مرید 'ماحی دین' (دین کا مٹانے والا) اور عملاً بھی ثابت کراتا ہو کہ دین شیخ سے کوسوں دُور ہے پھر اُس کا مرید کہلانا۔۔۔یا۔۔۔دعویٰ مریدی کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ فقیر کے پاس ایک شخص آیا جس کو دُنیا کی کوئی غرض نہ تھی، کہنے لگا: مجھے جو ارشاد ہو گا وظیفہ۔۔۔یا۔۔۔چلہ۔۔۔یا۔۔۔روزہ۔۔۔یا۔۔۔صدقہ۔۔۔یا۔۔۔کوئی اور محنت شاقہ تو بھی اس پر عمل کروں گا، مگر میرا کام ہو جانا چاہیے۔ مجھے بزرگانِ دین سے بڑی محبت ہے اور فلاں بزرگوں کا ملنے والا ہوں، آپ اِس مسئلہ میں میری للہ امداد فرمائیں۔

فقیر نے کہا کہ کسی محنت شاقہ، کسی وظیفہ، کسی چلہ کشی کی ضرورت نہیں، صرف ایک بات اور وہ بھی بڑی مختصر اور سہل کہتا ہوں، اگر آپ سچے ایمان دار ہیں تو اس پر عمل کرو، کام تمہارا اکیس [21] دن میں ہو جائے گا اور اگر نہ ہو تو فقیر کو پکڑ لینا۔ پھر تو وہ خوش ہو کر کہنے لگا: فرمایئے ضرور کروں گا۔ فقیر نے اُس سے تین [3] بار عہد لے لیا کہ کرو گے، کہنے لگا کروں گا۔ فقیر نے کہا کہ حضور ﷺ کی سنت سمجھ کر داڑھی رکھ لو اور آئندہ کے لیے نہ ترشوانے کا عہد کرو، تمہارے کام کی ذمہ داری فقیر لیتا ہے، وہ شخص اِس قدر سٹپٹا گیا جس کی حد نہیں رہی اور کہنے لگا کہ حضرت مجھے آپ اگر یہ فرما دیتے کہ آدھا قرآن ہر روز پڑھا کرو تو میرے لیے سہل تھا، مگر یہ داڑھی رکھنا بہت دشوار۔ فقیر نے کہا جس کا صدقہ کھاتے ہو، اُس کی نافرمانی کر کے کامیاب بھی رہنا چاہتے ہو، غیر ممکن ہے، جاؤ اور بھٹکتے پھرو۔ کیا ایسے انسان اپنے دعویٰ غلامی میں حق پر ہو سکتے ہیں۔ شعر:

ایں بود اسرار نامی مھی دین	ناتوانی یاب کام محی دین
ایں مرید شاہ محی الدین سرور	گر بر آئی از غرور نفس زور
نوکر شاہ آں بود کہ اسم شاہ	برتن ودل خویش دارد وبے کراہ
رومیاں راروم باشد نورِ جاں	کے کند زنگی وعادی رومیاں

تا توانی در شریعت گام زن
تا مرید محی دین باشی سمن

لقب:۔۔۔اوپر جو کچھ کہا گیا یہ تو حضرت محی الدین رضی اللہ عنہ کے اُس نام نہاد مرید کے لیے تھا جو ظاہر و باطن اور قول و فعل جداگانہ رکھتا ہے، اب یہ بھی دِل چاہتا ہے کہ خود محی الدین کے لقب 'محی الدین' کی ذرا وضاحت کر دوں تاکہ یہ پہلو بھی تاریکی میں نہ رہ جائے جس کے متعلق بعض معاندین اور جاہل بکواس کیا کرتے ہیں کہ یہ خوش عقیدہ مریدوں کی عطا کردہ ڈگری ہے، دَرحقیقت غوثِ بغداد ایسے نہ تھے۔

اِس کے متعلق کہ غوث الاعظم کی ذاتِ ستودہ صفات کیا تھی، نہ فقیر کے پاس قوتِ بیان اور نہ بتانے کو زبان ہے۔ کہاں سے وہ علم لاؤں جو اُس پیکرِ نور سے نقاب اُٹھاؤں اور کہاں سے وہ قلم حاصل کروں جو اُس حقیقت کو معرضِ تحریر میں لانا آسان سمجھوں۔ آپ کے علوِ مراتب اور محاسن و مکارم اتنے رفیع ہیں کہ اُن پر جتنا بھی لکھا جائے نفسِ عبارت کی تشنگی کم نہ ہوگی۔ جتنا کہا جائے گا اُتنا ہی کہنا باقی رہے گا۔ جس کو پوری دُنیائے اسلام محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی غوثِ یزدانی اور عارفِ صمدانی، بزرگ جیلانی کے نام سے پکار رہی ہے، اُس کے متعلق کیا اظہارِ خیال کیا جائے۔ ہاں! بہت بڑی ہستی تھے، بلند مرتبہ تھے۔ رفیع الشان تھے، ہدایتِ خلق، احیاءِ دین، اشاعتِ اسلام اور اصلاح مسلمین کے لیے پیدا ہوئے تھے۔

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں فرزندان اسلام اعتقادی حیثیت سے بہت زبوں صورت اختیار کر چکے تھے، اُن کی ساری مذہبیت ضعف و مداہنت کے بھنور میں پھنس گئی تھی، نئے نئے فرقے نئے نئے اعتقادوں اور نئے نئے ارادوں کو لے کر پیدا ہوتے اور پھیلتے چلے جاتے تھے۔ شیعہ و سنی کے جھگڑوں نے بے حد نازک صورت اختیار کر لی تھی۔ دُنیا پرستی، جاہ طلبی اور دُنیا نوازی کا جذبہ عام ہو رہا تھا۔ بغداد کی عظمتِ خلافت اور تاریخی اہمیت بہت کچھ مٹ گئی تھی، خلفاء کا اقتدار گو قائم تھا مگر بہت محدود ہو چکا تھا۔ مسلم کے ضعف و اضمحلال سے غیر مسلم طاقتیں پیدا ہو رہی تھیں اور ہر لحظہ اپنے قدم بڑھاتی چلی جاتی تھیں۔ ایسے گھٹاٹوپ ظلمت کدہ میں قدرتِ ایزدی سے حضور غوث الاعظم، قائدِ عالَم کی حیثیت سے دُنیا میں تشریف لائے، مخمورانِ غفلت کو جگایا، بھٹکتے ہوؤں کو امرت پلایا، جاہلوں کو پڑھایا اور مردہ دلوں کو جِلایا۔ سرکار مدینہ ﷺ کی ہدایت پر وہی کیا جو انبیاءِ بنی اسرائیل اپنے اپنے وقت میں کرتے چلے آئے تھے۔

زندہ کر ڈالے ہزاروں مردہ دل اک آن میں جلوہ گر جس دم ہوئے اہل جہاں میں محی دین

'محی الدین' اِسی لیے آپ کو کہا جاتا ہے کہ آپ نے دین کے جسم و جان میں نئی روح پھونکی اور اُس آخری سانس لیتی ہوئی نعش کو قوت اور توانائی بخش کر کھڑا کر دیا۔

ایک مرتبہ کسی سائل نے آپ سے سوال کیا کہ 'محی الدین' آپ کو کیوں کہا جاتا ہے اور یہ لقب

صرف آپ کے لیے کب اور کیونکر شروع ہوا۔ آپ نے اُس سے فرمایا۔۔۔ کہ مجھے اور تو کچھ علم نہیں، صرف اتنا یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ گھر سے نکل کر باہر سیر کے لیے جنگل کی طرف جارہا تھا کہ ایک سنسان مقام پر راستے میں مجھے ایک شخص ملا جس کی قوتیں اُس کو جواب دے چکی تھیں اور وہ شدتِ ضعف کے باعث اپنے قدموں پر کھڑا ابھی نہ ہوسکتا تھا۔ نہایت کمزور ونحیف نظر آتا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بڑی منت کے ساتھ اپنے پاس بلایا اور استدعا کی کہ میری دستگیری فرمایئے، میں بہت بیچارہ ونزار ہو چکا ہوں، مجھے اس کی منت درازی پر رحم آگیا، میں اُس کی طرف بڑھا اور اُس کی صحت کے لیے کچھ پڑھ کر اُس پر پھونکا۔ میرے دم کرتے ہی اُس کی تمام لاغریاں اور کمزوریاں آن واحد میں معدوم ہوگئیں اور ایک توانا وچاق وچوبند صورت میں منتقل ہوکر بولا۔۔۔

غوثِ اعظم آپ نے یہ کرم فرمائی تو کی کہ مجھے اَز سرِنو صحت وزندگی عطا فرمائی، لیکن کیا آپ مجھے جانتے بھی ہیں کہ میں کون ہوں؟ میں آپ کے نانا پاک تاجدارِ کائنات مختارِ شش جہات محمد رسول اللہ ﷺ کا دین ہوں اور میرا نام اسلام ہے، خدا کی بے راہرو مخلوق کے فسق وفجور اور گناہ ومعاصی نے میری یہ حالت کردی ہے جس سے آپ نے مجھے نجات دلائی، واقعی آپ دین اسلام کے مجدد اعظم، مصلح اکبر اور محی الدین ہیں۔

یہ کہا اور میری آنکھوں سے فوراً غائب ہوگیا۔ میں اُسی حیرت واستعجاب سے شہر کی جانب رخ کر کے چل دیا۔ ابھی راستے میں ہی تھا کہ اور ایک شخص تن برہنہ دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے میرے پاس پہنچ کر تین ۳ بار بلند آواز سے 'سیدی محی الدین' کے نعرے لگائے اور نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ بغداد گیا، وہاں دو ۲ رکعت نماز پڑھی، سلام پھیرا تو دونوں جانب سے محی الدین! محی الدین! کہتی ہوئی مخلوق مجھ پر جمع ہونے لگی، حالانکہ اِس سے قبل میں نے کبھی کسی کو اِس خطاب سے پکارتے نہ سنا تھا۔

چند گوئم وصف آں شہباز دین — آنکہ دین رازندہ کردہ بالیقین

جانہا از پر پروازش شکار — عالمے از فیض او دار وبہار

در زمین اومحی دین دار ولقب — در ملائک نور عظمیٰ، خوش نسب

ملاء اعلیٰ باز اشہب نام او — غوث اعظم نزد قرب حق سنو

گویداز عشق سر دنیا ودین
ایں قلندر محی الدین محی دین

جام یازدہم ۔۔۔ اختیارات حکمرانی

وَوَلَّانِیْ عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا وَحُکْمِیْ نَافِذٌ فِیْ کُلِّ حَالٖ

مجھے تمام قطبوں پر مختار و حاکم بنادیا
اور میرا حکم ہر حال میں نافذ و جاری و ساری ہے

ہوگیا اقطاب کا میں حکمران زیر فرمان ہیں مرے سب بے گمان
حکم جاری ہے مرا سب کے تیئں ہر زمان وہر مکان میں بالیقین

اظہارِ اختیارات میں لب کشائی ہوتی ہے کہ مجھے تمام اقطاب پر حکومت تفویض فرمائی ۔۔یا۔۔ تمام قطبوں کو میری سپردگی میں دے دیا گیا ہے۔ گویا میں اُن کا مختار و حاکم ہوں اور میرا حکم اُن پر ہر حال میں نافذ و جاری ہے۔ اُن کی ابتداء وانتہا حیات و ممات اور قبض وبسط خواہ وہ مشرق میں ہوں ۔۔یا۔۔ مغرب میں، شمال میں ہوں ۔۔یا۔۔ جنوب میں، قریب ہوں ۔۔یا۔۔ بعید، حاضر ہوں ۔۔یا۔۔ غائب، میرے تصرف میں ہے۔ وذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

یہاں پر سرکار بغداد غوث الاعظم میراں محی الدین رضی اللہ عنہ کے اِس فرمانِ عالی میں یہ اشارہ ہے کہ خدمت کا کام مجھے عطا فرمانے کے بعد مجھ کو نافذ الحکم بھی بنادیا، کیونکہ کسی کے ذمہ اگر کوئی خدمت ڈالی جائے تو وہ اُس خدمت کے متعلق اپنے ماتحتوں میں حکم جاری کرسکتا ہے، اس لیے کہ 'سید القوم، خادم القوم' ہی کہلاتا ہے اور اگر وہ اپنی سیادت و سرداری میں احکام جاری نہ کرسکے تو یہ بات نہایت غیر موزوں اور بے معنی ہوگی۔ جیسے یہ کہہ دیا جائے فلاں زمانہ میں ایک بادشاہ تھا، وہ بڑا غریب اور مفلس تھا۔ پس یہ خدمتِ غلامانہ نہیں، بلکہ شاہانہ ہے اور نفاذ حکم ہی بمعنی خدمت ہے ۔۔نیز۔۔ یہ کہ جب قطبوں پر حکومت دی گئی ہے تو عوام بھی اُس میں داخل ہوں گے، کیونکہ تمام جہان تصرف اقطاب میں ہوتا ہے، جیسے کہ دیوبندی جماعت کے بڑے مایہ ناز بزرگ محمد اسماعیل دہلوی بھی اِس اقرار کے بغیر نہ رہ سکے۔ گو اُن کی جماعت آج اُس بلندئ درجہ کی منکر نظر آتی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

ہمچنیں اصحاب ایں مراتب عالیہ وارباب ایں مناصب رفیعہ ماذون مطلق در تصرف عالم مثال وشہادت مے باشند، ایں کبار اولی الایدی والابصار را میرسد۔

کہ تمام کلیات رابسوئے خود نسبت نمایند مثلاً: ایشانرا امیر سد کہ بگوتید از عرش تا فرش، سلطنت ماست۔

یعنی اولیائے کرام و بزرگان عظام کو یہ استحقاق حاصل ہے کہ وہ یہ فرمادیں کہ عرش سے لے کر فرش تک ہماری ہی بادشاہی ہے، کیونکہ ان کو تمام جہان اور جہانیوں پر تصرف حاصل ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بزرگان دین کے اُن مدارج کی تشریح بھی کردی جائے جن سے وہ خاص و عام کے نزدیک پکارے جاتے ہیں تاکہ اس میدان کے چلنے والوں کے لیے موجب تمیز بن سکے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ ایک وہ ہستی جو غوث کی حیثیت سے زمانہ میں ممتاز ہوتی ہے، اُس کی بلندی اور تصرف کہاں تک ہوتا ہے اور کیا وہ کچھ اپنے اختیاراتِ خصوصی سے کسی کے سلب و جلب اور نفع وضرر و قبض و بسط میں دخیل ہونے کی قوت من جانب اللہ رکھتی ہے۔۔۔یا۔۔نہیں۔

پس اس جماعتِ واصلین کے مندرجہ ذیل مراتب ہیں: افراد، اقطاب، اوتاد، ابدال، نجباء، نقباء، وغیرہم۔

افراد:۔۔۔ اُس جماعت کا نام ہے جو قطبِ زمانہ کے دائرہ تصرف سے باہر ہوتی ہے، کیونکہ افراد، ملائکہ کے ظل ہیں اور ملائکہ تصرف ارضی سے بالاتر ہوتے ہیں۔

اقطاب:۔۔۔ وہ ہیں جو مدارِ وجودِ خلائق اور شہودِ حقائق ہیں، جیسا کہ فلکیات کے مرکز۔ قطب صرف انتظام امورِ عالَم کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح اصطلاحِ تصوف میں قطب بھی صاحب مقام مخدع ہے۔ پھر قطب ایک زمانہ میں کئی ہوتے ہیں، جو قطب الاقطاب کے ماتحت ہوتے ہیں جس کی تعریف کتب تصوف میں یوں آتی ہے:

هُوَ بَاطِنُ نُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَلَا يَكُوْنُ اِلَّا لِوَرَثَتِهٖ لِاخْتِصَاصِهٖ بِالْاَكْمَلِيَّةِ فَلَا يَكُوْنُ خَاتِمُ الْوَلَايَةِ وَقُطْبِ الْاَقْطَابِ اِلَّا عَلٰى بَاطِنِ خَاتِمُ النُّبُوَّةَ

یعنی قطبیت نبوتِ محمدی کا باطن ہے، پس نہیں حاصل ہوتی مگر اُس کے ورثا کے لیے، کیونکہ حقیقی کمال اُن کے لیے مختص ہے۔ پس خاتم الولایت اور قطب الاقطاب سوائے باطن خاتم النبوت کے نہیں ہوسکتا

پھر قطب ایک زمانہ میں کئی ہوتے ہیں اور قطب الاقطاب۔۔۔یا۔۔۔غوث (جس سے مراد درجہ قطبیتِ کبریٰ ہے) صرف ایک ہوتا ہے، پھر اقطاب کے مختلف مدارج ہیں، مثلاً:

قطبِ ارشاد:۔۔۔ یہ ولی اللہ آسیائے ہدایت کا مدار ہوتا ہے جس سے عصیان وطغیان اور کفر وضلالت کی تاریکیاں دُور ہو جاتی ہیں۔

قطبِ اوتاد:۔۔۔ اوتاد جمع 'وتد' کی ہے اور 'وتد' عربی میں 'میخ' کو کہتے ہیں، جس طرح میخ کسی چیز کے قائم رہنے کی ضامن ہوتی ہے، اِسی طرح قطب الاوتاد جہان کا ضامن ہوتا ہے، گویا اِس طبقہ کا ہر ایک فرد ایک میخ ہے جس کے ساتھ زمین وآسمان، بحر وبر، شجر وحجر، چرند وپرند وابستہ ہیں۔ جب کوئی قطب دُنیا سے سفر کر جائے یعنی انتقال فرمائے تو اوتاد سے ان کی جگہ پُر کی جاتی ہے۔

قطبِ ابدال:۔۔۔ یہ اولیاء اللہ اُس طبقہ سے متعلق ہوتے ہیں، جن کو دن بدن ترقیِ مدارج درجۂ کمال تک ہوتی رہتی ہے، ان کو ابدال اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک کے مرنے پر دوسرا اُس کا بدل بن کر کھڑا ہو جاتا ہے، اسی طبقہ کے توسل سے بارش کی دُعا مانگی جاتی ہے اور یہ جماعت ہمیشہ چالیس [۴۰] اولیاء اللہ پر مشتمل ہوتی ہے۔

نجبا:۔۔۔ یہ بھی چالیس [۴۰] اولیاء اللہ کی ایک جماعت ہوتی ہے جس سے 'قطب ابدال' بنائے جاتے ہیں۔

نقبا:۔۔۔ یہ جماعت تین [۳۰۰] سو اولیاء اللہ پر مشتمل ہوتی ہے جو عام مقامات میں کام کرتے ہیں۔

سیدنا غوث الاعظم چونکہ 'قطب الاقطاب' ہیں، اِس لیے اس شعر میں اپنے مدارجِ متصرفہ کا اظہار فرماتے ہیں۔ ایک ولی جو **ولانی** سے سمجھا جائے۔ دوم قطب الاقطاب جو کہ **ولانی علی الاقطاب جمعاً** سے ظاہر ہوتا ہے۔ سوم حاکم، جو محکمی سے مفہوم ہوتا ہے اور مخدوم کہ وہ بھی اسی میں مضمر ہے اور نائب مطلق جو اس تمام مصرعہ کا مشار الیہ ہے، پس چونکہ حضور سرور کائنات ﷺ مفخر موجودات کی نبوت تا قیامت باقی رہے گی، اس لیے اُن کی نیابت۔۔۔یا۔۔ باطن نبوت کا بھی اُسی کمال سے تا قیامت باقی رہنا لازم ہے۔ حضور غوث الاعظم ایک اور قصیدہ میں فرماتے ہیں، شعر:

اَفَلَتْ شُمُوسُ الْاَوَّلِیْنَ دَشَمْسُنَا اَبداً عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

۔۔۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ۔۔۔ آفتاب دیگراں کروہ غروب، آفتاب ما بود دائم شہوب۔

۔۔۔ اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی روشنی ایک مداومت رکھتی ہے جو ہر زمانہ میں اولیاء اللہ تک پہنچتی رہے گی۔ اس میں ظاہری زندگی شرط نہیں۔ جو لوگ اس کو زمانہء حیات کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں، اُن کو لفظ **کُل حال** کی ندا کو سمجھنا چاہیے۔

۔۔ نیز۔۔ لفظ **جمعًا** سے اِس راز کی جانب اشارہ ہے کہ آپ 'جامع الولایات' ہیں اور ہر ولی پر آپ کا حق غوثیت ہے۔ کیونکہ آپ کا حال اور وقت ہر ولی کے حال اور وقت کا والی ہے۔ گویا ہر ولی ہر رتبہ میں

حضور ہی کے مرتبہ سے فیض یاب ہوتا ہے اور یہ غیر ممکن نہیں کیونکہ کراماتِ اولیاء اللہ بعد موت کے بھی ثابت ہیں۔

حضرت علامہ شیخ احمد حموی حنفی نے اِس پر ایک رسالہ ۔۔۔نفحات القرب والاتصال باثبات التصرف لاولیاء اللہ والکرامۃ بعد الانتقال ۔۔۔لکھا ہے۔اور فرماتے ہیں کہ جمیع مذاہب کے اہلِ تحقیق کا اتفاق اِسی پر ہے کہ تصرفاتِ اولیاء اللہ اُن کی زندگی میں اُن کی کرامات سے ہیں۔رہے تصرفات بعد موت، وہ بھی حکم اللہ سے ہوتے ہیں اور انہی تصرفات کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو بزرگی دی ہے، اور یہ کبھی بطورِ الہام کے اور کبھی بوجہ اُن کی دُعا کے اور کبھی اُن کے اختیار سے اور کبھی بغیر اُن کے اختیار اور قصد کے ظاہر ہوتے ہیں۔اِس پر برمادی نے اپنے 'رسالہ دلائل الواضحات' میں یوں لکھا ہے۔۔۔ کہ ہرگاہ مرجع کرامات اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جانب ہے۔۔۔تو ایسی حالت میں اولیاء اللہ کی حیات وممات میں فرق نہیں۔اس واسطے کہ خالق اُن کا خدا ہے اور اپنے اولیاء کے ہاتھ سے اس لیے جاری کراتا ہے تاکہ اُن کو بزرگی حاصل ہو۔۔نیز۔۔علماءِ اسلام اِس بات پر متفق ہیں کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کے معجزات غیر منحصر ہیں، کچھ اُن میں سے اللہ تعالیٰ جاری کر چکا ہے اور کچھ اِس امت کے اولیاء اللہ کے ذریعہ سے بطورِ کرامت کے زندگی میں اور بعد موت کے قیامت تک جاری کرے گا، اور یہ امر ایسا ہے کہ جس کا حصر غیر ممکن ہے۔

پس تحقیق کراماتِ اولیاء اللہ بھی نبی ﷺ کے معجزات سے ایک معجزہ ہے، جو حضور کی دُنیا سے تشریفِ بری کے بعد بھی باقی ہے اور ہر زمانہ میں ہر وقت قیامت تک اُن کی صحتِ نبوت پر دلالت کرے گا۔جیسا کہ شیخ الاسلام بن شحنہ حنفی اور شیخ عبدالباقی مقدسی اور شیخ احمد غنیمی اور ابن صلح رحمہم اللہ نے لکھا ہے۔

اللہ کریم ہر مسلمان کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ امتِ محمد رسول اللہ ﷺ میں پیدا ہو کر اپنی شان اور بزرگان دینِ مبین کی شان بلند کو سمجھ سکے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام دوازدہم۔۔۔تصرف کن فکانی

فَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ بِحَارٍ لَصَارَ الْکُلُّ غَوْرًا فِی الزَّوَالِیْ

پس اگر میں اپنے بھید کو دریاؤں (سمندروں) پر ڈال دوں
تو وہ تمام دریا خشک ہو کر زوال پذیر ہو جائیں

میں اگر ڈالوں یہ دریاؤں پہ راز جس نے مجھ کو کر دیا ہے شاہباز
خشک ہو جائیں وہ سارے سربسر اور اک قطرہ نہ پائیں پُرحذر

ارشاد ہوتا ہے کہ میں اپنے رازِ الٰہی (جو صرف مجھ ہی کو حاصل ہے)۔۔یا۔۔اپنے کمال کے پَرتو یعنی توجہ۔۔یا۔۔ اُس طاقتِ خداداد کو (جو صرف میرے ہی لیے ودیعت فرمائی گئی ہے) دریاؤں پر ڈال دوں تو ان سب کا پانی زمین میں معدوم و خشک ہو جائے، کیونکہ میرے رازِ باطنی کے انوار اِس قدر شعلہ زن ہیں کہ دریا بھی باوجود اپنی کثرتِ آب کے اُن شعلوں کی قوتِ برداشت نہیں رکھتے۔اور یہ دعویٰ کوئی بعید از قیاس نہیں۔راز بھی بہت بڑی چیز ہے جس کے اُٹھانے پہ ارشادِ قرآن۔۔۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲:۳۳﴾

زمینوں پہاڑوں آسمانوں غرضیکہ کل کائنات نے اِنکار کر دیا تھا جس کو صرف انسان نے اُٹھایا کیونکہ اُس کا قیام صرف اسی کے سینہ میں ہو سکتا تھا

۔۔نیز۔۔اِس دوسری آیت میں بھی اسی جانب اشارہ ہے۔۔۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ﴿۲۱:۵۹﴾

اگر ہم اس قرآن کریم کو جو ہمارا راز ہے، پہاڑوں پر نازل فرماتے تو اَے محبوب! آپ دیکھتے کہ وہ خشیتِ الٰہی سے ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو کر گر جاتے

گویا دریا کا خشک کر دینا۔۔یا۔۔ اُس پر تصرف کرنا اولیاء اللہ کے لیے کوئی اچنبہ نہیں، بلکہ اُن کی حیثیت میں داخل ہے کہ وہ ایسا کر سکنے کی قدرت رکھتے ہیں۔سرکار غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی شان تو بڑی بلند ہے۔عام اولوالعزمانِ ملت بعض اوقات وہ کچھ کر گزرتے ہیں جن پر فضیلت و شرافتِ انسانیہ سے

ناواقف انسانوں کو سخت تعجب ہوتا ہے، حالانکہ یہ جائے تعجب نہیں۔ جس قدر کسی کا خداوندِ عالم جل مجدہ سے تعلق ہوتا ہے، اُسی قدر اُس پر انعاماتِ ایزدی اور اُسی قدر اُس میں یہ قوتیں ودیعت ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامی اپنی ایک نعت میں لکھتے ہیں:

قطرہ در دِ دل جامی بدریا افگنی سینہ سوزاں دل تپاں ماہی زآب آید بروں

۔۔۔یعنی اگر جامی کے دردِ دل کا ایک قطرہ تُو دریا میں ڈال دے تو مچھلیاں بھنی ہوئی اور جلی ہوئی پانی سے باہر آجائیں۔

گویا دریاؤں پر تصرف بندگان خدا کی قوت کے مقابلے میں کوئی بڑی چیز نہیں ہے، چنانچہ ایک تاریخی روایت میں آتا ہے کہ رسول خدا ﷺ کی فوجوں کے مشہور ترین جرنیل حضرت خالد بن ولید (جن کو سیف اللہ کا خطاب تھا)، رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنی اسلامی فوج سمیت دریا عبور کر رہے تھے کہ ایک عسکری کا لکڑی کا ستو پینے والا پیالہ دریا میں بہہ گیا، وہ سپاہی قطار کو توڑ کر پیالہ کے پیچھے جاتا تھا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اُس سے پوچھا کہ کیا کرتا ہے، اُس نے عرض کیا کہ پیالہ پانی میں بہہ گیا ہے، اُس کو حاصل کرنے کی سعی کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم اپنے ہمراہیوں سمیت دریا سے باہر نکل آؤ، پیالہ میں خود دریا سے وصول کرلوں گا۔ چنانچہ وہ سپاہی نکل آیا تو آپ نے دریا کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا: اَے دریا! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ فوج غلامانِ رسول ﷺ کی ہے، اگر اِن کا پیالہ تجھ میں ضائع ہو گیا تو قیامت کے دن بھی تجھ سے وصول کرلیا جائے گا۔ یہ آواز پہنچی تو پانی میں ایک چکر آیا جس نے ڈوبے ہوئے پیالے کو تہ سے اُٹھا کر باہر کنارے پر پھینک دیا۔

ایسے ہی وہ قصہ ہے جو دریائے نیل سے خلیفۃ المؤمنین عدل مجسم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیش آیا۔ دریا کا سال بسال پانی رک جایا کرتا تھا، لوگوں کو تکلیف ہوتی، پانی نہ ملتا، تو ہر سال ایک نوجوان لڑکی کو ہار سنگار کر کے دریا کی بھینٹ چڑھاتے اور نذرانہ اَدا کرتے، تو پھر دریا جاری ہوتا۔ یہ انسانی قربانی انسانیت پر ظلم تھا، مگر جب مصر پر مسلمانوں کا اقتدار ہوا اور حاکمِ اعلیٰ مصر نے دیکھا کہ یہ ظلم ہو رہا ہے، تو آپ نے لوگوں کو منع فرمایا کہ تاحکمِ خلیفۃ المؤمنین کچھ نہ کیا جائے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حال لکھا۔ حضور نے اُس کے جواب میں دریا کے نام مدینہ منورہ سے ہی ایک رقعہ لکھ بھیجا جس کا مضمون تھا کہ اَے دریا! اگر تُو خدا کے حکم سے جاری ہے تو تجھے خدا کی مخلوق کو ستانے کا کوئی حق نہیں اور اگر اپنی مرضی سے جاری ہے تو تیری مرضی کو درست کرنے کے لیے عمر کا درّہ کافی ہے۔ یہ رقعہ لکھا تو حاکم مصر کو بھیج دیا اور ساتھ ہی فرما بھیجا کہ یہ میرا رقعہ دریا کے کنارے پر پڑھ کر دریا میں ڈال دو۔ اور اگر جاری نہ ہو تو مجھے

فوراً اطلاع کرو، چنانچہ ایسا کیا گیا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اُس وقت سے دریائے نیل جوں جاری ہوا ہے، پھر آج تک بند نہیں ہوا۔ یہ کیا تھا؟

اُسی راز کی رازداری کا اثر جس کا ذکر غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں، حضرت سعدی نے لکھا ہے کہ میں اور میرا ایک دوست ہم سفر تھے، اتفاق سے راستہ میں دریا آ گیا، کشتی کے ذریعہ عبور کرنا چاہا، ملاحوں نے پیسے مانگے، میرے پاس اپنے لیے تھے میں نے دے دیے، اور سوار ہو گیا مگر وہ میرا دوست رہ گیا، کیونکہ اُس کے پاس کچھ نہ تھا۔ کشتی اُس کو چھوڑ کر روانہ ہو گئی اور مجھے اُس کے پیچھے رہ جانے کا بے حد ملال ہوا۔ لیکن میرے تعجب کی حد نہ رہی جب میں نے اُس کو اگلے کنارے پر پہنچ کر نماز پڑھتے ہوئے پایا، میں نے اُس سے پوچھا کہ تم کیونکر پہنچے اور پھر مجھ سے بھی پہلے، تو کہنے لگا: مصرعہ:

ترا کشتی آورد و مارا خدا

جب کمالِ تصرف عام درویشوں کا دیکھا جاتا ہے تو غوثیت وصحابیت کے انوارِ رازداری تو نہایت وراء الوراء ہیں۔ کیا موسیٰ علیہ السلام کا دریاو بحر کو پھاڑنا اور عبور کرنا یاد ہے۔ اگر ہے تو غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا دعوائے راز اور دریاؤں کو خشک کر دینے کا ارشاد اُسی راز کی ایک کڑی ہے، کیونکہ سرکارِ مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے، جس سے خارق عادات افعال ایسے ہی سرزد ہوتے ہیں، جیسے اُس نبی علیہ السلام سے ہوئے جس کے یہ قدم پر ہو۔ اور انتظام وقیامِ عالَم سب انہیں محبوبانِ خدا کے وجود باجود سے وابستہ ہے اور انتظام وتصرفاتِ کونیہ کے لیے اُن کو ذریعہ بنایا گیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لن تخلوا الارض من ثلثین مثل ابراھیم خلیل الرحمن بھم تقاتلون وبھم ترزقون وبھم تمطرون

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین اللہ کے تیس مقبولوں سے خالی نہ ہوگی، جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی مانند ہوں گے کہ انہیں کی بدولت تم کو جنگوں میں فتح ونصرت ملتی ہے اور انہیں کی وجہ سے تم رزق دیے جاتے ہو اور انہی کے باعث تم مینہ برسائے جاتے ہو

بات دُور نکل گئی۔ غرض یہ تھی کہ کسی اللہ کے بندے کی نظر قہر سے دریاؤں کا خشک ہو جانا کوئی قابل تعجب چیز نہیں، یہ سب کچھ خدا کی قدرت میں ہے، جس بندے سے چاہے اُسے نواز کر اپنی طاقتوں کا اظہار کروائے۔ اِس قصیدہ میں چار ۴ شعر ایسے ہیں جو کلمہ لَو سے شروع ہوتے ہیں جو اکثر فرضیات

میں مستعمل ہوتا ہے اور جس میں یہ اشارہ ہے کہ باوجود اِس امر کے کہ جناب کو بہت بلند درجہ حاصل ہے، آپ کسی پر عتاب نہیں فرماتے، اور اگر کوئی بے ڈھب انسان کسی وجہ سے آپ کے قہر میں مبتلا ہو جائے تو یہ اُس کا اپنا قصور ہے۔

یہاں **'بحار'** سے مراد اگر ظاہری **'بحار'** ہوں تو مطلب صاف ہے اور اگر اس سے مراد 'بحارِ باطن' (اولیاء اللہ) لیے جائیں تو یہ بھی بیان سابق کے عین مطابق ہے اور لفظ **'القاء'** کے فرمانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ایسے کام کے لیے کسی خاص توجہ کی ضرورت نہیں پڑتی اور یہ سب کام آنحضور کے نزدیک بے حد سہل الوقوع ہیں۔

لفظ کل کے اشارہ سے پایا جاتا ہے کہ آنجناب کا معمولی سا رنج بھی بڑے بڑے امور کی تباہی کا باعث ہوسکتا ہے۔ جس میں تمام **بحار**۔۔یا۔۔تمام بحار کا پانی ذکر کرنا مقصود ہے۔ پھر **غوراً** فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ کسی بزرگ کی چھوٹی سی ناراضی بہتے ہوئے دریاؤں کا پانی اِس طرح دریا کی تہ میں معدوم و خشک کر سکتی ہے جیسے کہ کبھی تھا ہی نہیں، **'غوراً'** کا مطلب دریا کی زمین نہیں بلکہ اس کی سب سے نچلی تہ مراد ہے، جس سے دوبارہ پانی کا اوپر لانا دشوار ہو اور پانی کا سطح دریا پر نام ونشان نہ رہے، شعر:

زقہر محی دین دریا چو آتش   زہے ذاتش زہے اسرار ذاتش

بحار سے مراد 'اولیاء اللہ' کا بھی بعض حضرات نے ترجمہ کیا ہے، کیونکہ جو غرض **بحار** کے پانی سے ہوتی ہے وہی فوائد معنوی لحاظ سے 'اولیاء اللہ' سے مخلوق کو حاصل ہوتے ہیں، مثلاً: دریا کا پانی خود پاک اور پاک کنندہ ہوتا ہے۔ اُس کی وسعت کی بنا پر اس پر طاہر ومطہر کا حکم دیا جاتا ہے۔ ہر چیز کی زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔ دریا امر الٰہی کے ماتحت والہانہ طور پر جاری وساری ہیں۔ جن کی روانی میں اُن کا دخل نہیں، ہر چند خاک پر جاری ہوتے ہیں، مگر عجز کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے، فرقتِ مقامی میں۔۔۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ﴿۶۲:۱﴾۔۔۔ کے ماتحت ذکر الٰہی جہر کرتے ہوئے اور نعرے مارتے ہوئے چلتے ہیں، مگر ذاتی دعوے نہیں رکھتے۔ یہی وہ اوصاف ہیں جن سے سالکان راہ بھی متصف ہوتے ہیں۔ لیکن اگر حضور غوثِ الاعظم اُن پر بھی اپنا رازِ باطنی ڈال دیں تو اُن کی روانی میں بندش اور اُن کی روحانی زندگی میں ایسی پیوست پیدا ہو جائے کہ نہ وہ خود چل سکیں اور نہ کسی دوسرے کو چلا سکیں، کیونکہ کسی ولی اللہ کے حال کا سلب ہونا اُس کو کہیں کا بھی نہیں رکھتا۔

غوثِ اعظم رحمت وفیض الٰہ   کرو جاری سربائے دلربا

جام سیزدہم۔۔۔فخر سرعرفانی

وَلَوْ اَلْقَيْتُ سِرِّىْ فِىْ جِبَالٍ لَدُكَّتْ وَاخْتَفَتْ بَيْنَ الرِّمَالِ

اور اگر میں اپنے ظاہری اور باطنی راز کو پہاڑوں پر ڈالوں
تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور ریگستان میں مل جائیں

اور گر ڈالوں میں ان اسرار کو دیکھ کر اک سخت جال کوہسار کو
پارہ پارہ ہو کے مٹ جائیں ضرور بیچ ریگستان کے مانند طور

جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا کہ یہ چار ۴ شعر ایسے ہیں جو لَو کے لفظ سے شروع ہوتے ہیں جن کا مطلب مشروط ہے، یعنی اگر میں ایسا کروں تو یہ ہو جائے۔ چنانچہ پہلے شعر میں اپنے سرِّ الٰہی کے جذبہ کا یوں اظہار فرمایا۔۔۔ کہ اگر اُس سرِّ خداوندی کو میں دریاؤں پر ڈالوں تو وہ اس حقیقت کے حامل نہ ہوتے ہوئے کالعدم ہو جائیں اور ان کا پانی ایسا زیر زمین ہو جائے کہ گویا یہ دریا کبھی جاری ہی نہ تھے، جس کی مختصر تشریح گزر چکی ہے۔

اب اِس شعر میں پہاڑوں کے 'عدم تحمل راز' اور 'ریزہ ریزہ ہو کر ریگستان میں مل جانے' کا اشارہ فرمایا ہے، گویا وہ دردِ عشق۔۔یا۔۔میرے قہر کے صدمات سے ایسے متاثر ہوں کہ ریت کے ذروں میں مل جائیں اور۔۔۔ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْش ۔۔۔ ہو جائیں۔ گویا انسان ہی اس راستہ میں ایک برگزیدہ ہستی ہے جو 'سرِّ الٰہی' کی حامل ہو سکتی ہے، ورنہ دوسری تمام کائنات اس کی اہلیت نہیں رکھتی۔ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔۔۔ کہ اَے میرے محبوب! اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کیا ہوتا اور اُس کو بھی شعور ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ خدا کے ڈر سے جھک گیا ہوتا اور پھٹ جاتا، پھر ایک اور مقام پر فرمایا گیا کہ۔۔۔ ہم نے رازِ الٰہی بطورِ امانت پہاڑوں وغیرہ پر پیش کیا وہ سب ڈر گئے اور انکار کر دیا۔ تیسرے مقام پر موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا جب کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے درگاہِ باری تعالیٰ میں دیدارِ بے حجابانہ کی تمنا کی تھی تو ارشاد ہوا تھا کہ۔۔۔ اَے موسیٰ! اُس پہاڑ پر نظر کیجئے جس پر ہم تجلی ڈالیں گے، اگر یہ پہاڑ ہماری تجلی سے اپنی جگہ پر ٹھہر جاتا ہے تو تم بھی اپنے پروردگار کو دیکھ سکو گے۔ پس موسیٰ علیہ السلام کے پروردگار نے پہاڑ پر جلوہ فرمایا، پہاڑ چکنا چور ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ پہاڑ پتھر جیسی سخت

جان شئے بھی 'سرِ خدا' کے لیے قوتِ برداشت نہیں رکھتی۔ برخلاف اِس کے کہ ایک مردِ خدا کے سرِّ خدائی سے جو محلِ مشاہدۂ جلال ہے، پہاڑ متزلزل ہو سکتے ہیں، اور اس کے دِل میں وہ طاقت ودیعت ہو جاتی ہے جس سے وہ رازِ الٰہی کا حامل ہو جاتا ہے۔

حالانکہ پہاڑوں کو رب العزت نے زمین کے سینے میں میخوں کی طرح گاڑ رکھا ہے تا کہ اگر زمین اپنی خودی میں آ کر کسی وقت جنبش کرنے لگے تو ان میخوں کے باعث برقرار رہے، مگر ایک اولوالعزم بندے کی ادنیٰ سی نگاہ اور معمولی سی گفتگو ان لاجنب میخوں کو بھی آناً فاناً حرکت میں لا کر تہ و بالا کر سکتی ہے۔

حکایت:۔۔۔حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ ایک پہاڑ پر کھڑے تھے کہ آپ کے ایک مخلص مرید نے سوال کیا کہ حضرت یہ تو ارشاد فرمایئے کہ کسی ولی میں کتنی طاقت ہوتی ہے، آپ نے فرمایا: ایک ولی کی معمولی سی طاقت کا یہ ظہور ہوتا ہے کہ اگر پہاڑ کو کہہ دے کہ اپنی جگہ سے ٹل جا، تو وہ ٹل جاتا ہے۔ آپ اپنے مرید کو یہ مسئلہ سمجھا رہے تھے کہ پاؤں کے نیچے سے پہاڑ نے حرکت شروع کر دی، آپ نے اُس پر پاؤں مار کر فرمایا۔۔ تُو کھڑا رہ تجھ کو حکم نہیں دیا بلکہ ہم آپس میں بات کر رہے ہیں، سبحان اللہ۔ بندگانِ خدا کی زبان بھی کیا زبان ہوتی ہے جس پر خدا بولتا ہے اور کن فیکونی طاقتیں اُس میں ودیعت ہو جاتی ہیں۔

اِس شعر میں پہاڑوں سے مراد اگر پہاڑ ہی لیے جائیں تو مندرجہ بالا واقعہ کے لحاظ سے پہاڑوں کا حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے راز کے سامنے ریزہ ریزہ ہو جانا کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ اور اگر اس سے مراد اکابر اولیاء اللہ لیے جائیں تو بھی جبال میں اور اولیاء اللہ میں ایک خاص مناسبت پائی جاتی ہے، جیسے کہ پہاڑ قیامِ زمین کے لیے میخوں کا کام دیتے ہیں، ان میں لعل و جواہر، یواقیت و زبرجد کے خزانے مخفی ہوتے ہیں، ان میں ہزارہا قسم کی عجائبات اور مفید مطلب عقاقیر ہوتی ہیں اور ان کے پتھر بجائے خود بیشمار ضروریات کے حامل ہوتے ہیں، ایسے ہی اولیاء اللہ بموجب حدیث شریف دُنیا کے قرار کا باعث مظہر انوار، علوم و کشوف کے ظاہر کرنے والے اور اہلِ جہاں کے لیے مشکل کے وقت میں مشکل کشا ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بھی حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے معاملۂ رازِ الٰہی میں ہیچمدان ہی ثابت ہوں گے کیونکہ حضور کے کُلال کے مقابلہ میں بہت کم نسبت رکھتے ہیں اور حضور اُن کی ہزارہا بلندیوں کے باوجود اُن سے بلند ہیں، اگر ان میں سے بھی کسی پر کسی وجہ سے تصرف فرمائیں تو یہ دائرۂ متصرفہ سے باہر نہیں ہو سکتے۔

کوہ گردد از شکوہش آب صاف　　　گر بیفتد سرّ او بر کوہ قاف

سر سازدہ کوہ ہارا ہمچو ریگ　　　　سر جوشد بحر را مانند دیگ

اور اگر جبال سے مراد یہاں بڑے بڑے سرکش منکرین و متکبرین لیے جائیں تو بھی درست ہے، کیونکہ اُن کے قلوبِ قاسیہ کو قرآن پاک میں پتھروں ہی سے تشبیہ دی گئی ہے اور۔۔۔فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ﴿۷۴:۲﴾۔۔۔فرمایا گیا ہے۔ پھر ایسے قلوب کا علاج اگر کوئی طاقت کرسکی ہے تو وہ انبیاء علیہم السلام ہیں یا اُن کی طفیل اولیاء اللہ کی جماعت ہے، قرآن کریم میں مغرور انسان کی مناسبت پہاڑوں سے یوں بھی ذکر کرائی گئی ہے۔۔۔کہ اَے انسان! تُو زمین پر اکڑ کر نہ چل، نہ تیرے پھسلنے والے پاؤں کی ایڑی زمین کو پھاڑ دے گی اور نہ تو سر غرور کو پہاڑوں سے بلند کرسکے گا، گویا وہ تجھ سے غرور کا سر زیادہ اونچا رکھتے ہیں۔ پھر اگر حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے دربار میں بہت ہی سخت دِل انسان جو بباطن پتھر ہیں، راہِ ہدایت پا جائیں اور گردنوں کو جھکا جائیں تو ناممکن نہیں ہے، کیونکہ حضور کا اسم گرامی 'محی الدین' ہے اور احیائے دین کے ماتحت 'محی الدین' ہی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اُن سخت ترین قلوب میں وہ توجہ فرمائیں کہ خشیتِ الٰہی سے گر جائیں اور اُن کی نافرمانبرداری کی سختی پانی کی طرح بہ کر نکل جائے، اور ایسا ہوا ہے۔

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں تین ۳ شخص ایک عیسائی، ایک یہودی اور ایک دہریہ، مناظرہ کے لیے حاضر ہوئے، آپ نے اُن کو مسند بچھا دی اور فرمایا کہ بیٹھ جایئے، پھر تین ۳ پیالوں میں پنیر کھانے کے لیے منگوایا اور کہا کہ تم میرے مہمان ہو، پہلے یہ کھاؤ پھر جو بات کرنی ہوگی کر لینا، کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی دوسرے شخص کے پاس جائے اور وہاں سے کچھ کھائے پیئے کے بغیر واپس آجائے تو وہ یوں سمجھے کہ اُس نے ایک مردہ سے ملاقات کی، یعنی مردوں کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں ہوتا۔ وہ تینوں شخص پنیر کھانے لگے، جب فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: بتاؤ کیا چاہتے ہو اور کس موضوع پر گفتگو کرو گے۔ اس کے جواب میں وہ کہنے لگے کہ آپ ہمیں کلمہء طیبہ پڑھایئے اور مشرف بہ اسلام فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: تم تو مناظرہ کے لیے آئے تھے۔ بولے یہ ٹھیک ہے مگر اس پنیر کے کھانے سے وہ نورانیت حاصل ہوگئی ہے کہ اب۔۔۔لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔۔۔پڑھنے کو دِل چاہتا ہے اور مشرف بہ اسلام ہوگئے، شعر:

عالم از قدرت نمودہ راز ہو　　　　چونکہ محی دین آمد پاک خو
در دو عالم قدرت اوظاہر است　　　　شاہ عبدالقادر اینجا ماہر است
جام وحدت عاشقانرا عام داد　　　　سر غوث الاعظم از وے خوش کشاد

جام چہاردہم ۔۔۔درجذبۂ نورانی

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّی فَوْقَ نَارٍ　　لَخَمِدَتْ وَانْطَفَتْ مِنْ سِرِّ حَالِیْ

اور اگر میں اپنے بھید کو آتش دوزخ پر ڈالوں تو البتہ وہ نابود ہو جائے
اور میرے راز و حال کے جذبہ سے بجھ جائے۔

آتش سوزاں پہ ڈالوں گر میں راز　　جذب کے شعلے سے ہو وہ جانگداز
نار کیا ہے نور کے پیش نظر　　آتشِ نمرود سے ہو سردتر

اِن اشعار سے جن کی ابتداء 'لَو' کے حرف سے ہوئی، ایک یہ بھی ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔ اگر میں اُس 'سرِّ معرفتِ الٰہیہ' کو جو مجھے اُس کی رحمت سے حاصل ہے، آگ پر واضح کروں (خواہ وہ عشق کی ہو۔۔یا۔۔ دوزخ کی، دُنیا پر جلنے والی ہو۔۔یا۔۔ قیامت میں) تو وہ بجھ جائے سرد ہو جائے اور اس کے شعلے بیٹھ جائیں اور اُس کی تیزی کا نام و نشان نہ رہے۔ بلکہ اُس کی اصلی کیفیت حدت اور جوہر شدت ایسا معدوم ہو کہ اُس کی ذات ہی برودت سے بدل جائے، کیونکہ آگ کا جوہر میرے راز کے مقابلہ میں کوئی توازن نہیں رکھتا اور نور کو نار پر ہمیشہ غلبہ ہوتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ حال و مقام کی تشریح کسی گزشتہ بحث میں گزر چکی ہے جس کی مزید وضاحت کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ البتہ مختصر طور پر اتنا واضح کر دینا سابقہ بحث کی یاد دہانی کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ 'حال و مقام' کی تعریف کیا ہے تا کہ قارئین کرام شعر کی حقیقت کو ادراک میں جگہ دے سکیں۔

حال:۔۔۔ اصطلاحِ صوفیہ میں اُس 'فیضانِ نورِ الٰہی' کو کہتے ہیں جو عنایاتِ الٰہی سے درویش کی سعی کے بغیر مانندِ شعاعِ آفتاب کے اُس کے قلب پر وارد ہوتا ہے، اور لغت میں زمانہ ماضی کی انتہا اور زمانہ مستقبل کی ابتدا کا نام ہے۔ اور۔۔۔

مقام:۔۔۔ اُس درجہ کا نام ہے جہاں درویش اپنی ریاضت و تصور سے نورِ الٰہی کو ہمیشہ کے لیے دِل میں قائم کر لیتا ہے اور وہ نور اس کے دِل کا ایک جزو ہو جاتا ہے۔

یعنی نورِ الٰہی کا ابتدائی فیضان 'حال' ہے اور اس کا دل میں مستقل ہو جانا 'مقام' کہلاتا ہے۔ تو اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر میں اپنی اُس طاقت۔۔یا۔۔ اُس راز کو جو درجۂ حال کے مطابق مجھے ودیعت ہے، آگ پر ڈالوں تو وہ سرد ہو جائے، گویا میری ابتدائی کیفیت 'سرِّ حال' ہی اُس کے نابود کرنے کو کافی

ووافی ہے، انتہائی طاقت 'سرّ مقام' کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ یہ مقامِ غور ہے کہ جس کا 'سرِّ حال' یہ ہو اُس کا 'سرِ مقام' کیا ہوگا۔

آنجناب غوثیت مآب کا یہ ارشاد کسی غیر ممکن حقیقت پر مبنی نہیں، کیونکہ آتش سوزاں کا کسی اللہ کے بندے کے 'حال' سے ٹکرا کر اپنی خصوصیتوں کو چھوڑ جانا قرآن پاک میں مذکور ہے، جبکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ایذا کے لیے نمرود نے آگ جلائی تو بحکم جلیل سیدنا خلیل کے حال جمیل سے وہ آتش نمرود سرد ہوگئی تھی۔ یہاں پر بعض وہ لوگ جو ان کوائف سے واقف نہیں فوراً بول اُٹھیں گے کہ اس میں ابراہیم علیہ السلام کا کیا دخل تھا۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ ہم نے آگ کو حکم دیا تھا کہ۔۔۔سلامتی کی سرد ہو جا۔ یہ صحیح ہے، مگر ان تمام افعال کو حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے بھی خدا کی قدرت ورحمت کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے اور اپنا کوئی دخل ظاہر نہیں فرمایا، کیونکہ ہر شے کی علت العلل وہی ذات ہے۔ کیا معترض صاحب کو ابو مسلم خولانی تابعی کا وہ واقعہ یاد نہیں جب مسیلمہ کذاب نے اُن کو خندق آتش میں ڈالا تھا اور وہ سرد ہوگئی تھی جس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم کی کرامت جانتے ہوئے الحمد للہ! فرمایا تھا، اور یہ بھی فرمایا تھا کہ درجہ افرادِ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والسلام مدارج انبیاءِ بنی اسرائیل کے مساوی ہے۔

اور سنیے بارگاہِ قادریہ کے شیدائی حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'اخبار الاخیار' میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک وقت میں ملتان میں آگ لگ گئی، لوگوں نے سید جلال الدین بخاری کو اطلاع دی کہ حضرت ملتان چند منٹوں میں راکھ کا ڈھیر ہو جائے گا، کوئی توجہ فرمایئے، آپ نے ایک مٹھی خاک ہاتھ میں لی اور منہ سے یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ! کہہ کر آگ کی جانب پھینکی، آگ بفضلہ تعالیٰ فوراً سرد ہوگئی اور اُس کے بعد سے آج تک پھر ملتان میں وہ آگ نمودار نہیں ہوئی جو ہر سال پس وپیش اوقات میں ہوا کرتی تھی۔

فقیر شارح کے ایک بزرگ نے ایک نہایت دلچسپ چشم دید واقعہ بیان فرمایا جس سے قصیدہ شریف کی تاثیر وتقدیس کا پتا چلتا ہے، فرمانے لگے: مجھے ایک دفعہ دریائے چناب سے پار علاقہ بجوات ضلع سیالکوٹ میں جانے کا اتفاق ہوا، وہاں ایک بزرگ حضرت حافظ کا کا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک ارادت مند کے ہاں قیام فرما تھے کہ اُن کے کسی دوسرے دوست کے مکان کو آگ لگ گئی۔ لوگ بجھانے کے لیے دوڑے اور حافظ صاحب بھی شور وشر سن کر آگے بڑھے۔ مالک مکان نے لوگوں کو بجھانے سے منع کر دیا کیونکہ آگ بہت زور پکڑ چکی تھی اور حافظ صاحب سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ قبلہ میرا آپ سے تعلق ہے اور آپ کی بزرگی پر ایمان بھی، اگر آپ کے ہوتے ہوئے میرا مکان جل گیا تو تمام عمر حافظ جی

صاحب کے خطاب سے مخاطب نہیں کروں گا، حافظ صاحب سن کر مسکرائے اور یہ کہتے ہوئے۔۔۔ **ولو القیت سری فوق نار**۔۔۔ اُس جلتے ہوئے مکان میں داخل ہو گئے، آگ جہاں جہاں تھی وہیں بجھ گئی۔

اَے عزیز! اللہ کا بندہ بن جانا ایک وہ حیثیت رکھتا ہے کہ کائنات کی بڑی سے بڑی چیز بھی اُس کے تصرف میں ہوتی ہے۔ سعدی علیہ الرحمہ بوستان میں لکھتے ہیں کہ میں نے رودبار کے میدان میں ایک شخص کو دیکھا جو چیتے پر سوار ہو کر میرے سامنے آیا، دیکھتے ہی میرے پاؤں خوف کے مارے چلنے سے رہ گئے، اُس شخص نے مسکرا کر ہاتھ ہونٹوں پر رکھا اور فرمایا کہ سعدی جو کچھ تو دیکھ رہا ہے، قابل تعجب نہیں، شعر:

تو از حکم دوار گردن پیچ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

تُو خداوندِ تعالیٰ کے حکم سے گردن نہ پھیر کائنات کی کوئی چیز تیرے حکم سے سرتابی نہ کرے گی

حضور خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنے ذکر و فکر میں مشغول تھے کہ اجمیر کی کافر جماعت نے جس کا یہ خیال تھا کہ آپ کو مار دیا جائے، آپ کی چلہ گاہ کے پاس آکر سوچا کہ اِس وقت تو بہت اچھا موقعہ ہے، آپ اپنے ذکر میں محو ہیں، بہتر ہے کہ گھاس پھوس کی جھونپڑی کو آگ لگا دی جائے، آپ اندر ہی جل جائیں گے اور کوئی معلوم بھی نہ کر سکے گا کہ یہ درویش اور اس کی جھونپڑی کیونکر جل گئی۔ چنانچہ انہوں نے آگ لگا دی اور آپ کی جھونپڑی جلنے لگی، مگر آپ اِس قدر یادِ الٰہی میں مستغرق تھے کہ آپ کو کوئی خبر نہ ہوئی اور نہ کوئی ایذا پہنچی۔ جھونپڑی کی لکڑیاں جل جل کر چاروں طرف گری ہوئی سلگ رہی تھیں کہ آپ فارغ ہوئے اور معاندین کی اس شرارت کو دیکھا اور دیکھتے ہی آگ سے مخاطب ہو کر فرمایا: کمبخت تیرے جلانے کو فقیر کی جھونپڑی تھی، راجہ پرتھوی راج کے محل کو کیوں نہ لگ گئی، یہ کہنا تھا کہ یہاں سے بجھ گئی اور راجہ پرتھوی راج کے محل کو جا لگی اور وہ جل گیا، سبحان اللہ! اللہ کریم نے اپنے مقبول بندوں میں بھی کیا کیا نشانیاں اور طاقتیں ودیعت فرما رکھی ہیں۔

فقیر کے گاؤں میں ایک بزرگ حافظ قاری محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ رہا کرتے تھے جن کا صبح و شام قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کا شغل تھا جس کو ایک مستقل درس کی حیثیت حاصل تھی، آپ قادری سلسلۂ عالیہ میں بیعت اور قصیدۂ غوثیہ شریف کے عامل تھے۔ اکثر اوقات اپنے معمولات سے فارغ ہو کر رات کو اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اپنے مکان پر مدد دستگیر مدد دستگیر کے باآواز بلند نعرے لگایا کرتے تھے۔ ایک رات آپ اسی طرح مشغول تھے کہ آپ کا ایک عقیدت مند گلاب آرائیں دوڑتا ہوا آیا اور عرض کرنے لگا کہ ہم نے فلاں جگہ جو گیہوں کاٹ کر خرمن بنا رکھا ہے، اُس کو کسی نے آگ لگا دی ہے جو بجھائی نہیں

جا سکی، کوئی دُعا فرمائیے، آپ نے وہیں کھڑے کھڑے۔۔ ولو القیت سری فوق نار ۔۔۔ پڑھا اور اُس طرف منہ کر کے پھونک دیا، آگ فوراً بجھ گئی، شعر:

اَز نامِ تو اَے شاہ دو عالَم نور است — از پرتوات سنگ کہستان طور است

اَے عزیز! اس نام کی دولت پیدا کر، تا کہ تیرے ایمان میں زیادتی ہو
اور تیرے دِل کی کلی محبتِ بزرگانِ دین سے کھل جائے

بات دُور نکل گئی۔ اس شعر میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر میں اپنے 'سرحال و مقام' کو آگ پر ڈالوں تو وہ میرے 'نورِ معرفت' کے شعلہ سے نابود ہو جائے۔ پھر آگ کی تخصیص نہیں فرمائی، ہر وہ جنس جس کو آگ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس سے مراد ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جنات پر بھی وہی تصرف ہے جو اس ظاہری آگ پر۔ کیونکہ ان کی پیدائش نار سے ہے اور جنات پر تصرف کے بے شمار واقعات آپ سے مذکور ہیں۔ اِس مختصر میں گنجائش نہیں۔۔ نیز۔۔ آگ سے مراد وہ عشق مجازی کی آگ بھی ہو سکتی ہے جو مبتدیوں کو اُن کے مقصدِ وحید و معرفتِ توحید سے روک کر پیش آنے والے اور آگے چل کر پانے والے مدارج کی ترقی میں حائل ہو جاتی ہے اور جب تک کسی کامل کا پرتو اُن پر نہ پڑے وہ اُس مخمصہ سے نجات ہی نہیں پا سکتے۔ شاید اِس سے یہ مراد ہو کہ اگر ایسے عشاق کی اُس آتش نارِ عشق پر اپنا راز ڈالوں جو اُن کی ترقیِ مدارج و منازل میں حائل ہے تو وہ اِس قابل ہو جائیں کہ اُس مجاز کی آگ سے مخلصی پا لیں اور منازلِ طریقت کو طے کر سکیں، کیونکہ اربعہ عناصر کا اعتدال جسمانی ترقی کے لیے اور مطلوبہ عناصر کا اعتدال طلبِ معرفتِ الٰہی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اور بزرگانِ دین نے لکھا ہے کہ اگر طالبِ معرفت پر خاصیت عنصر غالب آ جائے تو اُس کی باطنی ترقی رک جاتی ہے اور ایسی حالت میں وہ بغیر مرشدِ کامل کی توجہ کے آگے قدم نہیں اُٹھا سکتا۔

واضح ہو کہ طریقت سے مراد سلوکِ باطنی کی راہ ہے اور اولیاء اللہ اِسی راستہ پر چل کر درجۂ ولایت کو پہنچے ہیں، اس کی نو ۹ شرطیں ہیں، ان میں سے چار ۴ شرائط کا تعلق ظاہر سے ہے، مثلاً:

اوّل:۔۔۔ تھوڑا کھانا، کیونکہ پُرخوری یعنی پیٹ بھر کر کھانا دِل کی سیاہی اور غفلت کا باعث ہوتی ہے، اتنا کھانا چاہیے جس سے انسان زندہ رہ سکے اور یہ بھی اُس وقت جب کہ بھوک کا غلبہ حد سے زیادہ ہو، مگر اِس قدر تھوڑا بھی نہ کھانا چاہیے کہ عبادتِ الٰہی میں بھی قیام کی طاقت نہ رہے۔

دوم:۔۔۔ کم کلام کرنا، زیادہ گفتگو بھی غفلت و تساہل اور خرابی کا موجب بن جاتی ہے۔

سوم:۔۔۔گوشہ نشینی، یعنی عزلت وتنہائی، کیونکہ ہر لحظہ عوام سے مخالطت مخاطبت یادِ خدا سے دُوری کا سبب ہوتی ہے، لیکن قبول دعوتِ طعام، شرکت جنازہ، شغل حصول علم، عیادتِ مریض، کسب حلال کے لیے باہر نکلنا اور عوام کی طرف متوجہ ہونا گوشہ نشینی کے منافی نہیں۔

چہارم:۔۔۔شب بیداری، یعنی کم سونا، کیونکہ زیادہ سونے سے وسوسہ زیادہ اور اکل حلال وصدق مقال میں کمی ہو جاتی ہے۔

۔۔۔باقی پانچ ۵ شرائط جو باطن سے متعلق ہیں یہ ہیں، مثلاً:

اوّل:۔۔۔صدق، یعنی خالق اور مخلوق کے ساتھ معاملہ اور کلام کرنے میں صادق ہونا۔

دوم:۔۔۔توکل، یعنی ہر حال میں خدا پر بھروسا کرنا اور ہر معاملہ میں اسباب ہی کا پابند نہ رہنا۔

سوم:۔۔۔عزم، یعنی ہر کام میں مستقل ارادہ کرنا اور دلی ارادت سے اس راہ میں ایسا مضبوط ہونا کہ جان جائے مگر نہ ٹلے۔

چہارم:۔۔۔صبر، یعنی ظاہر وباطن میں مصیبتوں اور کلفتوں سے نہ گھبرانا، زیادتی کی طلب سے بچنا اور جو خدا دے اُس پر قانع ہونا۔

پنجم:۔۔۔رضا، یعنی خدا کی جانب سے آئی ہوئی ہر غمی وخوشی پر ایسا راضی ہونا کہ کبھی شکوہ۔۔یا۔۔رعونت ظاہر نہ ہو اور دِل وجان سے مرشدِ کامل کی مرضی کا پابند رہے۔ وباللہ التوفیق۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام پانزدہم۔۔۔در حیاتِ جاودانی

وَلَوْ اَلْقَيْتُ سِرِّیْ فَوْقَ مَيْتٍ لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰى تَعَالٰى

اور اگر میں اپنے راز کو مردہ تن۔۔یا۔۔مردہ دِل والوں پر ڈالوں
تو وہ بلاشبہ رب العزت کی قدرت سے زندہ کھڑے ہو جائیں

گر میں اپنا راز دوں مردے پہ ڈال زندہ ہو جائے بفضل ذوالجلال
ہے خداوند دو عالم کی پسند جس کو چاہے بخش دے درجے بلند

سرکارِ غوثیت مآب سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر میں اپنی خداداد توجہ کو مردہ جان۔۔یا۔۔ مردہ دِلوں پر۔۔یا۔۔ منکروں پر۔۔یا۔۔ اُن مردہ روحوں پر جو شہود کی روشنی سے محجوب ہیں۔۔یا۔۔ اُن سالکوں پر جو اپنے حال میں مسلوب ہیں، ڈال دوں تو وہ میرے مولا کریم کے انعام اور قدرت سے فوراً اُٹھ کھڑے ہوں، اُن کی آنکھیں کھل جائیں اور اُن کے مراتبِ مسلوبہ اور حالاتِ محجوبہ بحال ہو جائیں۔ یہ رب دو عالَم کی بخشش ہے جس کو چاہے یہ طاقتیں ودیعت فرمادے۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ سرکارِ دو عالَم ﷺ نے فرمایا ہے۔۔۔ علما امتی کانبیاء بنی اسرائیل ۔ یعنی امتِ محمدیہ علیہا الصلوات والتسلیمات کے علماءِ ربانی بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں، گویا نبوت کا دعویٰ اُن کے لیے جائز نہیں، باقی حال وقال، کرامات وکمالات، مدارج ومراتب علیہ، احسان وعرفان، میں ایسے ہی بلند ہیں جیسے مستقل صاحبِ کتاب نبی کے بعد دیگر انبیاء اُس کی اتباع وتبلیغ کے لیے دُنیا میں تشریف لاتے رہے۔ مثلاً: حامل توارت اور مستقل شریعت کے مالک بنی اسرائیل سے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام تھے لیکن اُن کے بعد چار ہزار۔۔یا۔۔ کچھ کم وبیش انبیاء ظہور پذیر ہوئے جو احیاءِ دین کے لیے کسی نئی کتاب ۔۔یا۔۔ نئی شریعت کے حامل نہ تھے بلکہ اُسی تورات شریف کی تبلیغ فرماتے رہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ چونکہ سرکارِ دوجہاں، سرورِ کون ومکاں، تاجدارِ کائنات، مختارِ شش جہات محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے آخری نبی اور نبوت کے سلسلہ کو قیامت تک کے لیے ختم فرمانے والے تھے، اِس لیے اسلام کی ضروریات کو ہر زمانہ میں پورا فرمانے کے لیے اپنی بلندیٔ شانِ رسالت کا یوں اظہار فرمایا کہ نبوت کا وہ سلسلہ جو متقدمین انبیاء کے بعد جاری تھا، میرے ہاتھ پر ختم ہوتا ہے، اب مجھ سے بعد کوئی نبی، نہ مستقل نہ غیر مستقل، نہ ظلی نہ بروزی، نہ تشریعی نہ غیر تشریعی کوئی نہیں آئے گا۔ لہٰذا مجھ سے بعد میری امت میں احیاءِ دین کا کام میرے وہ غلام انجام دیں گے جن کے اندر میں نے بنی اسرائیل کے انبیاء کی طاقتیں بھر دی ہیں، گویا حضور پُر نور ﷺ کا کمالِ نبوت یہ ہے کہ سوابق انبیاء علیہم السلام کا جو کام بعد کو امم سابقہ میں غیر تشریعی نبی آکر کرتے رہے وہ سرکارِ مدینہ ﷺ نے اپنے ادنیٰ واعلیٰ غلاموں سے لے لیا اور اُن میں وہ خوبیاں اور محبوبیاں بھر دیں کہ حقیقتاً اُن کی موجودگی نے نبوت کے خاتمہ پر تبلیغ دین میں کوئی ایسی کسر نہیں چھوڑی جس کے لیے دُنیا میں کسی غیر تشریعی ۔۔یا۔۔ ظلی نبی کی ضرورت محسوس ہوتی، مثلاً: تبلیغ، تفہیم، تشریح، تنظیم، کشف وکرامات، مکاشفات ومحاسبات، عظمت ونیابت، شہرت وولایت، ایثار وسخاوت، عیادت وشفقت، سادگی وبے نفسی، استغنا ومحویت، حق گوئی وحق نوازی، باحسن وجوہ پوری ہوئیں اور اہل زمانہ نے جان لیا کہ فیض محمدی بدستور جاری ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں، یہی وجہ ہے کہ ایسے وقت

میں جو شخص مدعی نبوت ہو اور کوئی اُس سے جا کر اُس کی نبوت کی دلیل مانگے، اہل اللہ اور علماء امت نے اُس کو کافر کہا ہے، کیونکہ یہ ارشاداتِ نبویہ ﷺ اور احکامِ الٰہیہ کے خلاف ہے۔

سبحان اللہ! سرورِ کائنات، مختارِ شش جہات، محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوتِ تامہ کا مرتبہ کتنا بڑا اور کس قدر بلند ہے کہ قیامت تک اُس کے نور کا ظہور اولیاء اللہ اور افرادِ امت میں ہوتا رہے گا۔

الغرض اس شعر میں اُس طاقت خداداد کا اظہار فرمایا گیا ہے جو کسی مردہ پر ڈالنے سے مردہ کو نئی طاقتیں بخش کر کھڑا کر دے اور یہ بتا دے کہ جس بندہ کا تعلق قادر و قیوم سے صحیح ہو جائے، اس میں یہ قدرت ظہور کر جاتی ہے کہ مردہ ارواح و اجسام میں تصرف کر کے عبدالقادر کہلائے اور مردوں کو دوبارہ قیامِ جہاں بخشنا، یہ کوئی غیر ممکن فعل نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا ۔۔۔ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴿۳:۴۹﴾ ۔۔۔ پس مردوں کو زندہ کر دینا ممکنات سے ہے۔ اور ایسے ہی مولا کریم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ اور زبان سے مختلف پرندوں کو زندہ کروا دیا۔ پس جو لوگ کلام اللہ پڑھتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے لیے یہ آیات حجتِ قاطعہ ہیں، اِس قسم کے واقعات سے ربیات کا انکار کرتا ہے، انسان کے لیے علم وہ ہے جو خود پسندی سے ہٹائے اور خدا رسیدہ بنائے ورنہ جس کسی کو ایسا علم رفیقِ زندگی نہیں وہ دُنیا طلب میں گناہ کے درجے پر ہے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ درویش کے لیے یہ دعویٰ کوئی بے معنی چیز ۔۔۔ یا ۔۔۔ کوئی فتنہء نفس نہیں ہے، بلکہ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے اور وہ اپنے تعلق کی بناء پر مالک کے حکم سے ہے۔ تمام علوم، اسمائے ملائکہ، بارانِ رحمت کے قطرے، توحید کی معرفت، منازل، مقامات، الہام، تجلیاتِ ذات، صفات اور اسماءِ باری تعالیٰ اگرچہ بے شمار ہیں، مگر اِس سے اُن کی گنتی معلوم ہوتی ہے اور علم کیمیا، سنگِ پارس، پہاڑوں کے جواہرات اور غیبی خزانے، فتوحاتِ علم و ارادتِ مکتبِ لاریبی کے تصرف کے خزائن اُس کے علم میں ہوتے ہیں، بلکہ اولیاء اللہ نے لکھا ہے کہ درختوں کے پتے اور ہر قسم کی روئیدگی، اسرار اسمِ اعظم اور تعدادِ اولیاء زمانہ سب اُس کی لوحِ قلب پر مندرج ہوتے ہیں۔ پھر اس علوم مرتب کے باوجود کسی مردہ کو زندہ کر دینے میں تعجب کرنا ایک صریح ایمانی کمزوری ہے۔

حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا مشہور واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ حضور کی خدمت میں ایک عورت ایک بچے کو لائی اور عرض کیا کہ یہ بچہ آپ سے بہت عقیدت رکھتا ہے، میں چاہتی ہوں کہ اس کو آپ کی نذر کر دوں تاکہ یہ اپنی ارادت و عقیدت کے ماتحت یہاں ہی رہے اور تربیت پائے۔ حضور بہت خوش ہوئے اور فرمایا چھوڑ جاؤ، چنانچہ وہ بچہ حضور کی غلامی میں رہنے لگا۔ ایک مرتبہ بچے کی

ماں بچے کو دیکھنے آئی تو مامتا کی ماری نے بچے کو بہت نحیف و کمزور پایا، جب اُس کی خوراک پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ جَو کی روٹی کھاتا ہے، اُس کو مل کر جب حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تا کہ بچے کے متعلق کچھ عرض کرے، تو دیکھا کہ آپ مرغ بھنا ہوا کھا رہے ہیں۔ جب آپ کھانے سے فارغ ہوئے تو اُس عورت نے افسوس کے لہجے میں عرض کیا کہ میں نے بچے کو یہاں پرورش اور تربیت کے لیے رکھا تھا، نہ کہ بھوکوں مارنے کے لیے، وہ تو سخت تر کمزور ہو گیا ہے اور آپ کو اس کی جانب کوئی التفات نہیں۔ آپ نے فرمایا: تُو کس طرح جانتی ہے کہ التفات نہیں، عرض کیا کہ یہ التفات ہے کہ آپ مرغ کھائیں اور اُس کو جَو کی خشک روٹی دیں، کاش! کہ آپ اُس کو اولاد کی طرح سمجھتے۔ آپ نے جو مرغ کھا کر اُس کی ہڈیاں جمع کر رکھی تھیں اُن پر اپنا دستِ مبارک رکھ دیا اور۔۔۔ قُمْ بِاذْنِ اللهِ۔۔۔ فرمایا، آپ کے اس ارشاد پر اُن ہڈیوں نے فوراً ایک زندہ مرغ کی صورت اختیار کر لی، پھر فرمایا: جب تیرے بیٹے میں بھی یہ قوت پیدا ہو جائے گی، اُس وقت اُس کو بھی اختیار ہو گا جو چاہے کھائے اور جس طرح چاہے رہے۔

اِسی طرح کا ایک وہ قصہ جو قرآن کریم میں حضرت خرقیل علیہ السلام کا آتا ہے جنہوں نے ایک اُس قوم کی گلی سڑی ہڈیوں اور مردہ اجسام میں جان ڈال دی تھی جو قوم طاعون پڑنے سے اپنے رہائشی مکانات کو چھوڑ کر موت کے ڈر سے بھاگ گئی تھی۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔۔۔ وَهُمْ اُلُوْفٌ ﴿۲:۲۴۳﴾۔۔۔ اور ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زندہ ہو کر اُن کی نسلیں بھی آگے چلیں اور اُن کی اولادیں پیدا ہوئیں جن کے جسموں سے اور پسینے سے مُردنی کی بُو آتی تھی۔

اِسی طرح آنجنابِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کا ایک مطرب کی قبر پر کھڑے ہو کر اُس کو زندہ فرما دینے کا قصہ مشہور ہے جو قبر سے اُٹھا تو اُس کے گلے میں ڈھولک بندھی ہوئی تھی، پھر اگر حضور فرمائیں کہ میرے حکم سننے اور راز ڈالنے سے مردہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے تو یہ اولوالعزمانہ شان کے نفاذِ حکم کا درجۂ کمال ہے، جب کہ اس کے ساتھ حضور غوث الاعظم کسی اپنی ذاتی خصوصیت کی نسبت دے کر دعویٰ نہیں فرما رہے بلکہ ۔۔۔ **بقدرة المولیٰ تعالیٰ** ۔۔۔ یعنی میرے مولیٰ کریم بلند و برتر کی طاقت سے ایسا ہوتا ہے اور وہی میرے ہاتھ پر یہ سب کچھ ظاہر فرماتا ہے۔ یہ جملہ۔۔۔ **بقدرة المولیٰ تعالیٰ** ۔۔۔ گزشتہ چاروں شعروں سے تعلق رکھتا ہے، یعنی بحار، جبال، آگ اور میت میں جس قدر تصرف القائے سر سے ظاہر ہوتا ہے، وہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

پس اِس سے یہ مطلب ظاہر ہوا کہ آنجناب کی ذات انوارِ ذاتِ باری تعالیٰ میں فنا تھی، آپ کا ایسا ہر قول و فعل، ہر ارادہ ارادۂ الٰہی تھا۔ آپ کی یہ طاقتیں اللہ تعالیٰ کی طاقتیں تھیں، جیسا کہ مولانا روم

علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، شعر:

گفتہ او گفتہ اللہ بود　　　گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

یعنی جب انسان کا درجۂ عبودیت اپنے منتہا و کمال تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ کریم کی قدرت و صفات اس میں کام کرتی ہیں اور 'کن' کہہ کر زندہ کرنے کی طاقت اُس میں ودیعت ہو جاتی ہے۔ جو منہ سے نکلتا ہے فوراً وارد ہو جاتا ہے اور۔۔۔ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ﴿۴۸:۱۰﴾۔۔۔ کے مرتبہ میں یہ حقیقت بعید اَز قیاس نہیں ہوتی کیونکہ اس کیفیت میں انسانی صفات خدائی صفتوں کی ظل اور آثار ہوتی ہیں، بندۂ فانی کی نہ کوئی اپنی ذات کام کرتی ہے نہ صفات، مولوی جامی فرماتے ہیں، شعر:

نیاوردم از اخانہ چیزے نخست　　　تو ہمہ چیز و من چیز تُست

جو کچھ ہے اُسی کا ہے، پس ایسے امور کے اظہار کا ارادہ بھی اُسی کی طرف سے سمجھنا چاہیے، قائل تو ایک قسم کا کسی دوسرے کی آواز کا ریکارڈ ہوتا ہے، جو اُس میں بھرا جاتا ہے وہی آواز آتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر:

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿جام شانزدہم۔۔۔ عطائے رحمانی﴾

وَمَامِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ　　　تَمُرُّوَ تَنْقَضِىْ اِلَّا اَتَا لِىْ

اور کائنات میں جس قدر مہینے سال اور زمانے عبور کرتے ہیں
ان میں جو واقع ہونے والا ہوتا ہے، اُس کی پہلے مجھے اطلاع ہوتی ہے

دہر میں آتے جو ماہ و سال ہیں　　　تابع فرماں میرے ہر حال ہیں
سب سے پہلے آتے ہیں وہ میرے پاس　　　پھر جہاں میں کرتے ہیں اعمال خاص

علماءِ جماعتِ احناف اور اہلسنت کے صوفیا کرام کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ اللہ کریم جل جلالہ حسبِ ارشادِ قرآن پاک اپنے اولیاء وانبیاء علیہم الرحمۃ والسلام کو علوم غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے اور وہ آئندہ زمانہ کے پیش آنے والے حالات کو بیان فرمادیا کرتے ہیں اور دیگر جمیع انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں حضور پُرنور شافع یوم النشور علیہ السلام والصلوٰۃ کی حیثیت علم و فضل تو بالکل جداگانہ ہے، یعنی جمیع انبیاء علیہم السلام کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے مقابلہ میں سات ۷ سمندروں سے ایک قطرہ ہے، کیونکہ حضور مختار یوم النشور عالم ما کان وما یکون ہیں، جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے، حضور اُس کے عالم ہیں۔ عرش کی بلندی، دُنیا کی پستی، آخرت وجنت، برزخ ودوزخ، اجرام سموات کی تمیز، ملائکہ سماوی نوری کی تعداد، ملائکہ ارضی وناری کی حقیقت اوران کے اختلافِ مدارج ومنتہائے مراتب ستر ۷۰ پردوں اور ہر پردہ کے ملائکہ کے جملہ حالات کی پہچان، عالَم علوی کے اجرام نیرہ ستاروں، سورج، چاند، برزخ اور اُس کی ارواح کا امتیاز، ساتوں زمینوں اور ہر زمین کی مخلوق خشکی وتری کا حال، تمام جنتیں اور اُن کے رہنے والوں کی گنتی ودرجات ومقامات سب کچھ حضور کے علم میں ہے۔ جب حضور علیہ السلام کی جمیع کے مقابلے میں یہ کیفیت ہے تو وہ اولیاء اللہ جو ظلِ نبوتِ محمدی ہیں، دیگر اولیاء اللہ جمیع امم سابقہ کے مقابلہ میں وسعت علم میں کیونکر زیادہ نہ ہوں گے اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ مہینے اور سال گزر چکے ہیں، بلاشبہ بحکم رب العزت میرے پاس حاضر ہوتے ہیں، اور حالات وواقعاتِ ماضیہ وآئندہ کی مجھے اطلاع دیتے ہیں، کوئی غیر ممکن دعوے نہیں۔ لہٰذا معترضین کو لازم ہے کہ وہ اس خداداد فوقیت پر اعتراض نہ کریں اور کج بحثی چھوڑ دیں، کیا وہ خدائے قدوس کی عنایات پر حسد کرتے ہیں اور اُس کے انعامات کے منکر ہوتے ہیں، حالانکہ ایزد تعالیٰ کی داد ہے جس پر مہربانی فرمادے۔ وَذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ۔

پس مہینوں اور زمانوں کا حضور غوث العالم رضی اللہ عنہ کے دربارِ غوثیت میں آنا اور واقعات کا بیان کرنا دو ۲ صورتوں میں ہوسکتا ہے: ایک یہ کہ ایک مہینہ اور ہر ایک زمانہ فرداً فرداً آنجناب فیض مآب کی خدمتِ عالی میں متشکل ہوکر حاضر ہونا، جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ۔۔۔الرمضان والقرآن بشفعان۔۔۔یعنی قیامت کے دن رمضان اور قرآن متشکل ہوکر اپنے متبعین کی شفاعت کریں گے۔ دوسرے یہ کہ اُن کے حالات وواقعات کا انکشاف حضور پر اِس طرح ہو کہ گویا وہ اوقات ہی زبانِ حال سے اپنے واقعات بیان کرتے چلے جاتے ہیں کہ وہ بلاشبہ صحیح ودرست ہیں۔

اور یہ علم 'علم لوحِ محفوظ' بھی ہوسکتا ہے، جس میں ہر آنے والے وقت کی تشریح موجود ہے اور جس سے اکثر اولیاء اللہ بفضلہ الکریم آگاہ ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں جو پیشین گوئیاں۔۔یا۔۔احادیثِ

شریفہ میں آئندہ کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں، اِسی بات کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں اور سرکارِ دوعالَم کی زبانِ وحی ترجمان سے اِس حد تک آئندہ وگزشتہ واقعات بصورتِ پیشین گوئی بیان ہوئے ہیں جن کا شمار ناممکن ہے اور یہ علمِ الٰہی ہے جو رمل ونجوم اور حکمت وعلت سے پاک ہے۔

دیدن ما دیدن تحقیق دان　　گفتن ما گفتن توفیق خوان

بعض صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ سال اور مہینے اگر انبساط ومسرت اور ارزانی وکامرانی کو اپنے اندر لے کر حاضر ہوتے تو اُن کی صورتیں اور شکلیں نہایت پسندیدہ اور روشن ہوتیں اور اگر خلقِ خدا پر وہ سال۔۔یا۔۔مہینہ دشوار گزار حالات کا حامل ہوتا اور اُس میں آفات وبلیاتِ سماوی نازل ہونے والی ہوتیں تو نہایت مکروہ صورت اور قبیح منظر نمودار ہوتا اور شاید۔۔۔تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ﴿۳:۱۴۰﴾ ۔۔۔کا مطلب یہی ہو۔

پس وہ سال مہینہ جس صورت میں ظاہر ہوتا اور اس سے آں جناب غوث کو جو معلومات حاصل ہوتیں۔ حضور ان کو اسی طرح بیان فرمادیتے، اور وہ ویسا ہی عمل میں آتا۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ کسی امر میں پیشین گوئی کا تذکرہ دو[۲] طرح پر ہوتا ہے: ایک وہ جو منجم ۔۔یا۔۔رمّال کرتے ہیں جن کو اپنے علم کے ماتحت اُس کی حقیقت کم معلوم ہوتی ہے، لیکن قیافہ سے ۔۔یا۔۔ گزشتہ واقعات سے اپنے تجربہ کی بناء پر مستقبل کے لیے پیشگوئیاں کردیتے ہیں کہ فلاں مہینہ میں فلاں چیز اَرزاں ہوگی اور فلاں گراں رہے گی۔ یہ اندازہ اِس صورت میں ہوتا ہے کہ نجومیوں کے نزدیک ایک مسلمہ اصول ہے جس کو 'مہاپرل' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی واقعہ کو بیان کرنے کے وقت سے تخمیناً باسٹھ[۶۲] سال پہلے باسٹھویں برس میں جو واقعات ظہور پذیر ہوئے تھے، وہی آج بھی رونما ہوں گے، مثلاً: اُس سال بارش زیادہ تھی تو اِمسال بھی زیادہ ہوگی، غلہ مہنگا اور تیل وگھی سستے تھے تو آج بھی ویسے ہی ہوں گے اور اس اندازہ پر جنتریاں سامنے رکھ کر اور ایام کا حساب کرکے یہ کہہ دیتا کہ فلاں مہینہ میں یہ ہوگا، یہ کوئی بڑی بات اور مغیبات پر مطلع ہونا نہیں۔ اس طرح علم سامدرک (پامسٹری) کے جاننے والے کسی غیب پر مطلع ہونے کے مدعی نہیں ہوسکتے بلکہ وہ بھی ایک قیافہ شناسی اور تجربہ کی بناء پر بیان کرنے اور کسی نوزائیدہ کی جنم کنڈلی بنالینے کے دعویدار ہوجاتے ہیں۔

دوسرا طریق وہ ہے جو اولیاء اللہ کا عمل ہے کہ علمِ غیب الٰہی سے ۔۔یا۔۔لوحِ محفوظ سے مطلع ہوکر جو ارشاد فرمادیں، وہ حرف بحرف صحیح ہوتا ہے اور اس تذکرہ کو تجربہ واقعات، اندازۂ ماضیہ وآئندہ حالات

اور محسوسات سے قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جیسے کہ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کا ایک مشہور واقعہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں بیان فرماتے ہیں کہ آپ ایک مرتبہ علاقہ خارقان کی حد پر تشریف لے گئے اور بیٹھے بیٹھے فرمانے لگے کہ مجھے اُس علاقہ (خارقان) سے ایک مردخدا کی خوشبو آتی ہے جو مجھ سے بعد پیدا ہوگا۔ دوستوں نے اُس مردِ خدا کے نشانات پوچھے، نام پوچھا تو آپ نے نشانات من وعن بیان فرما کر اُس کا نام ابوالحسن خرقانی فرمایا، چنانچہ وہ مردِ خدا ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ کے زمانہ میں حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کے زمانہ سے قریباً چالیس ۴۰ برس بعد خارقان میں پیدا ہوئے جن کی پیدائش کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کے علم کے متعلق بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ رمل و نجوم ۔۔یا۔۔ قیافہ وحکمت نہ سمجھنا چاہیے جس کی بنا پر بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے پیشگوئی فرمائی تھی بلکہ یہ علم الٰہی تھا۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ پہلے چوتھے شعر مندرج سابق سے لے کر اس شعر تک یعنی بحار سے **دھور وشھور** تک خوارق وتصرفات اور علومرتبت واختیار منزلت کے اظہار میں کئی ایک اسرار اور موز ہیں جن کو سمجھ کر ایک صحیح الدماغ انسان اِس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اس انسان کو مولا کریم نے تاج تکریم بخش کر کن کن اولوالعزمیوں، کن کن بلندیوں، کن کن شانوں اور اختیاروں کا حامل بنایا ہے۔ اور اگر یہ خود اپنی فضیلت وشرافت کو کھو بیٹھے اور یہ سمجھنے لگے کہ ہر بڑے سے بڑا پہاڑ میری پرستش کا مستحق ہے اور ہر بڑے سے بڑا دریا، سانپ، درندہ، درخت میرا معبود ہوسکتا ہے ۔۔یا۔۔ زمانے کا ہر ڈسنے والا جانور ۔۔یا۔۔ جلانے والی آگ ۔۔یا۔۔ جگالی کر کے دودھ دینے والے مویشی، میرے سجدوں کے مسجود ومعبود ہوسکتے ہیں، تو یہ اُس حیوان ناطق کا اپنا قصور ہے، ورنہ خالق ارض وسمٰوات نے اس کو بڑی خوبیوں کا اہل پیدا فرمایا تھا، گویا یہ کائنات کا مختارِ مطلق ہے اور اس کی اولوالعزمی پر اس کے پیدا کرنے والے نے قسمیں بیان فرمائی ہیں، مگر یہ ہے کہ تمام کائنات کے مقابلہ میں اپنی انتہائی پستی سے خوش ہوتا ہے اور غلامانہ ذہنیت میں اس کو اپنی شان انسانیت نظر آتی ہے اور معمورۂ دُنیا میں اس کی مثال اُس کتے کی سی بن گئی ہے جو کسی میلہ میں اپنا مالک کھو بیٹھے اور ہر مسافر وراہرو پر اپنے مالک کا شبہ کرنے لگے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

ہاں! ان پانچوں شعروں میں جو رموز واسرار مضمر ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو موجودات پر اتنا تصرف حاصل ہے کہ بحر سے لے کر مردہ تک اور نباتات سے اوقات تک سب حضور کے زیر فرمان ہیں اور یہ صرف حضور ہی کا خاصہ ہے، دیگر اولیاء اللہ کو اتنا تصرف نہیں دیا گیا ۔۔۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۔ اور ان مہینوں اور سالوں پر تصرف کے بیان کرنے سے یہ غرض ہے کہ

باوجودیکہ زمانہ محض عرض ہے، پھر بھی اس کے معینہ اوقات اور مخصوصہ ساعات متشکل ہوکر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے ہیں۔

پس حضور کے نزدیک مہینوں سالوں دنوں کا متشکل ہوکر حاضر ہونا اُن لوگوں کے خیالات کی بھی تردید کرتا ہے جو کہ حشر اجسام، جنتی لباس، اور وزنِ اعمال کے قائل نہیں چونکہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ اپنے مدارج ولایت میں نبوت مختتمہ کے ظل ہیں اس لیے یہ ارشاد کوئی خلافِ شرع شریف نہیں، چنانچہ جبرائیل علیہ السلام کا دحیہ کلبی کی صورت میں آنا، گوہ کا کلام کرنا، ستون کا رونا، درختوں کا آ کر دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جنگل کے جنات کی اطلاع کرنا، پتھر کا تیرنا، یہ سب کچھ اسی قبیل سے ہے۔۔نیز۔۔یہ بھی کہ ایام، ماہ اور سال جن سے بندوں کی عمر کی گنتی کی جاتی ہے۔۔یا۔۔میعادِ امور خارجہ مقصود ہوتی ہے، آنجناب غوثیت مآب کے تابعین میں سے ہیں اور تمام قسم کے احوال کے سلب ونہب میں حضور کو دخیل جانتے ہیں، شعر:

چند گویم راز ہائے ایں کلام — نو مے جوشد برحمت صد سلام
بادشاہ دوجہاں شد محی دین — کرم او بر خاص وعام است بالیقین
افتخار اولیاء واصفیاء — محی دین وشاہ جیلاں باصفا
اے مرید شاہِ محی الدین سرور — گر بر آئی از غرور نفس زور
ایں بود اسرار جام محی دین — ناتوانی یاب کام محی دین

تا توانی در شریعت گام زن
تا مرید محی دین باشی سمن

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام ہفدہم۔۔۔علم زمانی

وَتُخْبِرُنِیْ بِمَا یَأْتِیْ وَیَجْرِیْ وَتُعْلِمُنِیْ فَاَقْصِرُ عَنْ جِدَالِ

اور جو کچھ اس ماہ یا سال میں واقعات ہونے والے ہوتے ہیں
اس کی مجھ کو خبر دیتے ہیں، پس اَے معترض! اِس میں بحث وتر ددنہ کر

خبر دیتے ہیں مجھے ہر آن کی عیش کی غم کی شکست وشان کی
یہ نہیں فضل خدا پر کچھ محال چھوڑ دے اے معترض سب قیل وقال

اِس شعر کی کچھ تشریح گزشتہ شعر کے ماتحت گزر چکی ہے اور کچھ مختصراً یہاں پر بیان کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس ارشاد میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے فرمانِ غوثیت کا یہ ترجمہ ہوگا کہ تمام زمانوں ۔۔یا۔۔مہینوں ۔۔یا۔۔سالوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں گزرتا جو پہلے میرے پاس نہ آتا ہو اور جو کچھ اس میں ظاہر ہونے والا ہوتا ہے، اُس کی مجھے اطلاع نہ دیتا ہو۔ پس اَے مخاطب! اِس امر کی صداقت میں بحث نہ کر اور اپنے قلب مضطر اور تخیل متر دد سے بدعقیدہ اور متغیر الحال نہ ہو، ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ بفضلہٖ تعالیٰ راستی و درستی پر مبنی ہے، کیونکہ غوثِ وقت کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ ایسے حالات سے آگاہ ہوتا ہے۔ اور اگر اُس پر یہ راز نہ کھلے تو وہ اپنے اختیارات پر متصرف نہیں ہوسکتا، جس طرح کسی عدالت کے جج ۔۔یا۔۔مجسٹریٹ کو مخصوص دفعاتِ تعزیرات کے اختیارات ہوتے ہیں اور ہر موقعہ پر اپنے حال کے مطابق وہ اختیارات استعمال کرتا ہے، اِسی طرح یہ تعلق الٰہی کی دُنیا بھی اپنے احکم الحاکمین کی عنایات کے ماتحت علیٰ قدر مراتب کچھ اختیارات خصوصی رکھتی ہے جن کو عند الضرورت نافذ کرتی رہتی ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ یہ ظاہری سلطنتیں اپنی بقا کے لیے ان بندگانِ خدا کے اشاروں کی محتاج ہوتی ہیں۔ غوث وقت کے لیے ان سلطنتوں اور سلاطین کا تغیر وتبدل ایک نہایت معمولی چیز اور ادنیٰ سی طاقت کا شاہکار ہوتا ہے اور ایسے بے شمار واقعات ہیں جو تواریخ دُنیا سے ثابت ہیں جن کے اندراج کی یہاں گنجائش نہیں۔ البتہ اس کی چند مثالیں پیش کر دی جاتی ہیں کہ وقت پر اس جماعت کا تصرف کیسے ہوتا ہے اور کیونکر یہ اس پر متصرف ہوتی ہے۔ چونکہ بعض لوگ اولیاء اللہ کی طاقت کا اندازہ نہ لگا سکنے سے یہ کہہ کر معترض ہوتے ہیں کہ یہاں بندے کی کیا طاقت جو کارخانہء قدرت میں دخیل ہو سکے اور دم مار سکے، مگر یہ نہیں جانتے کہ کارخانہء قدرت

کے منتظم اوراس کو اپنے اختیارات کے ماتحت چلانے والے ہی یہی لوگ ہیں، تو پھر ارادۂ الٰہی میں اور ان میں تفاوت کیونکر ہو۔

بھلا معترض کو یہ پوچھا جائے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی جو نمازِ عصر مقامِ صہبا درۂ خیبر میں قضا ہوئی تھی اور بحکم سرکارِ رسالت مآب ﷺ غروب شدہ آفتاب وقتِ عصر پر واپس آیا تھا تاکہ سرکار علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نماز اَدا فرمالیں۔۔یا۔۔مکے کی پہاڑیوں پر کھڑے ہوکر چاند کو آسمان پر دو ٹکڑے کر دیا تھا۔۔یا۔۔بوقت بیانِ معراج شریف کفار کے منسوب بکذب کرنے کے لیے غروبِ آفتاب سے قبل ایک قافلہ کے مکہ میں داخل نہ ہونے پر بہانہ تراشا تھا اور سورج کو ایک ہی مقام پر قافلہ کے مکہ میں داخل ہونے تک مقیم کر دیا گیا تھا تاکہ کفار کو موقعہ نہ ملے کہ وہ نبی ﷺ پر کوئی نسبتِ کذب قائم کرسکیں، یہ سب اوقات پر اختیاراتِ خصوصی کا استعمال کس طاقت کا مظاہرہ ہے، پھر اگر سرکارِ مدینہ ﷺ کی غلامی کی طفیل ایسے کام اولیاء اللہ واقطاب واغیاث کر کے دکھادیں۔۔یا۔۔کردکھانے کے مدعی ہوں، تو اس پر کیا استحالہ لازم آتا ہے۔ یہاں پر چند مثالیں ملاحظہ ہوں جن سے یہ پتا چل جائے کہ سرکارِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کا یہ دعویٰ کیونکر قابل پذیرائی ہوسکتا ہے۔

وقت بدلوا دیا:

ایک دفعہ ایک سوداگر جس کا نام ابوالمظفر الحسن تھا، حضرت شیخ حماد الدباس کے پاس گیا اور کہا کہ قافلہ تیار ہے اور میں عازمِ شام ہونے والا ہوں، سردست سات سو اشرفیاں اور اسی قیمت کا سامان ساتھ لیے جارہا ہوں۔ حضرت حماد الدباس نے فرمایا کہ تم اپنے سفر کا ارادہ ملتوی کردو، ورنہ ڈاکوؤں سے نقصان اُٹھاؤ گے اور خود بھی مارے جاؤ گے۔ ابوالمظفر یہ سن کر نہایت رنجیدہ ہوا اور سوچنے لگا کہ سفر نہایت ضروری ہے، کیا کیا جائے، یہی سوچتے ہوئے واپس آرہا تھا کہ راستہ میں سیدنا غوث الاعظم مل گئے اور دریافت فرمانے لگے کہ مغموم کیوں ہو۔ ابوالمظفر نے سارا واقعہ عرض کردیا، آپ نے فرمایا: یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں، شوق سے سفر کرو، شام کو جاؤ اور نفع اٹھاؤ، تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور بخیر وعافیت واپس آؤ گے۔ ابوالمظفر الحسن کو یہ سن کر اطمینان ہوا اور اپنا سامانِ سفر وتجارت لے کر شام کو روانہ ہوگیا، شام میں نفع بہت حاصل کیا۔ سات سو کا مال ایک ہزار اشرفیوں میں فروخت ہوا، وہاں سے حلب گئے اور وہاں کسی جگہ وہ ہزار اشرفیاں بھول گئے۔ ایک جگہ پہنچ کر نیند جو غالب ہوئی تو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ حلب کے بدوؤں نے قافلہ پر حملہ کردیا ہے اور نہ صرف دل کھول کر قافلہ کو لوٹا ہے بلکہ قافلہ والوں سے بعض کو قتل بھی کردیا ہے جن میں مقتول ایک یہ ابوالمظفر الحسن خود بھی ہے، گھبراہٹ سے آنکھ

کھل گئی اور اُٹھ بیٹھا، پھر یاد آیا کہ وہ اپنی اشرفیاں حلب میں بھول آیا ہے، پھر دوبارہ گیا، جہاں رکھی تھیں وہیں سے مل گئیں، اپنا مال لے کر سفر سے واپس بغداد آئے تو دِل میں متردد ہوئے کہ دونوں بزرگوں سے پہلے کس سے ملوں، اِسی خیال میں ابھی تھے کہ اتفاقاً بازارِ سلطانی میں شیخ حماد الدباس مل گئے اور اَز خود فرمانے لگے کہ تم متردد نہ ہو، پہلے حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی ہی سے ملو کہ وہ محبوبِ سبحانی ہیں اور انہوں نے تمہارے حق میں ستر ۷۰ بار دُعا مانگی ہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ رب العزت نے تمہارے واقعہء بیداری کو خواب میں منتقل کر دیا۔ چونکہ ابوالمظفر سب کچھ خواب میں دیکھ چکا تھا، اس لیے شیخ حماد الدباس کے ارشاد سے بہت متاثر ہوا اور حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضور نے صورت دیکھتے ہی فرمایا کہ کیا شیخ حماد الدباس تم کو ملے تھے اور سیدھا میری طرف آنے کو فرمایا تھا، واقعی میں نے تمہارے لیے ستر ۷۰ بار دُعا کی تھی جو مقبول ہوئی اور تمہارا واقعہ بیداری کا خواب میں منتقل ہو گیا۔

انہدامِ مسافر خانہ کی قبل اَز وقت خبر:

ایک روز آپ کی زیارت کے لیے بہت سے آدمی جمع ہو گئے اور مسافر خانہ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے، آپ کو جو علم ہوا تو عجلت کے ساتھ لوگوں کو مخاطب فرمایا کہ جلد نکلو اور دوڑ کر میرے قریب آؤ، لوگ فوراً عاجلانہ حیثیت سے اُٹھے اور آپ کے پاس پہنچ گئے، جب سب مسافروں سے مسافر خانہ خالی ہو گیا اور اُس میں کوئی ایک مسافر بھی نہ رہا تو اُس کی چھت دھڑام سے نیچے گر گئی، حالانکہ اُس وقت اُس چھت کے گرنے کا کوئی بعید تر اِمکان بھی نظر نہ آتا تھا، مگر آپ کو وقت نے اطلاع کر دی کہ یہ چھت عنقریب گرنے والی ہے اور آپ اپنے آرزومندان دیدار فیض آثار کو یہاں سے نکال لیجیے ورنہ سب کے سب نیچے دب جائیں گے۔

آخری وقت کی اطلاع:

آپ کے مدرسہ میں ایک عجمی شخص بھی زیر تعلیم تھا جو فقہ پڑھتا تھا مگر نہایت کند ذہن اور غبی تھا، اتنا غبی کہ بار بار سمجھانے اور انتہائی محنت کے باوجود بھی اُس کے ذہن میں بات بڑی مشکل سے آتی تھی، نہ صرف اساتذہ اور طلباء اُس کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے بلکہ وہ خود بھی سمجھنے لگا تھا کہ علم کی نعمت میری قسمت میں نہیں ہے۔ ایک دفعہ سرکار غوث الاعظم خود بہ نفس نفیس بیٹھے اُس کو سبق پڑھا رہے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب ابن سمحل آپ سے ملاقات کو تشریف لائے اور دیکھا کہ آپ اس طالب علم سے بہت محنت فرما رہے ہیں تا کہ وہ سبق سمجھ جائے مگر وہ نہیں سمجھتا، بہت متعجب ہو کر فرمایا کہ اتنے غبی اور بے سمجھ سے یہ اتنی مغز زنی کرنے کی کیا ضرورت ہے، اگر نہیں سمجھ سکتا تو اُس کو چھوڑ دیجیے، آپ

نے فرمایا: اب یہ مغز زنی اور محنت مجھے زیادہ دیر نہیں کرنی پڑے گی، کیونکہ اس کا آخری وقت قریب آگیا ہے اور ایک ہفتہ کے اندر ہی اندر اس کا انتقال ہو جائے گا، جب یہ خود ہی اِس دُنیائے فانی سے دار البقاء کو سدھارنے والا ہے تو میں اب تھوڑے دنوں کے لیے کیوں اس کی دِل شکنی کروں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ شخص اُسی ہفتہ کے اندر اندر فوت ہو گیا۔

واقعاتِ آئندہ کی تصریح:

شیخ خضر حسین موصلی ایک وقت میں آپ کی خدمت بابرکت میں موجود تھے جو تن تنہا درویشانہ زندگی گزار رہے تھے، آپ نے اُن کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب تم فوراً موصل چلے جاؤ، تمہارے صلب میں اولاد موجود ہے جو موصل پہنچ کر معرض وجود میں آئے گی، سب سے پہلے تمہارے ہاں ایک لڑکا محمد نامی پیدا ہوگا جس کو سات ۷ برس کی عمر میں بغداد ہی کا ایک نابینا حافظ کلام اللہ شریف کی تعلیم دے گا اور زیادہ عرصہ نہیں بلکہ صرف سات ۷ ہی ماہ میں اُس کو قرآن کریم حفظ کرا دے گا۔ اُس کے بعد تمہاری عمر جب ۹۴ سال کی ہو جائے گی تو تم اربل میں وفات پاؤ گے اور تمہاری یہ وحشت و بے حوشی مرنے سے قبل کچھ ہی دُور ہوگی اور تمہارے ہوش وحواس قائم ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ واقعات اُسی طرح ظہور پذیر ہوئے جو ارشاد فرمایا گیا تھا، جس سے پتا چلتا ہے کہ حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے ہر چیز آئینہ تھی اور جہاں تک کسی کا طائرِ تصور بھی نہ پہنچ سکے، وہاں تک آپ کی نگاہِ کرم کام کرتی تھی۔ جدھر نگاہ اٹھی سب کچھ دیکھ لیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میں مملکتِ الٰہیہ کو اس طرح دیکھتا ہوں جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ۔ ہر وقت آپ کی نظریں لوحِ محفوظ کے اسرار پر رہتی تھیں اور کسی کے چہرہ پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر اُس کے گزشتہ و آئندہ کے واقعات آن کی آن میں بیان فرما دینا نہایت معمولی سی بات ہوتی۔

خادمِ قدیم کی طوالتِ عمری:

آپ کے ایک مخلص خادم شیخ ابو عبد اللہ محمد تھے جو ایک عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہے۔ آپ کی عادتِ شریفہ میں داخل تھا کہ جب اُس کو بلاتے، محمد طویل کے نام سے بلاتے۔ کبھی اصلی نام سے مخاطب نہ فرمایا، ایک دن شیخ ابو عبد اللہ محمد نے عرض کی کہ حضور میں تو تمام خدام میں پستہ قد اور قصیر القامت ہوں، لیکن آپ مجھے طویل کہہ کر پکارتے ہیں، مجھے اس کی سمجھ نہیں آئی۔ حضور نے جواب میں فرمایا: اِس میں سمجھنے کی کون سی بات ہے، تُو طویل العمر اور طویل الاسفار ہے، اس لیے میں تجھے محمد طویل کہہ کر پکارتا ہوں، پس شیخ ابو عبد اللہ سن کر خاموش ہو رہے، بات آئی گئی ہوگئی مگر بعد میں آپ کا ارشاد یوں پورا ہوا کہ شیخ ابو عبد اللہ محمد نے ایک سو سینتیس ۱۳۷ برس کی عمر پائی اور بلادِ عالم کی بے حد سیاحت کی۔

آخر کیوں نہ ہوتا، یہ اُس غوث کا ارشاد تھا جو عمروں میں تصرف کرنے اور سب کی موت وزندگی کا علم رکھنے والا نبی الانبیاء اور محبوبِ خدا ﷺ کا نواسہ تھا۔

تاریخ یمنی میں ایک بڑا عجیب واقعہ لکھا ہے کہ پنجاب میں بھٹنڈہ کے رہنے والے ایک بزرگ حاجی بابا رتن رحمۃ اللہ علیہ وہ بزرگ ہیں جن کو سرکار دوعالم ﷺ کی خدمتِ مبارک میں بہ نفسِ نفیس باریابی کا موقعہ ملا ہے، چنانچہ وہ اپنی حاضری دربارِ رسالت ﷺ کا تذکرہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ بندہ زمانہ ابتدائے اظہارِ نبوت میں حاضر حضور ہوا اور دیدار سے شرف بخشا گیا، جب میں حضور میں جا کر بیٹھا تو سرکارِ دوعالم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے دودو کھجوریں جوڑ کر گٹھلی نکال کر تین ۳ بار (چھ کھجوریں) میرے منہ میں ڈالیں اور ہر بار فرمایا۔۔۔ بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ فِیْ عُمُرِکَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیری عمر میں برکت فرمائے۔ اُس تین ۳ بار حضور ﷺ کے ایسا ارشاد فرمانے کا اثر یہ ہوا کہ حاجی صاحب بابا رتن رحمۃ اللہ علیہ کی عمر چھ سو بتیس ۶۳۲ سال کی ہوئی۔ ہندوستان۔۔یا۔۔پنجاب کے یہ ایک وہ بزرگ ہیں جن کو شانِ صحابیت حاصل ہے اور آپ کا مزار شریف بھٹنڈہ میں مشہور ومعروف ہے۔ سبحان اللہ! ایسے نبی دوعالم سرورِ اعظم ﷺ کے ظل بھی ایسے ہی ہونے چاہیے تھے۔

قلندراں کہ بہ تسخیر آب وگل کوشند | زشاہ باج ستانند وخرقہ می پوشند
بجلوت اند وکمندے بہ مہر دعا پیچند | بخلوت اند وزمان ومکاں در آغوشند
بروز بزم سراپا جو پرنیان وحریر | بروز رزم خود آگاہ وتن فراموشند

نظام تازہ بچرخ دورنگ می بخشند
ستارہ ہائے کہن را جنازہ بر دوشند

ترجمہ:۔۔۔ حضرت علامہ اقبال مرحوم کی زبان سے سنیے، فرماتے ہیں: درویش پانی، مٹی، ہوا اور آگ پر حکم چلاتے ہیں۔ بادشاہ اُن کے باجگزار اور وہ خود اپنی گوڈری کے نیچے ہزاروں سلطنتیں لئے ہوئے۔ اُن کے تصرف کی کمند سورج اور چاند پر اور اُن کی حکمرانی زمین وآسمان کی وسعتوں اور سالوں اور مہینوں کی نیرنگیوں پر ہے۔ محفل میں اُن کی زبان سے پھول جھڑتے ہیں اور جلوۂ محبوب کے میدان میں اپنا آپ بھول کر اپنے آپ سے آگاہ ہوتے ہیں۔ الٹی سیدھی چال چلنے والے آسمان کا نظام تبدیل کرنے والے یہی لوگ ہیں اور پرانے ستاروں کی گردش کا خاتمہ انہی کے اشارۂ ابرو کے ماتحت ہے۔

جام ہژدہم۔۔۔پیام اعظم شانی

مُرِیدِیْ هِمْ وَطِبْ وَاشْطَحْ وَغَنِّی وَافْعَلْ مَا تَشَاءُ فَالْاِسْمُ عَالٍ

اَے میرے مرید قصد کر اور خوش ہو اور بے پرواہ و بے نیاز ہو جا اور جو چاہے کر، کیونکہ میرا نام بلند ہے

اَے ارادتمند ہمت کر عزیز بے نیازی کو ہمیشہ رکھ تمیز
ہو کے خوش جو چاہے دل سے کر سدا نام سے میرے تُو ہو گا باخدا

اِس شعر میں حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اپنے ارادت مند کو ایسی تسکین اور طمانیت فرماتے ہیں جس سے وہ اپنے مستقل کے متعلق مطمئن ہو جائے، کیونکہ بحکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔الدنیا مزرعة الآخرة ۔۔۔ہر شخص کو یہ دھیان ہوتا ہے کہ میری اگلی زندگی کا کیا انجام ہو گا اور جس راہ کو میں اختیار کیے ہوئے ہوں، اُس سے حقیقت کی منزل مجھے ملے گی۔۔۔یا۔۔نہیں، اور دربارِ رب العزت میں پیش ہوتے وقت۔۔۔یا۔۔ دُنیا سے کوچ کرتے وقت میرا حشر کیا ہو گا، کہیں نفس و شیطان کے پنجے میں گرفتار ہو کر۔۔۔یا۔۔دُنیا کی لذتوں میں سرشار ہو کر بھٹک تو نہ جاؤں گا۔ مرید کے اِس خدشہ و خطرہ کو دُور کرنے کے لیے حضور ارشاد فرما رہے ہیں کہ اَے میرے مرید! سرشار عشق الٰہی ہو، خوش رہ اور بے فکری سے جو چاہے الاپ اور جو تیرا دِل چاہے کر، کیونکہ تیری اعانت و حفاظت کو میرا نام بلند کافی ہے۔۔۔یا۔۔۔یوں ترجمہ کیجیے کہ۔۔۔

اَے میرے مرید! قصدِ حصول معرفتِ الٰہی کر اور عشق الٰہی میں مست ہو جا، تمام قبض و بسط کی کیفیتوں میں اور حالتوں میں خوش رہ، منازل کی لغزشوں سے بے پرواہ اور بے نیاز بن۔ خدا کے اسرار کو بطور حمد بیان کرنے کے بعد جو چاہے کر اُس وقت تیرا کوئی فعل قابل اعتراض نہ ہو گا، کیونکہ تیرا سارا عمل شریعت کے تابع اور تیرا تمام کام مشیتِ ایزدی کے ماتحت ہو گا۔ جس کام میں مجھے یاد کرے گا میں تیری مدد کروں گا اور میرے نام کی بلندی سے تُو مراد حاصل کرے گا۔

۔۔نیز۔۔اس شعر کے معنوں میں بعض بزرگان دین نے لکھا ہے کہ یہ الفاظ، عرفان، ہیمان، طیب، شطح، غنا، یہاں پر تو اپنے لغوی معنوں کے لحاظ سے کسی اور رنگ میں بیان ہوئے ہیں مگر درحقیقت یہ منازل معرفت کا تذکرہ ہے۔ جن کے طے کرنے کی جانب اشارہ ہے، مثلاً:

درویش جب تقویٰ و پرہیز گاری میں بہت حد تک ترقی کر جائے اور مطلوب کے اشتیاق و ارادت

میں اِس حدتک مغلوب الحال ہو جائے کہ صبر وسکون سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے تو اس مرتبہ ءمحبت کو 'ہیمان' کہا جاتا ہے۔ اِس سے آگے چل کر جب درد و بیقراری دُور ہو جائے اور سرور وانبساط کو پائے تو یہ نتیجہ طمانیت (طیب) کہلائے گا۔ پھر اِس مقام پر بعض راہروؤں سے کلمات وفکاہات اور اظہارِ فخر ومباہات ہو کر اُن دعوؤں کا اِدعا پایا جاتا ہے جو اذن خدا کے بغیر ہوتے ہیں۔ ان لغزشوں اور رعونتوں کا نام 'شطح' ہے اور یہ منزل 'طیب' کے بعد آتی ہے، کیونکہ سالک اس منزل کے کمالات وتصرفات کو اپنی طرف منسوب کر کے دھوکا کھا جاتا ہے۔ اس منزل شطح سے آگے 'غنا' کا درجہ ہے، جہاں اظہار دعویٰ کی بھی پرواہ نہیں رکھتا، کیونکہ ذاتِ الٰہی میں فنا ہوتا ہے۔

تو اس شعر کا مطلب مرید مخلص کو ایک گونہ وہ اطمینان دینا ہوتا ہے جس سے اپنی ارادتِ صادقہ کے ماتحت مرید اس راہ میں ایسا چلے کہ اسرارِ حقیقت کے اظہار میں کسی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انجام سے بے نیاز ہو جائے، کیونکہ ایسے اولوالعزم شیخ کا اسمِ بلند اُس کی پرواز کے لیے ہر مقام مقصود کی کمند ہے۔
لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تمام اطمینان کے الفاظ ہیں کس کے لیے اور مرید سے کیا مراد ہے، اس کی کچھ تشریح گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے اور کچھ یہاں کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ مرید کا پہلا فعل ارادت ومحبت ہے جس میں یہ دونوں نہ پائی جائیں وہ خود غرض اور مکار ہے۔ حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ مرید سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ میری زندگی ۔۔یا۔۔ وفات کے بعد مجھ سے محبتِ مخلصانہ اور ارادتِ معتقدانہ رکھے۔
مگر ارادت کی شرط یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی متابعت کرے اور کفر وشرک ومعاصی سے مجتنب رہے۔ جو احکامِ شرع کا تابع نہیں وہ ارادتمند نہیں ہو سکتا، کیونکہ جس نے بیعت کے بعد احکامِ شیخ سے سرتابی کی اور تساہل برتا وہ بدعہد اور فریبی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ نے چند باتوں میں ارادتمند کو پابند بنا دیا ہے تا کہ اس کو اپنی ارادت کی تمیز حاصل ہو، مثلاً:

۱۔ مرید بیعت کے بعد اپنا ارادہ نہ رکھے۔
۲۔ مرید شیخ کے ہاتھ میں ایسے ہو جیسے میت غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔
۳۔ بیعت کے بعد اختیار پیر کے ہاتھ میں ہے، جو اُس کے لیے مناسب حکم کرے گا اُس کو اُس پر عمل کرنا ہوگا۔
۴۔ ایک دفعہ بیعت کے بعد مرید پھر نہیں سکتا، اگر سو۱۰۰ جگہ بھی جائے تو بیعت پہلی ہی ثابت ہوگی، مگر اُس وقت کہ جب شیخ مرد میدان نہ ہو، کیونکہ فقراء نے لکھا ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا

نکاح ہوتا ہے، تاوقتیکہ خاوند نامرد نہ ہو، عورت نکاح فسخ نہیں کراسکتی۔

۵۔ شیخ کے ہاتھ پر سچی توبہ کر کے عہد کرے کہ میں تمام احکام کی تابعداری کروں گا، اعمال طریقت کو بجالاؤں گا، اور منہیات و منکرات سے پرہیز کروں گا۔

۶۔ پیر کا زندہ ہونا اور مرید کا بالغ ہونا بیعت کے لیے ایک ضروری شرط ہے۔

۷۔ بچپن میں ماں باپ۔۔یا۔۔بھائی بہن کا بیعت کرادینا۔۔یا۔۔رسمی طور پر بے خبری میں خود بیعت ہوجانا معتبر نہیں، مکرر بالغ اور باخبر ہوکر جہاں چاہے بیعت ہوسکتا ہے۔

۸۔ اِسی طرح مست کی بیعت کا حکم ہے کہ وہ درست نہیں، کیونکہ بیعت میں 'تصفیہ' شرط ہے اور مست میں تصفیہ نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

فَاِلْاِسْمُ عَالٍ فرما کر سرکار غوثیت مآب کا یہ ثابت فرمانا مقصود ہے کہ ایک مخلص ارادت مند کے لیے شیخ کی بلندی کیسی ہو، جب مرید پوری پوری تابعداری سے کام کرلے اور کامیاب نہ ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ شیخ میں کوئی کمی ہوگی، کیونکہ ہر شیخ بھی تو شیخ کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض وہ لوگ ہیں جو خود نامرد اور مردوں کے راہزن ہوتے ہیں۔ لہٰذا لازم آیا کہ شیخ بھی سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی طرح اسرار کا جاننے والا اور مندرجہ ذیل تعریف و توصیف کا حامل ہو۔

۱۔ بعض بزرگان دین نے لکھا ہے کہ مرشد وہ ہے جو پہلی نگاہ سے طالب کے ہفت اندام کو پانی کی طرح پاک کردے اور دوسری نگاہ سے دربارِ رسالت میں پہنچادے تاکہ طالب کو ساری عمر میں ریاضت کی ضرورت نہ رہے۔

۲۔ بعض نے فرمایا کہ مرشد وہ ہے جو مجاہدہ میں مشاہدہ منکشف کرائے۔

۳۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرشد وہ ہوتا ہے کہ اگر اس سے کوئی طالب، مراتب قطب وغوث طلب کرے تو وہ دے سکے اور اگر لوح محفوظ کا مطالعہ، روشن ضمیری، مقام فنافی اللہ، ہر چیز پر غلبہ، شاہانہ مراتب، دنیوی خزانہ پر تصرف کا متمنی ہو، تو بھی دے سکے۔

۴۔ حضرت سید الطائفہ نے فرمایا کہ مرشدِ کامل وہ ہے کہ اس کی توجہ سے طالب کے وجود میں محبت الٰہی پیدا ہو اور انوارِ الٰہی طالب کے دِل پر جلوہ گری کریں، ایک توجہ سے اُس کو ماسوا اللہ سے نکال دے اور راہِ باطن اُس کے سامنے کردے، مشاہدۂ حقیقی ولذتِ حقیقی اُسے بے حجاب حاصل ہو، جس میں مستغرق رہے۔

۵۔ مولانا عبدالغفور قادری کہتے ہیں کہ جو مرشد مرید کے وجود سے یہ سات ۷ چیزیں علیحدہ کر

دے وہ مرشد کہلانے کا مستحق ہے ورنہ نہیں۔

(۱)۔۔۔حرص۔(۲)۔۔۔حسد۔(۳)۔۔۔کبر وریا۔(۴)۔۔۔غرور نفس۔

(۵)۔۔۔خواب وغفلت (۶)۔۔۔معصیت وگناہ۔۔۔(۷)۔۔۔جہالت۔

۶۔ علاؤالدین مظہری فرماتے ہیں کہ جو مرشد حضور کے مرتبہ کو نہ پہنچا سکے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تلقین نہ دلا سکے وہ گمراہ ہے۔ جو شخص خود صاحبِ حضور ہو اُس کے لیے طالب کو حضوری کر دینا کوئی مشکل کام نہیں۔ پس رسول خدا ﷺ کی حضوری کے بغیر راہبری اور پیشوائی کرنا خود گمراہ ہونا اور دوسروں کو گمراہ کرنا ہے۔

۷۔ حضرت شبلی وجنید رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ مرشد وہ ہے جو متبع شریعت اور ماحی بدعت ہو، کیونکہ طلب حق دَر حقیقت متابعتِ حضور نبی کریم ﷺ ہی میں مضمر ہے، جو شخص شیخ زادگی کے بھروسے اپنی راہنمائی کا دم بھرے گا وہ طالبانِ حق کا راہزن ہے ۔۔نیز۔۔فرماتے ہیں: اذا رئت صوفیا ولم یکن بین یدیه تفسیر وعلی یمینیه احادیث وعلی شماله کتب الفقه تعلم انه شیطان وما صدر عنه مکر واستدراج۔ یعنی جب تو کسی صوفی کو دیکھے کہ اُس کے سامنے تفسیر، دائیں ہاتھ میں حدیث اور بائیں جانب فقہ کی کتابیں نہ ہوں، تو تُو سمجھ لے کہ وہ شیطان ہے اور جو کچھ اُس سے ظاہر ہوتا ہے وہ مکر واستدراج ہے۔، ابیات:

مرد مرشد میرساند خاص نور — روز وشب در طلب نبوی با حضور

ہر کہ منکر میشود زیں خاص راہ — عاقبت کافر شود باروسیاہ

مرشد کامل خود صاحب قلب — مرشد ناقص بود ہمچوں کلب

مرشد کامل کند از دل خروش — مرشد ناقص بود از خود فروش

۸۔ صاحبِ سراجدین لکھتے ہیں کہ مرشدِ کامل وہ ہے جو طریقت کے یہ چاروں مراتب جن میں بھٹکنے کا خوف ہے، سلامتی سے مرید کو عبور کرادے۔

(۱)۔۔۔محض نفس سے کشف وکرامات کا ظہور میں آنا اور درویش کا مسرور ہونا۔(۲)۔۔۔ رجوعاتِ خلق یعنی لوگوں میں ایسی قبولیت کہ اُس کے پیچھے پھریں۔(۳)۔۔۔چرندو پرند کا مسخر کرلینا۔(۴)۔۔۔عالمِ بالا کی وہ سیر جس میں ناسوت وجبروت اور ملکوت کے مقامات کا مشاہدہ ہو اور یہ اپنے آپ کو غوث وقطب گمان کرنے لگے۔ حالانکہ عرش سے تحت الثریٰ

تک بے شمار مقامات ایسے ہیں جن کا انتہائی مرتبہ حقیقت سے محروم ہونا ہے۔

۔۔۔فقیر کہتا ہے کہ یہ سب اوصاف مجموعی طور پر جس مرشد میں موجود ہوں، وہ مرشد کامل ہے اور وہی بیعت کا استحقاق رکھتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام نوزدہم۔۔۔غلبۂ ایمانی

مُرِیدِیْ لَا تَخَفْ اَللّٰہُ رَبِّیْ　　　عَطَانِیْ رِفْعَةً نِلْتُ الْمَنَالِیْ

اے میرے مرید کسی سے خوف نہ کھا، اللہ میرا پروردگار ہے

اور مجھے اُس نے وہ بلندی مراتب عطا کر رکھی ہے جہاں خوف کا پہنچنا محال ہے

اَے ارادتمند غیروں سے نہ ڈر　　　آسرا مجھ کو ہے اُس کی ذات پر

جس خدا نے بخششیں ہیں عام کیں　　　اور بے حد نعمتیں انعام کیں

بڑی محبت سے خطاب ہو رہا ہے کہ اَے میرے مرید! کسی شخص، کسی بلا، کسی زبردست، کسی ظالم، کسی مصیبت اور غیر خدا سے نہ ڈر، خدائے تعالیٰ (میرا معبود) میرا پالنے والا مجھے کافی ہے، کیونکہ اُس نے مجھے وہ رفعتِ مقام عطا فرمائی ہے کہ جہاں تک اُس کی رحمت کے بغیر پہنچنا محالات سے ہے اور مجھے یوں فائز فرمایا گیا ہے کہ میں اُس رفعت کا طالب نہ تھا، بلکہ وہ خود میری تلاش میں تھی۔ یعنی بجائے اِس کے کہ میں رفعت کی تلاش کرتا، رفعت نے خود مجھے حاصل کیا۔

سبحان اللہ! حضور غوثیت مآب رضی اللہ عنہ نے ایسی خوبی سے اِس فرمان میں اپنے مدارج کا تذکرہ فرمایا ہے اور ایسی فراخ دلی سے غلاموں کو نوازا ہے جس میں وہ شانِ مؤمنانہ جلوہ فگن ہے جو حقیقتاً ایک سچے توحید پرست کا ہی حصہ ہو سکتی ہے۔ مریدوں کو (مریدی) کے لفظ سے خطاب فرما کر وہ نوازش فرمائی جس سے ایک سچے ارادتمند کے دِل میں بخشش کی ہزارہا امیدیں بندھ جاتی ہیں اور قربانی کے وہ ولولے دِل میں اُٹھتے ہیں کہ اُن کا جذبہ اپنے ارادہ کو فنا کر کے ایسے پیر کے قدموں میں مٹ جانے کا متمنی ہو جاتا ہے، شعر:

در دو عالم پیر باشد نور جاں   نا توانی نور او در جاں فشاں

۔۔۔کیونکہ سچے مرید کی صفت ہی یہی ہے کہ اپنے ارادے کو فنا کر کے پیر کے ارادہ سے سرشار ہو جائے اور اپنی طرف سے کچھ بھی نہ سمجھے۔

مگر یہ یاد رہے کہ پیر کے رنگ میں رنگا جانا اور مریدی کے خطاب کو اپنی ذات کے لیے منسوب سمجھنا ہر غرض پرست آنے والے کا کام نہیں، اور نہ اِس دولتِ عظمیٰ کے حصول کی توفیق ہر ہوش پرست پا سکتا ہے۔ یہ کلاہِ نیاز مندی سر پر رکھنا اور اتباع کے میدان میں ہر قربانی کے لیے تمیز گنوا کر ہر جگہ پر شیخ ہی شیخ کو دیکھنا کسی دِل گردہ پر منحصر ہے۔ اِسی لیے اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ مرید کی تین ۳ قسمیں ہیں۔۔یا۔۔ مرید تین ۳ قسم کے ہوتے ہیں جو اپنے اعمال وعقائد کے لحاظ سے شیخ سے نفع اُٹھاتے ہیں۔

اوّل، **مرید پناہ:**۔۔۔ یہ وہ شخص ہوتا ہے جو خود شریعت پر تو قائم ہو اور کسی بزرگ سے دِلی عقیدت بھی رکھتا ہو مگر یہ سب عقیدت اغراض دینی و دُنیوی کے لیے ہو، بیعت نہ کی ہوئی ہو، حالانکہ لازم ہوتا ہے کہ اگر کسی بزرگ سے عقیدت ہو جائے تو اس کی بیعت کر لے تا کہ اُس کی عمر ضائع نہ جائے۔

دوم، **مرید راہ:**۔۔۔ یہ وہ شخص ہے کہ شریعت محمدی کے فضائل کا ظہور یافتہ ہو کہ کسی بزرگ سے بلا غرض دُنیا کے سلوک کا راستہ بھی دریافت کر لے مگر بیعت نہ کرے۔

سوم، **مرید اِلٰہ**۔۔۔ یہ وہ شخص ہے جو اپنا دِل اور ہاتھ پیر کے ہاتھ میں دے چکا ہو اور اپنے آپ سے گزر کر اپنے شیخ کے اخلاق کی مدد سے جو اخلاق اللہ کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں، جنابِ اِلٰہی سے تحقیق النسبت ہو جائے اور اپنے سلوک سے دن بدن یہ مفہوم کرے کہ میں نے 'رتبۂ وصول' حاصل کرنا ہے۔

اِن تینوں قسموں کے مریدوں میں سے پہلی قسم کا مرید تو محض مقلد ہوتا ہے، دوسری قسم کا بھی ہوتا تو مقلد ہی ہے مگر یقین کے لیے اپنے پاس پورے پورے استدلال رکھتا ہے، تیسری قسم کا مرید حقیقی مرید ہوتا ہے، کیونکہ اُس کی تمنائے حقیقی ذاتِ اِلٰہی کا وصل ہوتی ہے اور اس مرید اصلی سے مراد خدائی مرید ہے جو عشقِ حقیقی میں اپنے تن اور جان دونوں سے گزر جاتا ہے، شعر:

ایں بود آئین شیران خدا   الفناء فی البقاء وفی البقاء

دَرحقیقت حضور کے اِس شعر میں بھی ایسا ہی مرید مراد ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیے، مگر سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی یہ کرم گستری و ذرّہ نوازی ہے کہ اپنے فیضِ عام سے ہر قسم کے مریدین کو اِس میں ڈھانپ لیا ہے جس سے بہت سے سیاہ کار بھی حصولِ مقصد کے لیے اُس فیض کے امیدوار ہو گئے ہیں اور بہت

سے ناداروں اور ناکاروں نے بھی اُس کے جامِ غوثیت سے قطرہ پالینے کا استحقاق سمجھ لیا ہے، مثنوی:

رحم فرما ساقیا بر حال ما　　　گرچہ بس داریم خود نظرے نما
خشک کامم قطرۂ از جود خویش　　　تا کہ تر گردو زفیضت جاں بکیش
محی دین چوں نام تو عالی بود
زندگی در جان ما از تو رسد

معلوم ہوا کہ **مریدی** کی اضافت اپنی جانب لانے میں مریدین کے لیے ہزار ہا ڈھارسیں اور لکھو کھہا پناہیں ہیں۔آپ کو مریدین سے اِس قدر اُلفت ہے کہ ہر پہلو سے اُن کے لیے سرفرازی بخشی جارہی ہے۔آپ نے کئی قصائد میں بار بار فرمایا ہے کہ اگر میرا مرید کہیں بھی ہو میں اُس کی امداد کے لیے پہنچ جاتا ہوں، اگر کسی منزل میں اُس کا پاؤں پھسل جائے تو اُس کو بچاتا ہوں، اگر اُس سے کوئی بُرا فعل سرزد ہو تو اُس کو توبہ پر توجہ دلاتا ہوں۔اور ایک شعر میں فرمایا کہ مرید اگر مستحکم نہیں تو میں محکم ہوں، اگر مرید جید نہیں تو نہ ہو میں تو جید ہوں۔اور **فالاسم عالٍ** کا مفہوم بھی یہی ہے۔

لا تخف فرما کر مرید کو وہ ڈھارس بندھائی کہ غیر کی تمام قوتوں سے مامون فرمادیا اور ماسوا اللہ کی تمام طاقتوں کو مٹادیا، کسی کی جرأت نہیں کہ حضور کے سچے غلام کو کوئی گزند پہنچا سکے۔۔یا۔۔ اُس کے فیض باطنی پر تصرف کر سکے، کیونکہ بحکم قرآن پاک اولیاء اللہ خوف وحزن سے بَری ہیں۔اور یہ وہ انعام ہے جو سوائے جماعتِ اولیاء کے دوسرے کو حاصل نہیں۔ جولوگ اِس حقیقت سے آشنا ہیں کہ اولیاء اللہ میں کس قدر طاقت ہوتی ہے وہ حضور کے ارشاد **لا تخف** کو بے محل اور دعویٰ بے دلیل نہیں سمجھتے۔تاریخ گواہ ہے کہ ایک ایک اللہ کا بندہ اللہ کے لیے سلطنتوں سے جا کر اُلجھتا ہے اور اعلائے کلمۃ الحق کے بند کرنے کے لیے سلطنتیں بھی اپنی پوری شان کے ساتھ مقابلہ کرتی ہیں مگر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق غالب ہوتا ہے اور سلطنتیں ایک اللہ کے بندے کو خوف زدہ کرنے کے بر عکس حق سے ٹکرا کر تباہ ہو جاتی ہیں، جیسے خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمہ کے مقابلہ میں والیان اجمیر وقنوج کا حشر ہوا۔اِسی پر علامہ اقبال لکھتے ہیں، شعر:

کیمیا پیدا کن از مشت گلے　　　بوسہ زن بر آستان کاملے

اَللّٰہُ رَبِّی کی نسبت نے اس اختیار کو اور بھی ایسا پختہ بنادیا ہے گویا یہ تمام انعام واکرام صرف عطائے باری ورحمتِ ایزدی کے ماتحت ہیں۔درویش اپنی بلندی کا جو ذکر کرتا ہے وہ دَر حقیقت اپنی بلندی نہیں بتاتا بلکہ اِکرام الٰہیہ کی بلندی کو بیان کرتا ہے، کیونکہ اہل اللہ سے نہ کوئی مدارج نبوت ومراتبِ ولایت

قائل ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے، ذاتی چیز کسی کی نہیں۔ دَر حقیقت درویش اور درویشی میں یہ سب اُسی کے جلوے نظر آتے ہیں، وہ خود ہی اپنے منظورِ نظر کو اپنی بخشش کے جذبہ میں مجذوب فرماتا ہے اور خود ہی اپنے منشاء کا اظہار کرتا ہے۔ جب تک وہ خود ہی اپنے فضل وکرم کی نسیم سے متلاشی کے دِل کی پژمردہ کلی کو نہ کھلائے، کون ہے جو اُس پردہ نشین کے دیدارِ حجاب آثار کو پائے۔ وَيَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ۔

اور **عطانی رفعة** سے صاف واضح فرمادیا کہ میری تمام بلندیاں، میرے تمام مدارج و مراتب ، میری تمام اولوالعزمیاں اور میری تمام خوبیاں میری ذاتی پیدا کردہ نہیں ہیں بلکہ اُس کی عطا کردہ ہیں جس نے اپنے لاڈلے محبوب سرکارِ مدینہ محمد رسول اللہ ﷺ کو بلاواسطہ غیرے میرا مربی بنادیا، اور اُس کی مبارک تربیت نے تمام اسرار و رموزِ محبوبیت مجھ پر واضح فرمادیے اور مجھ پر سوائے اللہ کریم اور نبی کریم کے اور کسی کا احسان نہیں۔

لفظ '**منال**' سے مراد 'وصول' ہے، یعنی کمالات کے تمام مراتب و مدارج جو ولایت کے لیے ممکن ہوسکتے ہیں، مجھے عنایت فرمائے۔ چنانچہ حضرت قبلہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو منبر پر کھڑے فرماتے سنا کہ ہر ایک ولی ایک نبی کے قدم پر ہے، اور میں اپنے جد بزرگوار محمد رسول اللہ ﷺ کے قدم پر ہوں۔ پیغمبر خدا ﷺ نے نبوت کے قدموں کے علاوہ جو قدم اُٹھایا، میں نے اپنا قدم وہاں رکھا۔

شیخ ابو محمد علی بن ادریس یعقوبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ جن اور انسان کا شیخ الگ الگ ہوتا ہے مگر میں سب کا شیخ ہوں۔ **وذٰلک فضل اللّٰہ**۔

راوی مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت سیدنا عبدالقادر رضی اللہ عنہ مرض الموت میں اپنی اولاد کو فرماتے تھے کہ میرے اور تمہارے اور تمام خلقت کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے، پس نہ کسی کو میرے ساتھ قیاس کرو اور نہ مجھ کو کسی کے ساتھ نسبت دو:

چہ نسبت کنم آں سروقد دل جورا　　　ہر چہ گویم بساز انست چہ گویم اورا

ایسے ہی دو صاحبوں ابو عثمان اور ابو محمد عبدالحق سے فرمایا کہ میں اُن میں سے ہوں کہ جن کو تم نہیں جانتے، آؤ جلدی کرو، زمین وآسمان والوں کو پکارو اور مجھ سے کچھ سیکھ لو۔ اہل عراق کے حالات میرے نزدیک پہنے ہوئے کپڑے کی طرح ہیں جس کو چاہوں پہناؤں۔ اگر تم ہزار سال سفر کرو اور مجھ سے کوئی کلمہ سنو تو برابر ہے، کیونکہ ولایت اور درجات اُسی جگہ ہیں اور اُسی مجلس میں خلعتیں عطا ہوتی ہیں۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

تو آں شی کہ کنی روقضائے مبرم　　　رابری رخطار نا شاد محنت وغم را

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام بستم ۔۔۔ بلندیٔ مکانی

طُبُوْلِی فِی السَّمَاءِ وَالاَرْضِ دُقَّتْ　　　وَشَاوُسُ السَّعَادَةِ قَدْبَدَالِیْ

میری بزرگی کا نقارہ زمین وآسمان میں بج چکا ہے

اور میری سعادت ونیک بختی کا قاصد بالتحقیق ظاہر ہو چکا ہے

بج گیا ڈنکا میری تقدیس کا　　　گڑ گیا جھنڈا میری تخصیص کا

کہہ گیا ہے مجھ کو یہ روح الامین　　　تیرے ہیں ارض وسما زیرِ نگیں

رب العزت نے اگر کوئی نعمت عطا کر رکھی ہو تو اُس کا عدم اظہار کفران نعمت ہے، نہ جاننے والوں کے درمیان اپنی اصلی اور صحیح تعریف کے ساتھ اپنے آپ کو پیش کرنا تکبر وغرور ۔۔یا۔۔ لاف زنی اور جھوٹا دعویٰ نہیں ہوتا، اور کسر نفسی کے یہ معنی نہیں کہ انسان اپنی حقیقت پر بھی انکساری وعاجزی کا ایسا پردہ ڈالے کہ بجائے عزیز ہونے کے عوام میں ذلیل ہو جائے، چونکہ اظہارِ نعمت گناہ نہیں، لہٰذا بندگانِ خدا نے ہمیشہ اپنی حقیقت کو آپ واضح کیا ہے اور اپنی شان کے مطابق آپ آداب سکھائے ہیں اور اپنی امتیازی حیثیت کا مدعی ہو کر ساری دنیا کو سمجھا دیا ہے کہ ہماری بلندیٔ شان کیا ہے اور ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے۔

چونکہ فی زمانہ بعض جاہل فقیروں نے ہر میں ہر کا سبق رٹتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہر شے خدا اور ہر شے میں حلول خدا ہے، لہٰذا سب وہی ہیں اور سب میں وہ ہے۔ ہر تخصیص وامتیاز کیسا، سب برابر ہیں، حالانکہ یہ نظریہ اِس قدر حقیقت سے دُور ہے جس کی کوئی حد ہی نہیں اور اسی کی بدولت جہانِ درویشوں میں بے شمار فتنوں کا دروازہ کھل گیا ہے۔

فقیر یہاں اِسی مضمون کے پیش نظر حضرت محبوب سبحانی غوثِ صمدانی شاہِ عرفانی، شیخ سید محی الدین

عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا شعر کی شرح پیش کرتا ہے کہ حضور نے اپنی بزرگی و بلندی کا کیونکر اظہار فرمایا ہے اور یہ شرعاً جائز ہے۔ کیونکہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے خود ہی بیان فرمایا تھا کہ میری شانِ مؤمنانہ یہ ہے اور میں پیدائشی امین پیدا کیا گیا ہوں۔ اِس سے اہل مصر پر اظہارِ حق مقصود تھا، نہ کہ بے جا غرور و تفوق۔۔یا۔۔تکبر و تعلّی۔

حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری دھوم کے نقارے۔۔یا۔۔ میری بزرگی کے طبل۔۔یا۔۔میری شہرت کے ڈھول زمین و آسمان میں بجتے ہیں، میری بلندی کے پرچم افلاک پر لہراتے ہیں اور نقیبِ سعادت کا ظہور میرے لیے ہو چکا ہے جو میرے رتبہ کو ہر چھوٹے بڑے پر پیش کرتا ہے۔۔یا۔۔ میرے جلو میں پکارتا ہے۔

'طبولی' کا مفہوم محاورات و عام زباندانی کے لحاظ سے صرف شہرت ہو سکتا ہے اور شہرت بھی وہ جس کا احاطہ بہت وسیع ہو، جیسا کہ محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں کی سعادت کا سکہ بیٹھ گیا ہے۔۔یا۔۔ اُس کا طوطی بولتا ہے۔۔یا۔۔اُس کی دھاک بندھ گئی ہے۔۔یا۔۔زمانہ میں اُس کا ڈنکا بج گیا ہے۔۔یا۔۔اُس کے شادیانے اور نقارے چارکوٹ۔۔یا۔۔کونے کونے میں بج رہے ہیں۔ یہ تمام جملے کسی فوقیت پر بولے جاتے ہیں جو امتیازی طور پر کسی میں پائی جاتی ہو، لہٰذا غوث الاعظم بھی جملہ اولیاء اللہ کے مقابلے میں اپنی اُس امتیازی حیثیت کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ اولوالعزمی حاصل ہے کہ میری عالی مرتبگی اور بلندئ پرواز کا چرچا آسمانوں میں ہے اور میرے تصرفات ارواح و ابدان میں پائے جاتے ہیں۔

'**طبولی**' سے مراد صدائے ملائکہ بھی ہو سکتی ہے اور وہ جمعیتِ ملائکہ جو مولا کریم کے حکم سے کسی کی نیکی کو زمانہ میں شہرت دینے کے لیے مقرر فرمائی گئی ہے اور ہر شخص کی نیکی کی تشہیر زمانہ میں کرتی رہتی ہے۔ ایسے ہی بدی بھی مشہور کی جاتی ہے۔ ایک شخص رات کی تاریکیوں میں اللہ اللہ کرتا ہے اور پوشیدہ طور پر اپنے خدا سے لو لگاتا ہے مگر لوگ اُسے جانتے ہیں کہ یہ نیکوکار اللہ اللہ کرنے والا اور تہجد گزار ہے، حالانکہ اُس نے تہجد کے وقت کسی کو اطلاع نہیں کی اور اسی طرح ایک آدمی پردے میں بدکاری اور زنا۔۔یا۔۔چوری کا ارتکاب کرتا ہے اور کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتا، حالانکہ وہ بھی اُس بدکرداری میں بدنام ہو جاتا ہے۔ گویا خود کوئی بھی شہرت حاصل نہیں کرتا بلکہ اُس کے اعمال کو زمانہ میں ملائکہ کی یہ جماعت مشہور کر دیتی ہے کیونکہ یہ اِسی کام پر معین ہے۔

اور **طبولی** سے مراد مریدانِ صاحبِ ذِکر و معتقدانِ عالی فکر بھی ہو سکتے ہیں جو ہر چہار سو جہان میں حضور سرتاجِ اولیاء غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے حاصل کردہ علومِ معرفت کا درس دیتے ہیں اور لوگوں کی منتظرانہ

نگاہوں کی اپنی ہدایت کی روشنی سے سیتے ہیں۔

تو مطلب یہ ہوگا کہ آسمانوں میں ملائکہ اور زمینوں میں میرے تلمیذ اولیاء اللہ و مؤمنین صادقین میری شہرت کا باعث ہیں۔

'طبولی' سے وہ مجاہدے اور ریاضتیں۔۔یا۔۔وہ وظائف بھی مراد لیے جاسکتے ہیں جو تقرب الی اللہ کا موجب ہو کر درویش کو زمانہ میں ممتاز کر دیتے ہیں۔ بہر حال مطلب اِس کا آلہ تشہیر ہے جس سے حضور کے درجۂ غوثیت کی چہار دانگِ عالَم میں دھوم مچ گئی اور اہلِ جہان فیوض باطنی وظاہری حاصل کرنے کے لیے دوڑ پڑے۔

اور **طبولی** کے بعد **فی السماء** بیان فرمانے میں یہ غرض ہے کہ ہر شخص دوسرے پر اپنی فوقیت جو بیان کر سکتا ہے وہ بلندی ہی کی ہوتی ہے، کسی کو یہ کہتے نہیں سنا گیا کہ میں اِس قدر پست و ذلیل ہو گیا کہ زمانے کی مخلوق نے مجھے سجدے کیے، بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ میری بلندی کا مقام یہ تھا کہ سب دُنیا میری تعظیم کو نیچے کھڑی تھی۔ لہٰذا غوث الاعظم نے یہی سمجھایا کہ زمین اور اس کے رہنے والوں کی پستی تو میرے علومرتبت کے قدموں میں تھی ہی لیکن میری شان بلند نے ملائکہ ءِ سماوی کی نگاہ کو بھی خیرہ کر دیا۔

۔۔نیز۔۔**فی السماء** کا یہ بھی مقصد ہے کہ زمینی لوگ تو میری جنس سے ہیں جن کو میری اولوالعزمی کا فخر ہوسکتا ہے، مزہ یہ ہے کہ سماوی دُنیا بھی میرے مدارج کی مداح ہے، کوئی مقام بلند ایسا نہیں ہے جہاں میرا چرچا نہ ہو۔ ملائکہ مجھے 'نورِ عظیم' کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ملاءِ اعلیٰ میں میرا نام 'بازاشہب' اور 'طراز المذہب' مشہور ہے۔ اہل زمین مجھے سید عبدالقادر و سید محی الدین ناموں سے پکارتے ہیں۔

اور ممکن ہے کہ محاورۃً (**فی السماء**) فرمانے سے آسمان شہرت کی مطلق بلندی مراد ہو کہ جس قدر میری ولایت کو عروج ہوا ہے اور کسی کو نہیں ہوا، جیسے کہ حضرت فاضل بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، شعر:

اے ترا ہر طرف نامے دگر کامے دگر — ہم صد ملک یادت کنند ہم جانور اندر ذکر
از فضل تو در ہر سما نورے بماہ و ہم شمس — از ذرہ تا لوح و قلم دارند از تو صد نظر

اور بعض نے لکھا ہے کہ **فی السماء** سے مراد اولیاء اللہ کا انتہائی طبقہ ہے، یعنی انتہائی طبقہ اولیاء اللہ میں جو سعادت و قرب الٰہی مجھے حاصل ہے، وہ مسلّم ہے۔ مگر فقیر کے نزدیک یہ تاویل کچھ بعید از حقیت ہے، کیونکہ ارض سے پھر اہل جہاں کا نچلا حصہ مراد لیا جائے گا اور یہ موزوں نہیں، کیونکہ نیچے سے نیچے خیال کیا جائے تو ایسی مخلوق بھی ملے گی جس سے اہل اللہ کی مشابہت اور مطابقت کرانا بھی اہل اللہ کی توہین

ہے اور نہایت مناسب اور موزوں بات تو یہ ہے کہ **فی السماء** سے مراد آسمان اور **فی الارض** سے مراد اصلی زمین ہی لیے جائیں جو عام اصطلاح میں بھی کوئی استحالہ پیدا نہیں کرتے۔

اور **شاؤس السعادت** سے مراد وہ نقیبِ ہدایت ہے جو کسی اعلیٰ و بالا چیز کی منادی کرے اور اُس بہتر و مہتر چیز کی جانب لوگوں کو حصول کے لیے توجہ دلائے، تو معنی یہ ہوں گے کہ۔۔۔میری نیکوکاری اور حق پرستاری کے نقیب مجھ پر یوں ظاہر ہوئے کہ انہوں نے مجھے ثابت کر دیا کہ حقیقتاً مجھے اہل اللہ کی جماعت میں سرفرازی حاصل ہے اور خلق خدا کو حصول برکات کے لیے میری جانب رخ کرنا چاہیے، کیونکہ انسان کو جب درجہء سعادت حاصل ہوتا ہے اور اُس پر انوارِ الٰہی کی تجلیات جلوہ گر ہوتی ہیں تو تمام کائنات اُس کے آستانہء عالیہ پر جبیں سائی کرتی ہے اور۔۔۔مَنْ کَانَ للّٰه کَانَ اللّٰه لہٗ۔۔۔کی حقیقت اعلیٰ اُس پر کھل جاتی ہے اور شرافتِ انسانیہ وفضیلتِ بشریہ کا تمام رازِ اِن معنوں میں آشکار ہو جاتا ہے، شعر:

ملائک کی نگاہ خیرہ ہے انوارِ صفاتی سے　　　وہ کیا جانیں قدم انسان کامل کا کہاں پہنچا

اور یہی وہ سعادت کے نشانات تھے جو ازل ہی سے آنجناب غوثیت مآب سرکار بغداد رضی اللہ عنہ کے بختِ بیدار اور قسمتِ پُر انوار میں ودیعت فرما دیئے گئے تھے، شعر:

نہ شانِ شاہِ محی الدین ہزاروں راز و اسرار است
دلے دریافتن اینہا زفکر و رشد در کار است

☆　☆　☆　☆　☆

جام بست و یکم۔۔۔اقتدارِ شاہجہانی

بِلَادُ اللّٰهِ مُلْکِیْ تَحْتَ حُکْمِیْ　　　وَوَقْتِیْ قَبْلَ قَبْلِیْ قَد صَفَالِی

خدا کے شہر میرے قبضہ واقتدار میں ہیں اور میرا حکم چلتا ہے
اور میرا وقت اور حال اِس وجود میں آنے سے پہلے ہی صاف کر دیا گیا ہے

ہیں خدا کے ملک میرے ہاتھ میں　　　اور مافیہا و دُنیا ساتھ میں
مل گئیں مجھ کو اَزل سے خوبیاں　　　ہیں بلندی پر مری محبوبیاں

اِس شعر میں تصرفِ کائنات اور اختیاراتِ موجودات کا تذکرہ فرمایا گیا ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ فقیر جب درجۂ سعادت کو پالیتا ہے تو اللہ کریم کا ایسا دوست بنتا ہے کہ اُس کو 'تصرف فی البلاد' کا رتبہ حاصل ہو جاتا ہے اور شاید۔۔۔تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ ﴿۲۶:۳﴾۔۔۔کا مطلب بھی یہی ہو۔ حضور اِسی مقام کا ذکر فرما رہے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے شہر میرے قبضہ ءاقتدار میں ہیں اور اُن پر میں حکمران ہوں اور میرا وقت اور حال اِس وجود میں آنے سے پہلے ہی صاف کر دیا گیا تھا، یعنی زمانہء سابق میں ہی یہ کمالات مجھے حاصل تھے، حالانکہ ابھی حقیقتِ وجود یہ میں نہ آیا اور اُس عالم میں بھی میں سب کچھ جانتا تھا۔ میری روحانی حالت میرے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے مصفیٰ تھی، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہر انسان کے لیے اُس کے معرضِ وجود میں لائے جانے سے قبل ایسا ہی سانچہ بنا دیا جائے جیسا کہ اُس کو پیدا کرنا اور اُس سے کام لینا مقصود ہے۔ علمِ الٰہی میں جو انسان جس شئے کے قابل سمجھا جاتا ہے، ویسی ہی اُس کی ابتداء ہو جاتی ہے، مثلاً: حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔۔۔کُنتُ نبیا و آدم بین الماء والطین ۔۔۔میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم آب وگل کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ اور یہی سنۃ اللہ سب کے لیے جاری ہے۔ گویا ہر شخص کے لیے خدا کے ارادہ میں کچھ خواص اَزل ہی سے مقدر کیے جاتے ہیں جن کے ظہور پذیر ہونے میں اُس کا اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا، چنانچہ عالمِ لاہوت کے شہباز، اسرار و رموزِ غوثیت کے ہمراز، حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ ممالک و بلادِ الٰہیہ میرے ہاتھ اور حکم میں ہیں جس طرح چاہوں اُن پر تصرف کروں مجھے اختیار ہے۔

اِس بیت کی تشریح میں بعض صوفیہء کرام نے لکھا ہے کہ **بلاد اللہ** سے مراد مدارجِ وعرفان و مراتبِ فیضان ہیں، مگر اِس تاویل سے بہتر یہ ہے کہ '**بلاد اللہ**' سے یہی جہاں کی آبادی ظاہری مراد لے لی جائے، کیونکہ یہ بھی اِس مسئلہ میں کوئی معمولی چیز نہیں جس کا مدعی ہر شخص ہو سکے، پھر تاویل باطنی کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوگی بلکہ شہروں پر ہر قسم کے تصرف سے ایک غوث کی رحمتِ عامہ اور قوتِ قاہرہ کا مطلب سمجھ میں آجاتا ہے۔ اور یہاں پر شہروں کے ذکر کرنے سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ جب شہر اپنی کثرتِ آبادی اور کثرتِ مال ودولت کے باوجود میرے قبضہ واختیار میں ہیں تو دیہاتوں، بیابانوں، جنگلوں، ویرانوں میں اور کون متصرف ہوگا۔

'**بلادِ اللہ**' سے مراد عوام کے قلوب وارواح بھی ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ بھی عالمِ باطن کی کائنات بڑی وسیع چیز ہے، پھر دِلوں کو کھینچنا اور ارواح کو نور بخشنا ایک اللہ کے بندے کا بہت بڑا کام ہے۔ ہزارہا قلوب کو مسخر کر کے حاضر کر لینا اور دُور ہٹا دینا اولیاء اللہ کی تسخیر کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے، چنانچہ آنجناب غوثیت

مآب رضی اللہ عنہ کی نسبت ایک روایت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ نمازِ جمعہ کے لیے تشریف لے جارہے تھے اور دونوں صاحبزادے بھی ساتھ تھے اور کوئی چوتھا آدمی عقیدت مندوں میں سے نہ تھا، ایک شخص راستہ میں سامنے آیا اور اُس کے دِل میں خیال گزرا کہ آج آپ اکیلے کیوں جارہے ہیں اور ساتھ ہولیا، اِسی اثنا میں اتنا ہجوم ہوگیا کہ آپ بیچ میں نظر ہی نہ آتے تھے۔ اُس وقت آپ نے اُس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اَے فلاں! لوگوں کے دِل ہمارے تصرف میں ہوتے ہیں، اگر ہماری مرضی ہوتو اُن کو مجتمع کر لیتے ہیں اور اگر نہ ہو تو منتشر کردیتے ہیں، شعر:

ایکہ دلہا رام تو در ہر طرف　　　از تواند ہر تنے عزوشرف
دردمے صد شہر را عمران کنی　　　عالمے را او دمے ویراں کنی

لیکن قلوب کا جمع کر لینا اور دُور ہٹا دینا، شہروں کو رونق بخشنا اور بے چراغ کرنا، اللہ کریم کے حکم کے ماتحت ہے۔ ملک خدا کا ہے اور قبضہ وتصرف اُس کے دوستوں کا ہے نیز یہ بھی ہے کہ حضور محبوب سبحانی ہیں اور محبّ کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ محبوب ہی کا ہوتا ہے، چنانچہ ایک شاعر فرماتے ہیں، شعر:

پاس عاشق کے جو کچھ شے ہے وہ معشوق کی ہے
تم خدا کے ہو خدائی ہے تمہاری ساری

اِسی مضمون کا ایک شعر مجدد وقت مولانا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، فرماتے ہیں، شعر:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

۔۔نیز۔۔ **بلاد اللہ** سے مراد انوار واسرارِ ہدایت بھی ہوسکتے ہیں، کیونکہ آپ کا وقت (منزل کشف القلوب) وغیرہ کی کیفیتیں ابتدائے آفرینش سے پاک وصاف کردی گئی ہیں، گویا آپ تک پہنچنا وصل الٰہی کے شہرستان تک پہنچنا ہے۔ اور آپ نے فرمایا کہ 'وصول الی اللہ' کی تمام کائنات میرے زیرِ نگیں ہے۔ ذروں کو آفتاب بنانا اور آفتاب کو زیرِ عتاب لانا، میرے لیے ایک دِل خوش کن مشغلہ ہے اور منزل کی بلندی کے لحاظ سے ایک گوٹ کھیلنے کے برابر ہے۔

ملکی کا لفظ فرمانے میں یہ رمز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسبِ مرتبۂ غوثیت عوالم ظاہر وباطن آپ

کے تصرف میں دے دیئے ہیں اور حضور کے وجودِ باوجود کو اپنے اسرار کا مظہر بنا دیا ہے، اور زاں بعد الفاظ **تحت حکمی** اِس کمال تصرف کی وضاحت کرتے ہیں کہ **'بلاد الله'** میں جس قدر احکام نافذ ہوتے ہیں، حضور کے ذریعہ سے اور ان بندگانِ خدا کے اختیارات کے ماتحت ہوتے ہیں جو ہر شہر میں ظاہری سلطنت کے ساتھ (بلکہ یوں سمجھئے کہ سلطنتِ ظاہری کے بھی محافظ) اس کام پر متعین ہوتے ہیں۔ سلطنتِ ظاہری نظام وقیامِ امن کے لیے ایک بہانہ ہوتی ہے، دَرحقیقت باطن میں انہی حضرات کا جلوہ کارفرما ہوتا ہے، کسی شاہِ وقت کو برسر سلطنت رہنے دینا۔۔یا۔۔ اُس سے سلطنت چھین کر دوسرے کو دے دینا ایک معمولی بات ہے۔

فقیر کے اپنے دوست کا مشہور قصہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے تھے، اُن کو ایک مرتبہ خیال جو آیا تو وہ اپنے شہر کے ایک ڈپٹی صاحب کے گھر چلے گئے، ڈپٹی صاحب بھی بڑے نیک آدمی اور فقیر دوست انسان تھے، انہوں نے ریشمی مسند پر بیٹھنے کو عرض کیا، چنانچہ وہ بیٹھ گئے، اتنے میں ایک پولیس سب انسپکٹر جو مقامی پولیس میں کام کرتا تھا کسی کام سے آ گیا، ڈپٹی صاحب کے گھر میں ریشمی مسند پر فقیر کو دیکھ کر بہت برہم ہوا اور ڈپٹی صاحب کو کہنے لگا کہ آپ ایسے لوگوں کو ان ریشمی مسندوں پر بٹھاتے ہیں جو نہایت گندے ہوتے ہیں، فقیر صاحب نے جو یہ توہین آمیز کلمات سنے تو مزاج بگڑ گیا، لاٹھی ہاتھ میں تھی، سب انسپکٹر صاحب کو دو چار رسید کیں اور پھر فرمایا کہ تم لوگ ملازمت کے گھمنڈ میں درویشوں کی توہین کرتے ہو، جاؤ ہم نے تمہاری تھانیداری چھین لی ہے اور تم کو حکم دیتے ہیں کہ لکڑیاں بیچا کرو، اور یہ بھی ہمارا رحم ہے کہ اِس شہر میں لکڑیاں بیچنے کی بھی اجازت دے دی ہے ورنہ تمہاری گستاخی اِس کی بھی حقدار نہیں، بس پھر کیا تھا، سب انسپکٹر حقیقتاً بیکار و معطل ہو گئے، اُسی دن علیحدہ کر دیے گئے اور آج کل لکڑیوں کے ٹال کو اپنا ذریعۂ معاش بنائے ہوئے ہیں۔ یہ تو ایک واقعہ چشم دید فقیر نے بیان کر دیا ہے، ایسے ہزاروں واقعات سلاطین زمانہ تک کے خدا کے اِن مختار و متصرف بندوں کی تاریخی زندگیوں سے وابستہ ہیں، اور لکھو کھہا انقلاباتِ زمانہ ان گدڑی پوشوں کی آستینوں میں چھپے ہوئے ہیں۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر　　　تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ارشاد **قبل قبلی** کا مفہوم یہ ہے کہ میرے مدارج قدیمی صفاتِ الٰہیہ کے ماتحت قدیمی حیثیت رکھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وجودِ ظاہری میں آنے سے پہلے بھی مجھے جملہ کمالات حاصل تھے۔ اور اِس کی تشریح فقیر نے ایک حدیث شریف ۔۔۔ **کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین** ۔۔۔ کے ماتحت گزشتہ صفحات میں کر دی ہے۔ بعض حضراتِ صوفیہ نے لکھا ہے کہ اِسی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات کو

'ابوالارواح' کہا جاتا ہے۔پس جلوۂ اوّل کے وقت ارواح کو جس قدر کمالات حاصل ہوئے وہ آنحضرت سرورِ کائنات فخرِ موجدات مختارِ شش جہات محمد رسول اللہ ﷺ کی تربیت کا نتیجہ تھے اور حضور ﷺ کو اُس وقت بھی تبلیغ کا درجہ حاصل تھا۔یہی کیفیت بمرتبہ غوثیت وولایت اُن بندگان خدا کی ہے جو جہان ظاہر میں نظام وقیامِ عالَم کے لیے متعین ہیں اور وہ بھی اَزل سے ہی برگزیدہ وممتاز ہوتے ہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی نیابتِ حقیقی تا قیامِ قیامت انہی حضرات کے لیے مقرر ہو چکی ہے:

اَے خدا از نام خود نورے بدہ تا بیابم دولت از انوار بہ

۔۔نیز۔۔**قد صفالی** سے پایا جاتا ہے کہ حال اور وقت کی پاکیزگی اور صفائی سے مراد اس کا کمال ہوتا ہے اور یہ کمال تعلیم وتعلم ،ہدایت واہدا،تحفظ وبقا،تصرف فنا کے ہر میدان میں حاوی ہوتا ہے۔جب یہ درجہ درویش کو حاصل ہو جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ اُس کو تمام کمالات مل گئے۔مگر یہ رتبہ جس ذاتِ شریف اور عنصر لطیف کے لیے ودیعت ہوگا ،یقیناً آنجناب رسالت مآب ﷺ کی طفیل اور رحمت سے ہوگا اور گو اُس کمال کے حامل اور اولیاء اللہ میں سے بھی بندگانِ خدا ہو سکتے ہیں اور بوجہ الکمال کسی دوسری ہستی کے لیے بھی اِنکار نہیں ہو سکتا، تاہم سرکارِ بغداد فیض بنیاد رضی اللہ عنہ میں یہ کمال بدرجہ اتم موجود تھا۔وَذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ۔

تو اِس کے معنی یہ ہوئے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے کمال کا یہ عالَم ہے کہ میں تمام دُنیا کے شاہوں اور تمام جہان کے پناہ گاہوں (اولیاء اللہ) سے ان کمالات میں بہت بلند ہوں اور وہ سب میرے ارادتمند ہیں۔ملک خدا کا ہے اور بادشاہت میری ہے:

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

۔۔۔اور یہ بلندی مجھے اِس جہان فانی میں کسی طور پر حاصل نہیں ہوئی بلکہ روزِ اَزل ہی سے میرے مقدر میں تھی ،اشعار:

گر کسے واللہ بعالم از مئے عرفانی است از طفیل شاہ عبدالقادر گیلانی است
ہر کہ نامدا زرہ او در حریم راز عشق ہمچو سینا راہ نمے یابد کہ ہاں شیطانی است
ہست ہر دم جلوہ گر از چہرہ اش حسنِ حسن زاں جمالش مصطفیٰ را راحت ریحانی است

جام بست ودوم۔۔۔وسعتِ سرِ لامکانی

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ

میں تمام ممالکِ الٰہیہ کو مجموعی طور پر (اپنی ظاہری اور باطنی آنکھ سے
ایسا دیکھتا ہوں جیسا) ہتھیلی پر باریک رائی کا دانہ

دیکھتا ہوں کُل خدا کی کائنات سامنے میرے ہیں پوری شش جہات
سامنے میرے ہیں ایسے سب جہاں جس طرح رائی کا دانہ بے گماں

اِس شعر میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اپنی وسعتِ نگاہ اور بلندی مراتب بارگاہِ الٰہ کا ایسا ذکر فرما رہے ہیں جس پر ایک ناشناس انسان اور اُس کی بدبین معترض آنکھ فوراً اعتراض کرنے کو تیار ہوجائے گی کہ یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے، ایسا ہونا ممکن نہیں۔ **بلاد اللّٰہ** بہت بڑی وسعت رکھتے ہیں اور ایک بشری آنکھ کا اُن کو دم زدن میں دیکھنا اور محیط نگاہ سے دیکھنا محالات سے ہے، چونکہ وہ انسانی حقیقت اور بشری فضیلت (یا یوں کہیے کہ اپنی ہی حیثیت سے) واقفیت نہیں رکھتے اس لیے محالات کے سوا ان کو کوئی راہ نہیں ملتی۔ شیر کا بچہ بکریوں کے گلے میں پل کر خود بھی بکری کہلانے لگ جاتا ہے اور اپنی اسدی طاقتوں کے استعمال سے واقف تک نہیں رہتا۔ یہی حال اُس حیوانِ ناطق۔۔۔یا۔۔۔نام نہاد انسان کا ہے جو اِن کیفیتوں سے بے خبر ہے:

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

جس کے لیے قرآن پاک میں چار۴ چیزوں کی قسم کھا کر انسانی شرافت و بزرگی اور تقدیس و فضیلت کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اِن الفاظ میں کہ ہمیں انجیر کے درخت کی قسم جس نے جنت میں ننگے آدم کو پردہ دیا اور زیتون کے درخت کی قسم ہے جس سے جہاں کی تاریکیاں روشنی میں بدل جاتی ہیں، اور طور سینا کی قسم ہے جس کے ذرے ذرے کے ساتھ بنی اسرائیل کی تاریخ وابستہ ہے، اور اپنے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کے امن والے شہر کی قسم ہے جو ہمیشہ سے توحید کی روشنی میں امن وسلامتی کا حامل رہا، انسان کو ہم نے صورت وسیرت، فضیلت وشہادت میں تمام کائنات سے نہایت بہتر پیدا فرمایا ہے۔ اِن شہادتوں

کے باوجود یہ کمبخت انقلاباتِ زمانہ سے متاثر ہو کر ایسا پستی پسند ہو جائے کہ اس کو عروج کے تصور اور خودی کی حقیقت کو زبان پر لاتے ہوئے ڈر لگتا ہو تو پھر اس گئے گزرے اور بناوٹی توحید پرست کی اس روحانی موت کا کوئی علاج نہیں۔ اور اسی کے لیے حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام ممالکِ الٰہیہ میری نگاہِ حقیقت میں ہیں۔۔یا۔۔ میری ہمت بلند کے مقابلہ میں ایک رائی کے دانہ سے زیادہ وسعت نہیں رکھتے۔ اور میں جب ان کا مطالعہ کرنا چاہوں تو میری چشمِ حق شناس ان کو رائی کے دانہ سے زیادہ وقعت نہیں دیتی ۔۔یا۔۔ ساری کائنات پر بحیثیتِ مجموعی جب نظر ڈالوں تو رائی کے دانہ کی برابر دکھائی دیتی ہے۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ بندگانِ خدا کی نگاہ میں تمام مقداریں چھوٹی دکھائی دیتی ہیں، کیونکہ انہوں نے اس کا مطالعہ کیا ہوتا ہے جو سب سے بڑا ہے۔ مثالیہ طور پر یوں سمجھئے کہ حضور ﷺ نے شبِ معراج جنت میں اپنے آگے اردل میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز سنی آہٹ سنی، جنت کی حوروں میں سے کسی بلند مرتبہ حور نے گزارش خدمت کی کہ اپنی رحمۃ للعالمینی کا صدقہ کوئی انعام مجھے بھی عطا ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تجھے بلال کے حوالے کیا جائے گا۔ چونکہ بلال رضی اللہ عنہ کی تعریف سے وہ بھی واقف تھی کہ وہ کالا کلوٹا، موٹے موٹے ہونٹوں والا ایک حبشی نوجوان ہے، اُس نے سرکار ﷺ کا فیصلہ سن کر ناک بھوں چڑھایا، حضور ﷺ نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ تُو کس حسن پر نازاں ہے، یہ انتخاب بھی میں نے کر دیا ہے، ممکن ہے وہ نورِ خدا کا دیکھنے والا تیری جانب دھیان بھی کرے یا نہ کرے، کیونکہ اس بے پناہ حقیقی حسن کے مقابلے میں تیرا حسن کوئی چیز نہیں۔ حقیقت میں وہ آنکھ جس نے ذات وصفاتِ الٰہی کے انوار کو رقصاں دیکھا ہو وہ باقی کائنات کو کب پلے باندھتی ہے اور ایسی آنکھ اُسی ذات کے پردہ میں پردہ پوش ہو کر کائنات وممالکِ الٰہیہ کی دید کا تحقیر سے دعویٰ کرے تو کوئی بعید اَز قیاس بات نہیں، یہ اُس کو حق پہنچتا ہے۔ کیونکہ بزرگانِ دین نے فرمایا ہے:

فالکمال هو ظهور الحق بصورة المتجلیٰ له واذ لیس الا العدم المحض فلا تتعب نفسک فی ان ترقی اعلیٰ من هذاه

یعنی کمال سالک وہ ہے کہ خدا اُس کی نظر میں اُسی صورت میں ظاہر ہو، یعنی خدا کے ظہور کو خود میں دیکھے اور اُس کے پرے سوائے عدم محض کے کچھ نہیں۔ پس اس سے بلند تر مقام پر پہنچنے اور ترقی کرنے کے لیے اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالے

۔۔۔اور شیخ نے فصوص میں فرمایا ہے کہ اگر تُو حقیقت پر نظر کرے تو تُو 'عینِ حق' ہے، اور اگر اپنے تعینات پر غور کرے تو تُو 'غیرِ حق' ہے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ تجلیاتِ الٰہی چار[۴] قسم پر ہیں۔ جن کی تفصیل یوں ہے کہ:

اوّل:۔۔۔ 'علمی عینی تجلی'، جس کے ذریعے 'صورِ علمیہ' ظاہر ہوتے ہیں۔

دوم:۔۔۔ 'وجودی تجلی'، جس سے 'خارجی اشیاء کے حقائق' ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

سوم:۔۔۔ 'شہودی تجلی'، جو اہلِ شہود پر ظاہر ہوتی ہے اور اس کی دو[۲] قسمیں ہیں۔

ایک یہ کہ سالک کی نظرِ شہود سے لباسِ غیریت دُور ہو جائے اور اشیائے خارجی کو اُسی کی تجلی سے دیکھے اور غیرِ حق اُس کی نظر میں نہ رہے۔

دوسری یہ کہ خداوندِ عالَم مثال میں جلوہ گر ہو۔ مطلق مقید کے ساتھ تمام موجودات کی صورتوں ۔۔یا۔۔ انوار کی صورتوں میں ۔۔یا۔۔ معانی ذوقیہ کے لباس میں ۔۔یا۔۔ معانی اور صورتوں کے سوا کسی دیگر مرتبہ میں جو اُس کا مظہر ہو، جلوہ گر ہو، جس کو 'تجلیاتِ ذاتیہ' بھی کہتے ہیں، تو اس کا اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ اُس کو محو اور تمام چیزوں کو سالک کی نظر میں مضمحل کر دیتا ہے۔

چہارم:۔۔۔ 'اعتقادی تجلی'، جو اصحاب فضل کے مقیدہ اعتقادات کی صورتوں کی تقلید کے فکر سے حاصل ہوتی ہے۔

۔۔نیز۔۔ اِن تجلیات سے جب درویش پر فنا وارد ہو تو وہ بھی دو[۲] قسم سے ہوتی ہے۔ ایک 'علمی فنا' ہے، کہ سالک کے ادراک اور علم میں غیرِ حق معلوم ہوتا ہے اور خدا کی ذات وصفات کے تمام مظاہر نظر آتے ہیں۔ دوسری 'حقیقی فنا'، جس سے مراد یہ ہے کہ سالک کی تمام صفات فی الجملہ مٹ جائیں اور بجائے اس کے صفاتِ حق ظہور پذیر ہوں۔ یعنی یہ صفات جو حقیقی صفتوں کے انعکاس کے محل تھے، بعض شرائط وقیود سے ان میں ایسی وسعت پیدا ہو کہ قیود اُن سے رفع ہو جائیں اور اخلاق کے درجہ پر پہنچ کر اصل کی طرح بن جائیں، جیسا کہ بشر کی بینائی مشروط بمقابلہ دیکھے اور اُن دیکھے قرب اور روشنی کے ذریعہ سے آنکھوں سے مخصوص ہے نہ کسی اور عضو سے۔ مگر خداوندِ کریم ﷻ کی بینائی مطلق ہے جو کسی شرط سے مشروط نہیں، اور نہ کسی عضو سے مقید۔ بلکہ ہر حال میں رویئت اُس کے ساتھ ہے، ویسے ہی انسانی سماعت بہت سی باتوں پر موقوف ہے بخلاف سمع الٰہی کے۔ اور اِسی طرح فعلیہ صفات سے مثلاً: مارنا، جلانا وغیرہ وغیرہ سالک میں ظاہر ہوتا ہے اور امورات میں متصرف ہو جاتا ہے۔ رزقنا اللّٰہ تعالیٰ وجمیع الطالبین۔

امید ہے کہ اِس بحث سے قارئین اِس نتیجہ پر ضرور پہنچ گئے ہوں گے کہ وہ آنکھ جس کا ذکر حضور سرکارِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں، کیونکر حاصل ہوتی ہے اور اِس کا ہونا بقول معترض ممکن ہے بھی ۔۔یا۔۔

نہیں۔مزید تفہیم تشریح میں ہوتی جائے گی۔

اِس شعر میں آپ کا یہ فرمانا کہ یہ تمام ممالکِ الٰہیہ میرے مطالعے میں ایسے ہیں جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ، یہ معنی رکھتا ہے کہ اولیاء اللہ کی آنکھ قدسی نور سے منور ہوتی ہے اور وہ نورِ حقیقی تمام کائنات کو محیط ہوتا ہے جس کے باعث تمام جہاں کا چشمِ زدن میں مطالعہ کرلینا کوئی بے معنی شئے نہیں ہوسکتی۔

--نیز-- ہر چیز کا حقیر نظر آنا کچھ دیکھنے والے کی بلندی اور بے نیازی کی دلیل بھی ہوسکتا ہے، اگر آج 'مادی اسباب' سے قمر و مریخ کا مطالعہ بیک آلہ کیا جاسکتا ہے تو کوئی معنی نہیں کہ 'انوارِ الٰہی' کے ذریعے دیکھنے والے کو معذور گردانا جائے۔ایک اور بات جو بڑی غور طلب ہے، وہ یہ ہے کہ دیکھنے والی ہستی اگر اس دعوے کی مدعی ہے کہ تمام کائنات میری نظر میں رائی کے دانے کی طرح ہے اور خود بھی اُس رائی کے دانے کے اندر ہے تو پھر رائی کے دانے کا مطالعہ باہر سے نہیں کرسکتی اور نہ اُس کی نگاہ اس کو محیط ہوسکتی ہے، پھر لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ہستی جس کی نگاہ ممالک اللہ کو محیط ہے، خود اس معمورہ کے اندر نہیں، اور ایسے مقام پر ہے جو اس سے خارج اور بلند ہے، جب ہی تو اس کائنات کا مطالعہ بیک نظر کر رہی ہے۔ اور وہ مقام وہی ہے جہاں کی آواز کے لیے حلق اِس کا ہے اور آواز رب العزت کی ہوتی ہے، کان اس کے ہوتے ہیں، سماعت مالک الملک کی کام کرتی ہے، آنکھیں اِس کی ہوتی ہیں اور بینائی اُسی بصیر کی، اور بینائی بھی وہ جو کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں، جس کی تشریح کسی گزشتہ باب میں بھی کی جاچکی ہے۔ جب ایسی کیفیات کا ورود ممکن ہے اور عمل ثابت کرتا ہے کہ ممکن ہے، تو پھر اعتراض کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے۔ ہاں! جن کے لیے بات بات میں ناممکنیت جزوِ ایمان بن چکی ہو اُن کے لیے اس کیفیت کا پایا جانا حقیقتاً ناممکن ہوگا، کیونکہ جس چیز کو انسان ناممکن سمجھے، اس کے حصول کے لیے قدم نہیں اُٹھاتا، شعر:

جن کے لیے ہو خضر بھی ناکام راہنما　　　اُن کی سیاہ بختی کا دارو ہے کیا بھلا

--نیز-- اِس شعر کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کی نگاہ اُس بلند مقامِ محمود پر ہے جہاں سے یہ جہان ایک حقیر سی شئے ایک علیحدہ پہلو پر نظر آتی ہو۔

یا یہ کہ--- **مَتَاعُ الدُّنیا قَلِیل** --- کا نتیجہ اور اشارہ مراد ہو، کیونکہ عارفان باللہ کی بقاء اللہ شناس نگاہ میں دُنیا و اسبابِ دُنیا کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تمام دُنیا سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو ایک زاویہ کے مانند دکھلائی گئی تھی جس طرح پہاڑ کی بلندی سے پہاڑ کے اردگرد کے مناظر دیکھنے والا بیک نظر دیکھ رہا ہو۔ اِسی طرح اہل اللہ اور خاصانِ خدا بھی میدانِ معرفت کی دُور رَس نگاہ میں

کون ومکاں کے جلووں پر قدرتِ رویت رکھتے ہیں۔

بعض صوفیہ نے اِس شعر سے مریدان باصفا کی طمانیت کا اشارہ مراد لیا ہے کہ کوئی مرید دربار سے دُوری کا غم نہ کھائے، کیونکہ ہمارے نزدیک دُوری اور نزدیکی کا قرب وبعد یکساں ہیں، تم کہیں بھی ہو ہماری توجہ کے انوار تم پر ہر جگہ چمکتے رہیں گے۔۔یا۔۔ ہم ہر مقام پر تمہارے نگرانِ حال ہیں اور تمہاری ہر حرکت کا مجاہدہ دریافت۔۔یا۔۔ شرارتِ نفس دیکھ رہے ہیں، یہ نہ سمجھنا کہ شیخ کو ہماری پس پردہ حرکت کا علم نہیں ہوتا اور۔۔۔ 'اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ' ﴿۲۴:۱۲﴾۔۔۔میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کیفیتِ مکانی وزمانی کا علم حضرت یعقوب علیہ السلام کو اِسی طرح ہونا ثابت کیا گیا ہے جیسے کہ حضور دیکھ رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دُنیا ایک نقطہ کی مانند ہے، پس اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک نقطہ اگر کسی انسان کے آگے بنادیا جائے تو اُس کی آنکھ کو اُس کے مکمل طور پر بیک نگاہ مطالعہ کرنے سے کون سی چیز مانع ہوسکتی ہے۔

صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ کسی دُور دَراز شئے کا مطالعہ تو درکنار رہا، ایک ولی کامل کو طاقت ہے کہ اپنی مقامی صورتوں کو مختلف جگہوں میں بیک وقت ظاہر کرسکتا ہے حالانکہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھا ہوتا ہے۔ جب یہ کام اُس کے لیے عملی طور پر ہر جگہ میں کر دکھانا ممکن ہے تو محض مطالعۂ کائنات کوئی ناممکنات سے نہیں، سب دُنیا اُس کی صفتوں میں خدا کی تجلیات کے سلب سے ظاہر ہوتی ہے اور خدا کی صفتیں اس میں مضمر ہوجاتی ہیں، پھر انہی کے ماتحت اُس حقیقت شناس نگاہ کو رویت **بلاد اللّٰہ** میں بمنزلہ دانہ خردل کونسا استحالہ لازم آئے گا، کیونکہ جب مالک کی نظر میں خدا کے سوا اور کچھ رہتا ہی نہیں اور خداوند عالم اپنے بندے کو اپنی ذات میں فنا کر کے اپنے آپ میں زندہ فرمادیتا ہے تو سوائے خدا کے اور سب کچھ سالک کی نظر سے محو ہوجاتا ہے اور سالک جو دیکھتا ہے اُسی کے نور کی تجلیات کے کرشمے ہوتے ہیں، شعر:

اے برادر ایں بود اسرار شاہ　　　چند گوئم فہم من مسکین نگاہ
درد ہا را داروئے از نام پیر　　　ہر طرف صد مست کشت از جام پیر

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام بست سوم۔۔۔درس قرآنی

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا　　　وَّنِلْتُ السَّعْدَ مِن مَّولَی الْمَوَالِیْ

میں نے علمِ ظاہری و باطنی کا درس یہاں تک لیا کہ میں قطب ہوگیا اور اُس درس و تدریس سے مجھ پر نیک بختی کا راز ظاہر ہوگیا اور میں رب العزت کی مدد سے منزل وسعادت پا گیا

درس اور تدریس علمِ دین نے　　　معرفتِ ربی کے اس آئین نے
اِس قدر درجے کئے مجھ کو عطا　　　غوث میں سارے جہاں کا ہوگیا

بلحاظ عمر انسانی زندگی کے تین ۳ حصے ہوتے ہیں: طفولیت، کہولت، شیخوخیت یعنی بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ پھر اِن تینوں زمانوں کی حرکات و کیفیات جداگانہ ہوتی ہیں۔ بچپن کا عمل کچھ ہوتا ہے، جوانی کا کچھ اور بڑھاپے کا کچھ، گویا تینوں حالتوں میں انسان پر ایک ایسا رنگ آتا ہے جو پہلے سے بالکل الگ تھلگ ہوتا ہے۔

طفلی بے تمیزی اور محتاجی کے عالم میں بسر ہوئی، کسی نے جو کھلایا سو کھایا جو پہنایا سو پہنا، گود ہو یا راہ گزر، چارپائی ہو یا زمین، جہاں نیند آ گئی سو گئے، جاگے تو باقی وقت کھیل کود میں گزار دیا، نہ اتنا ہوش کہ بُرا بھلا سمجھتے، نہ اتنی فرصت کہ نیکی و بدی میں تمیز کر سکتے۔ بے راہ روی شعار اور لہو ولعب پہ مدار رہا۔

جوانی دیوانی تو مشہور ہے ہی، اپنی دیوانگی کے باعث بالکل جذبات کی پریشانی میں گزری، اس کے نشہ نے اجازت نہ دی کہ زمانہ کے نشیب و فراز سے تجربہ حاصل کرتے، یہی سمجھا کہ ایسے ہی ہیں اور ایسے ہی رہیں گے، انجام سے ہمیشہ بے خبر رہے۔

پیری، اُس نے جوانی کی بے اعتدالیوں کے باعث وقت سے پہلے آ دبایا، قوت گھٹی ضعف بڑھا، امیدِ زندگی منقطع ہوئی، وہ بے وفا حواس جن کے مزے کے لیے جوانی کھوئی کج اَدائی کرنے لگے، بینائی نے آنکھ چرائی، سفید و سیاہ کی تمیز نہ رہی۔ قوتِ شامہ بھی نکتوڑے کرنے لگی، خوشبو بدبو دونوں یکساں ہوگئیں، قوتِ سامعہ نے بھی انا کانی سے کام لینا شروع کیا، اچھی بُری بات برابر ہوگئی۔ تعریف کرنے والے سے لڑائی اور منہ چڑانے والے سے پیار ہونے لگا، قوتِ لاسہ بھی ایسی بے حس ہوگئی کہ سختی نرمی

محسوس ہی نہیں ہوتی، ہاضمہ میں کمی، صحت میں فرق، قویٰ مضمحل اور ہوش مختل ہوئے۔ دماغ معطل اور اَز کارِ رفتہ ہوگیا، عقل میں فتور اور نسیان کا بڑھاؤ لازم آیا، اعضاء جواب دے گئے کوئی پابند حکم نہ رہا۔ ہاتھ رعشہ سے کانپتے ہیں تو پاؤں ضعف سے لڑکھڑاتے ہیں، چہرہ پر جھریاں پڑ گئیں اور تیر سا سیدھا قد کمان ہوکر رہ گیا، بے شمار امنگیں دِل میں اُٹھیں مگر ضعف کے سبب کوئی پوری نہ ہوئی۔ شعر:

دُنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی — ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آ کے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا — اور جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

۔۔۔مزاج اور بھی چڑچڑا ہوگیا، غصہ بڑھا، زبان کھلی، اپنوں پرایوں کو اجیرن ہوا، اس درماندگی میں زندگانی وبالِ جان ہوگئی، ع:

عمر ضائع سعی باطل را دور

جس طرح ظاہری زندگی کے یہ تین ۳ زمانے ہیں، اِسی طرح باطنی زندگی بھی اِسی تقسیم کی حامل ہوتی ہے اور درویش پر بھی تین ۳ قسم کے اوقات و اعمال کا ظہور ہوتا ہے۔ شروع شروع میں دعوتِ اسماءِ الٰہی اور وظائف لسانی میں مشغول ہوتا ہے، اور وسط عمر میں سلوک اور اشغال باطنی میں مشاغل نظر آتا ہے، اور آخر عمر میں پورے استغراق اور محویت میں محفوظ رہتا ہے۔ یہی کیفیت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی تھی۔ چنانچہ اِس شعر میں آپ اپنے پہلے وقت کی حقیقت بیان فرمارہے ہیں، جب وظیفہء لسانی یعنی علمِ ظاہر پڑھا۔۔یا۔۔علمِ باطن کے حصول میں بسم اللہ کی، تو فرمایا میں نے علمِ ظاہری و باطنی یہاں تک پڑھا اور پڑھایا کہ میں قطب ہوگیا اور اپنے مولا کریم کی مدد سے منزلِ سعادت کو پہنچا۔

اِس ارشادِ حضور سے معلوم ہوتا ہے کہ اس راہ میں بھی علم ایک نہایت ضروری چیز ہے جو باطنی منازل کے طے کرنے میں مشعل راہ کا کام دیتی ہے اور اس کے بغیر اندیشہ ہوتا ہے کہ مبتدی علم کے خطراتِ نفسانیہ اور وساوس شیطانیہ میں قابو نہ آجائے۔ گنجینۂ دِل علم ہی کا نتیجہ ہے۔ صوفیہء کرام فرماتے ہیں۔۔۔ ہر طالب کو چاہیے کہ پہلے علم حاصل کرے، پھر دولتِ فقر کی تلاش میں نکلے، ورنہ جہالت سے گمراہ ہوجائے گا، شعر:

علم را آموز اول بعد ازاں اینجا بیا — جاہلاں را پیش حضرت حق تعالیٰ جائے نیست

اِسی لیے سرکارِ انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔۔۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ۔ یعنی علم کا طلب کرنا ہر ایک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔۔۔ کیونکہ علم بمنزلہ دودھ کے ہے

اور معرفت بمنزلہ مکھن کے۔ جس طرح دودھ سے مکھن نکالا جاتا ہے، اُسی طرح علم سے معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔۔یا۔۔ یوں سمجھئے کہ جس طرح بغیر دودھ کے مکھن نہیں پا سکتے، اِسی طرح بغیر علم کے معرفتِ الٰہی محال ہے۔ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں، شعر:

علم باطن ہمچوں مسکہ علم ظاہر ہمچوں شیر   کے بود بے شیر مسکہ کے بود بے پیر پیر

مثنوی شریف میں ذکر آیا ہے کہ جاہل درویش خود نامرد اور مردوں کا راہزن ہوتا ہے اور حضرت سلطان العارفین باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بغیر علم کے فقیری کرنے والا اپنی راہ میں اِس قدر خطرات رکھتا ہے کہ اندیشہ ہے کافر اور دیوانہ ہو کر نہ مر جائے، کیونکہ بغیر علم کے وساوسِ شیطانیہ اور خطراتِ نفسانیہ پر واقف نہیں ہو سکتا۔ مثلاً: حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔۔۔ کہ ایک مرتبہ میں نجد کے پہاڑوں میں مشغولِ مجاہدہ تھا کہ ایک رات کو میں نے دیکھا کہ آناً فاناً وہ تاریک غار جس میں بیٹھا ہوا تھا، روشن ہو گئی اور میرے سامنے ایک مرصع تخت مطلع انوار بنا ہوا غار میں آ گیا۔ ایک ساعت کے بعد اُس پر سے آواز آئی کہ اَے معین الدین! ہم نے تیری ریاضت و ہدایت کو قبول کر کے تجھ سے تکلفاتِ شرعیہ اُٹھا دیے ہیں، نماز، روزہ، حج و نوافل سب کچھ معاف کر دیا۔ لہٰذا تم اِس قدر مجاہدہ نہ کیا کرو، آپ فرماتے ہیں کہ میں بہت حیران ہوا کہ یہ آواز مجھ سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ تک کسی بزرگ کو نہ آئی، یہ رعایت اور نوازش مجھ پر کیوں ہے کہ تکلفاتِ شرعیہ اور فرائضِ دینیہ معاف ہو رہے ہیں، میں ابھی حیرت میں ہی تھا کہ معاً میرے شیخ حضرت قبلہ سیدنا عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ میرے کان پر پہنچا اور فرمایا کہ خبردار یہ 'انوارِ الٰہی' نہیں ہیں، بلکہ وسوسۂ ابلیسی ہے، اور وہ آج مطلوب کے رنگ میں تمہارے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے آیا ہے۔ لاحول کی کسوٹی تمہارے پاس ہے، پڑھ کر دیکھ لو اور پرکھ لو، اگر یہ نقشہ قائم رہ گیا تو وہ انوارِ رحمانی ہوں گے ورنہ فتنہ شیطانی ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں۔۔۔ میں نے ایسا کیا تو وہ تمام اُجالا دُور ہو گیا اور غار تاریک تر ہو گئی۔ اس سے آپ نے یہی نتیجہ نکالا کہ اگر علم نہ ہوتا تو ایسی آواز پر نعوذ باللہ من ذٰلک گمراہی کا ڈر تھا، جیسا کہ فی زمانہ برہمن کی تعلیم سے متاثر اکثر جاہل فقیروں کو دیکھا جاتا ہے جو اپنی جہالت اور لاعلمی کے باعث اِس فریب میں پھنسے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اِسی کے متعلق حضرت سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، شعر:

میاموز جز علم گر عاقلی   کہ بے علم بودن بود غافلی

علم اور اہلِ علم کے اِس قدر فضائل بیان ہوئے ہیں جن کی اِس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں۔ اگر لکھنا شروع کر دیا جائے تو ایک ضخیم کتاب علیحدہ تیار ہو جائے۔ غور تو فرمایئے کہ قرآن کریم کے بیان کے علاوہ دوسو چودہ [۲۱۴] حدیثیں حضور ﷺ نے علم اور اہلِ علم کی شان میں بیان فرمائی ہیں اور ایک حدیث شریف میں تو یوں وضاحت فرمائی گئی ہے کہ۔۔۔ فضل العالم علی العابد کفضل علیٰ ادناکم۔۔۔ یعنی ایک عالم ربانی کی فضیلت ایک محض عابد، صائم و قائم پر ایسی ہے جیسے کہ میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ صحابی پر۔۔۔ اِس فضیلت کا مقصد دَر حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عشق باعثِ وصال ہے، اُسی طرح علم بھی سبب حصولِ ولایت و قطبیت ہے۔ اور کوئی شخص سوائے علم کے مرتبۂ عرفان حقیقی کو نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ عرفان کی پہلی منزل علم ہے، سیدنا آدم علیہ السلام کی فضیلت و شرافت ملائکہ نوری پر علم سے ثابت ہوتی ہے اور ہد ہد جیسا ڈیڑھ تولے کا جانور حضرت سلیمان علیہ السلام پر علم ہی سے ڈینگیں مارتا ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوگا کہ اِس علم سے کون سا علم مراد ہے جس کا حاصل کرنا بمرتبہ قطبیت فائز فرما دیتا ہے، تحقیق ادلہ اور قرآنِ کریم کے تدبر و مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس علم سے مراد 'علم ظاہری شرعی' ہے جس کے واسطے حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔۔۔ اطلبوا العلم ولو کان بالصین۔ یعنی علم کی طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔ بعض بزرگانِ دین نے یہ بھی لکھا ہے کہ علم اِس قدر حاصل کرنا فرض ہے جس سے عمل درست ہو، کیونکہ اللہ کریم نے اُن لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو بے فائدہ علم سیکھتے ہیں ۔۔۔ وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ ﴿۲:۱۰۲﴾ ۔۔۔ خود حضور ﷺ نے فرمایا کہ۔۔۔ اعوذ باللہ من علم لا ینفع۔ یعنی علم بے منفعت سے خدا مجھے پناہ دے۔۔۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ۔۔۔ علم با عمل نہ ہو تو عبادت بلا فقہ کرنے والا آدمی اُس گدھے کی مانند ہے جو خراس میں جتا ہوا ہو۔۔۔ کیونکہ وہ جتنا چلتا ہے، اخیر تک اُسی منزل پر رہتا ہے جہاں سے چلا تھا۔ حضرت قبلہ سرتاجِ اولیاء غوثِ زمان، داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم کو خدا نے ایسے زمانے میں پیدا کیا ہے جس میں لوگوں نے حرص اور لالچ کا نام شریعت، تکبر و جاہِ ریاست کا نام علم، دریائے خلق کا نام خوفِ الٰہی، دل میں بغض اور کینہ رکھنے کا نام حلم، کمینگی کا نام عطا، نفاق کا زُہد، خواہش کا ارادت، بکواس کا معرفت، نفسانیت کا محبت، وسوسہ کا علت مشائخی، بے دینی کا فقر، اِنکارِ عمد کا صفائی، انکار کا فنافی اللہ، ترکِ شریعت کا طریقت اور اہلِ زمانہ کی آفت کا نام معاملہ رکھا ہے۔ اس لیے حق بین لوگ الگ ہو گئے ہیں، اور اُن دوسروں نے غلبہ پالیا ہے۔ اگر یہ علم نہ ہو تو انسان تہذیب کے دائرہ میں زندگی گزارنے کا بھی اہل نہیں ہوتا، معرفتِ الٰہی کا میدان تو وراء الوراء ہے۔ اس جہانِ ظاہر میں ہی اس کی زندگی ایک وحشیانہ اور مجنونانہ زندگی بن جاتی ہے، اور۔۔۔

بے علم نتواں خدارا شناخت

۔۔۔کا فتویٰ مزید براں ہے، کیونکہ ظاہری علم کی درس وتدریس میں جو مجاہدہ ہے، اگر عالم دین کی نیت اُس تعلیم و تعلّم سے محض للّٰہی ہو اور اس اپنے علم کو 'وصول الی اللہ' کا وسیلہ بنائے تو اللہ کے حکم سے مرتبۂ ولایت اور درجۂ قطبیت اُس سے دُور نہیں ہوتا اور اُس کو تمام بڑے بڑے مراتب ومطالب حاصل ہو سکتے ہیں۔ کیا لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جس قدر فرزندانِ توحید کی اولوالعزم ہستیاں، مثلاً: حضرت غوث الاعظم بغدادی، حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری، حضرت شیخ الشیوخ سہروردی، حضرت مجدد الف ثانی سرہندی، حضرت داتا گنج بخش ہجویری، حضرت غوث وقت ملتانی رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اِن کے علاوہ بے شمار قابلِ ذکر شخصیتیں گزری ہیں، سب کی سب علمِ ظاہری کی حامل آراستہ اور علم شرع میں کامل وپیراستہ تھیں۔ انہی لوگوں کی یہ برکت ہے کہ اُن کی عالی قدر علمی تصانیف کا ذخیرہ اوران کے عملی نشانات واماکنِ مقدسہ کی یادگاریں آج بھی عوام الناس میں شمع ہدایت اور خضرِ راہ بن کر کام کر رہی ہیں۔ اگر وہ بھی موجود ملنگوں اور بادیہ نشینوں، رہبانیت پسندوں کی طرح جاہل ہوتے تو اُن کی بڑی بڑی تصانیف ہمیں موجبِ رشد وہدایت ہو کر اُن کی زندگیوں کو ہمارے سامنے زندہ جاوید نہ رکھتیں۔

اگر علم اور اہلِ علم کی بلندیٔ شان کو کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ معرفتِ الٰہی کا مستحق ہونا حقیقتاً انہی حضرات کو پہنچا ہے جو عالم ربانی ہیں اور علم ہی ایک وہ شئے ہے جس سے انسان رازدارِ الٰہی اور سرفرازِ جہانی ہوسکتا ہے۔ اس کا ایک ایک عمل بشرطیکہ ریاکاری سے پاک ہو وہ حیثیت رکھتا ہے کہ دُنیا ومافیہا اُس کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتیں، مثلاً:

حضرت ختمی مرتبت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔۔۔ کہ ایک مسئلہ شرعی سکھانے کا ثواب اس درجہ حقیقت رکھتا ہے کہ اگر زمین وآسمان کے فرشتے ہزار سال بھی اس کا ثواب قلمبند کرتے رہیں تو بھی نہ لکھ سکیں۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ان علمائے ربّانی کی دواتوں کی سیاہی قیامت کو خونِ شہداء کے ساتھ تولی جائے گی۔ پھر فرمایا ملائکہ آسمانوں میں، پرندہوا میں، چیونٹیاں اپنے بلوں میں، مچھلیاں دریاؤں میں، علماء کے لیے دُعا کرتی ہیں۔

سبحان اللہ! اِس شعر میں حضور نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ اہل اللہ کے اشغال میں سے ایک شغل علمِ کتاب اللہ کا درس اور شرع رسول اللہ ﷺ کی تدریس بھی ہے۔ ہر پیر طریقت کے لیے لازم ہے کہ مدارج علوم کی حفاظت ومحاصلت کے لیے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھے، کیونکہ یہ نفس کی لگام ہے۔

جس نے اس مجاہدہ میں قدم رکھا اور غیر ریا کارانہ صورت میں اعلائے کلمۃ الحق کیا، وہ مراتب ولایت کا مستحق بنا اور بعض مقاماتِ مبین میں بندگان خدا سے جو علم کے متعلق مخالفانہ الفاظ مرقوم ہیں، مثلاً:۔۔۔ لَیسَ لِصَاحِبِ الْعِلمِ عِندِیْ سَبِیل۔۔یا۔۔ اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرُ۔۔۔فرمایا ہے، اِس سے علم غرور و عجب، علم خود پسندی ورعونت۔۔یا۔۔ وہ علم جس سے۔۔۔ہمچو ما دیگرے نیست۔۔۔کے سوا کچھ یاد ہی نہ ہو، اور ہر لحظہ۔۔۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ۔۔۔کی مالا جپنی پڑے، مراد ہے۔

شیخ بوعلی سینا لکھتے ہیں کہ جس طرح بڑی عمر والے چھوٹے بچوں کے کھیل کھلا پر ہنستے ہیں کہ یہ کیا کر رہے ہیں، اُسی طرح اہل اللہ علماء سو کی حرکتوں پر ہنسا کرتے ہیں کہ اُن کے نزدیک زندگی کا مقصد کیا ہے اور نہیں جانتے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا، شعر:

علم را بر تن زنی مارے بود   علم را بر دل زنی یارے بود

۔۔۔حضرت سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ۔۔۔

کوش تا دل زندہ گرو تن چہ آرائی برنگ   مردہ را سود ے ندارد گور با نقش و نگار

۔۔یا۔۔اس علم سے مراد وہ دانش ہے جو کہ حصول کمالات کے بعد بھی سالک کے دِل میں باقی رہ جاتی ہے اور جب تک بقول حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہ۔۔۔طالب رازیاں دارد مقالات خردمندی۔۔۔ باقی رہتی ہے، اُس کی منزل میں حجاب ہوتی ہے اور سالک اپنے کمالات سے ناواقف رہ جاتا ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ جنابِ غوثیت مآب کے اِس ارشاد میں 'علم لدنی' مراد ہو جس سے درویش پہلے درجہ سے ہی دعوت شروع کر دیتا ہو، جیسا کہ آپ کے اپنے عمل سے ثابت ہے کہ آپ نے رہزنوں کو توبہ کی منزل دکھائی اور پہلی ہی کیفیت میں اُن کو اپنا ارادتمند بنالیا۔ اِس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ مرشد اگرچہ خود ابھی تحصیل میں مصروف ہو اور حصول کمالات سے فارغ نہ ہوا ہو، جائز ہے کہ وہ مبتدیوں کو ہدایت کرے اور جس قدر خود ترقی کرتا جائے، ساتھ ساتھ ارادتمندوں کو بھی چلاتا رہے، اور یہ عین صواب ہے کیونکہ اس اتنے کام کے لیے تکمیل علم شرط نہیں۔ اور بعض صوفیہ کرام نے لکھا ہے کہ علم سے مراد اِس شعر میں علم عبادات و معاملات ہے، اور یہ حاصل نہیں ہوتا جب تک علم قرآن و حدیث اور تفسیر و فقہ سے بہرہ نہ ہو۔

اور 'نلت السعد' میں یہ رمز ہے کہ ہر علم کے حصول کے لیے ایک ملکہ ہوتا ہے جو ایک ظاہری علم کی ڈگری پانے والے کو تعلیم میں۔۔یا۔۔ ایک اولوالعزم درویش کو منازل حقیقت میں حاصل ہوتا ہے۔ پھر 'مولی الموال' فرما کر یہ ثابت کیا کہ تدریس و درس علم سے بلاواسطہ کسی کے ذات رب العزت سے واصل

ہوا اور اگر اس سے مراد سرکار انبیاء محمد رسول اللہ ﷺ لیے جائیں تو یہ بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے۔۔۔لَامِنَّةَ لِاَحَدٍ عَلٰی بَعْدَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔۔۔سبحان اللہ! یہ کتنا بڑا مجاہدہ ہے جو بلا واسطہ ایک انتہائی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ایک عارف باللہ اِس مضمون کو یوں اَدا فرماتے ہیں: اشعار

؎ علم آں علم استاز دیدار یار حساس آید اے برادر یاد دار

تا غبار دل رود نورحق در جان شاگرداں درد

تا توانی علم ہورا یادگیر

از طفیل شاہ محی الدین پیر

اَے طالبِ حق! حصولِ علمِ دین میں قدم اُٹھا، کیونکہ اُس کے انوار سے عقبٰی کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔وہ علم ہی کیا ہے جس سے دیدارِ یار نہ پائے۔دُنیا کی قلیل متاع سے ہاتھ اُٹھا اور اس میدان علم میں آ،علم دُنیا کے لیے شرف اور آخرت کے لیے زینت ہے۔معرفتِ الٰہی اور خود شناسی و خدا شناسی کے لیے ہر بے علم جو زہد اختیار کرتا ہے، وہ کفر کے گڑھے میں گرتا ہے۔العیاذ باللہ۔

لیکن اِس سے یہ نہ سمجھ کہ علم بجائے خود منزلِ مقصود پر پہنچا تا اور بمرتبہ قطبیت فائز فرما دیتا ہے ، ہرگز نہیں، بلکہ نتیجہ علم فضل و کرمِ ایزدی پر ہے۔محض الفاظ کا حصول اور سیاہی کا حلول انسان کو کامیاب نہیں کرسکتا، بے شمار اِسی سے ہدایت یافتہ اور لاتعداد اِسی سے گمراہ ہوجاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام بست و چہارم۔۔۔دعویٰ لاثانی

فَمَنْ فِی اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ مِثْلِیْ وَمَنْ فِی الْعِلْمِ وَالتَّصْرِیْفِ حَالِیْ

گروہِ اولیاء اللہ میں میری مانند کون ہے جو علم اور حال کے بدلنے میں میری برابری کر سکے

کس کو میری ہمسری کا ہو خیال اولیاء میں جب نہیں میری مثال

کون ہے جو علم میں تعریف میں ہو مقابل حال میں تصریف میں

یہ شعر اکثر قصائد میں نہیں ہے، فقیر نے کتاب اورادِ اویسیہ مصنفہ صوفی عبدالکریم صاحب اویسی سے لیا ہے۔ لہٰذا اس کی صحت کے ذمہ دار وہ ہیں کہ الفاظ یہی صحیح ہیں ۔۔ یا۔۔ نہیں، کیونکہ فقیر نے ایک اور بزرگ سے بھی معلوم کیا تو انہوں نے اِسی شعر کو الفاظ کی ذراسی تبدیلی کے ساتھ پڑھا اور فرمایا کہ اِس میں کلام نہیں کہ یہ شعر قصیدہ شریف ہی کا ہے اور وزن مفہوم الفاظ ترکیب بندش باقی اشعار کی طرح ہی فصیحانہ اور چست ہے لیکن بعض لاعلم درویش اس کو موضوع سمجھتے ہیں۔

بہر حال اِس شعر میں جس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے وہ کسی بے جا تعلّی اور بے معنی تفوق پر محمول نہیں ہے بلکہ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی علومرتبت اِس دعوے میں قطعاً حق بجانب ہے اور گزشتہ اشعار بھی اِس کی تائید کرتے ہیں۔

آخر حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اپنے اُس نانا بزرگوار صاحب لولاک متصرفِ افلاک محمد رسول اللہ ﷺ کے ہی نواسے ہیں، جنہوں نے ۔۔۔ اَیُّکُمْ مِثْلِیْ ۔۔۔ فرما کر دُنیا بھر کے اشتباہِ مماثلت کو مٹا دیا تھا اور ۔۔۔ اِنِّیْ لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ ۔۔۔ کے ارشاد سے ہمچو مائیوں اور ہمچو مثلیوں کے دانت توڑ دیئے تھے۔ صاحبِ 'مناقب غوثیہ' لکھتے ہیں کہ آپ کے جسم مبارک پر مثل جسمِ مقدس آنحضرت سرورِ عالم ﷺ کبھی مکھی نہ بیٹھتی تھی اور آپ کے عرق میں بھی مثل عرق مبارک حضرت خواجۂ عالم ﷺ خوشبو آتی تھی اور آپ کے بول وبراز کو بھی زمین کھا جاتی تھی۔ ایک دن لوگوں نے عرض کیا حضرت یہ سب باتیں تو مخصوص ذاتِ پاکِ سرورِ کائنات علیہ الثناء والتحیات تھیں، حضور میں اِن کے پائے جانے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا: قسم ہے خداوندِ عزوجل کی کہ یہ وجود عبدالقادر کا نہیں ہے بلکہ یہ وجود آنحضرت ﷺ کا ہی ہے اور اہل اللہ اِسی کو 'فنائے اتم' کہتے ہیں، دیکھو 'سالک السالکین'، ص: ۳۴۲۔

پھر جب ذات وصفات، حالات وکمالات، افعال واقوال، کا یہ عالم ہو تو گروہِ اولیاء اللہ میں بے مثلی کا دعویٰ کوئی بے حقیقت چیز نہیں ہے، جو صرف مدارج غوثیت وفردیت سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے بے شمار دلائل ہیں، جن میں سے بطریق اختصار یہاں پر نقل کیے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کرامات آپ کی بے حدو بے حساب تھیں، جیسا کہ معجزات آنحضرت ﷺ کے لاتعداد و بے شمار تھے، پس آپ غوث الثقلین (شیخ الکل) ہوئے۔

حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کراماتِ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ حد تواتر کو پہنچی تھیں اور بالاتفاق معلوم ہے کہ کسی اولیائے زمانہ سے اس قدر کرامات ظاہر نہیں ہوئیں۔

حضرت مخدوم گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ 'مقاماتِ عالیہ' میں فرماتے ہیں کہ آپ کی مناقب

وکراماتِ کثیرہ اِس قدر زیادہ ہیں کہ کسی زبان میں شمار کی طاقت نہیں۔

حضرت مولانا جمال الدین سہروردی کتاب 'سیر العافین' میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ نے چوبیس ۲۴ برس کی عمر میں آپ کو ملک عراق کے پہاڑوں میں سیر کرتے ہوئے پایا اور پانچ ۵ مہینے سات دن آپ کی صحبت اکسیر خاصیت میں رہ کر افاضات وافاداتِ صوری ومعنوی سے بہرہ ور ہوئے۔ اور حضرت سید محمد گیسو دراز قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد۔۔۔ **قدمی هٰذه** ۔۔۔ پر سب اولیاء سے پہلے جس نے گردن خم کرنے اور۔۔۔ **قَدَمُکَ عَلٰی رَاسِیْ وَعَیْنِیْ** ۔۔۔ فرمانے میں سبقت کی، وہ یہی خواجہ غیاث الدین سنجری کے صاحبزادے تھے۔

'خلاصۃ القادریہ' میں ہے کہ جب ندائے منادی غیب عالمِ ارواح میں پہنچی تو حضرت سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کی روح پاک نے بجناب ایزدی عرض کیا کہ احکم الحاکمین یہ تیرا فرمان ہے، مگر سید عبدالقادر کو بایزید پر کون سی فوقیت ہے، ارشاد ہوا کہ دو ۲ فوقیتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ میرے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرزند ارجمند ہے، دوسرے یہ کہ تُو فارغ مشغول ہے اور وہ مشغول فارغ، تو عاشق ہے وہ معشوق ہے، یہ سنتے ہی آپ نے گردن جھکا دی اور **سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** کہا۔

'قلائد الجواہر' میں شیخ ابو البرکات صخر بن مسافر سے مروی ہے کہ اولیاءِ زمانہ میں سے ہر ایک کے ساتھ اِس بات کا عہد تھا کہ وہ ظاہر۔۔یا۔۔ باطن میں بغیر اجازت آپ کے کچھ تصرف نہ کرسکیں گے، آپ کو حضرت قدس میں ہم کلام ہونے کا مرتبہ حاصل تھا۔ اور آپ اُن اولیاء کرام میں سے ہیں جن کو حیات وممات دونوں میں تصرفِ تام حاصل ہے۔ اور مشاہیر صلحاء، فقراء اِس مسئلہ میں متفق ہیں کہ جو اولیائے کرام صاحبِ تصرف تام ہوتے ہیں، اُن سے تصرفات وخوارق عادات جس طرح زندگی میں صادر ہوتے ہیں، اُسی طرح بعد وفات کے بھی ظہور میں آتے ہیں۔

'تلخیص القلائد' میں حضرت شیخ ابوذکری سے منقول ہے کہ فرمایا حضرت محبوبِ سبحانی نے کہ میں نے ایک شب عالمِ خواب میں دیکھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تخت مرصع پر سوار تشریف لائے اور مجھے نہایت محبت سے اپنے حضور میں بٹھایا اور میری پیشانی پر بوسہ دیا اور جسمِ اقدس سے اپنا پیرہن مبارک اُتار کر مجھ کو پہنایا اور فرمایا۔۔۔ **هٰذا خلعة الغوثية على الاقطاب والابدال والاوتاد** ۔یعنی یہ ہے خلعتِ غوثیت، جس کی تمام قطبوں اور ابدالوں اور اوتادوں پر فوقیت ہے۔

'جواہر القلائد' میں ابن سقا فرماتے ہیں کہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ایک رات

خواب میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے گود میں لیا اور اپنا دودھ پلایا، پھر اُسی اثنا میں حضور ﷺ تشریف لے آئے اور فرمانے لگے۔۔۔ یَاعَائِشَة هٰذَا وَلَدُنَا وَقُرَّةُ اَعْيُنِنَا وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔

صاحبِ 'مناقب غوثیہ' لکھتے ہیں کہ آپ شب معراج آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، اور آپ کو ولایت مطلقہ محمدی ﷺ عطا ہوئی اور حضور ﷺ نے وراثتِ محبوبیت کے لیے آپ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد ﷺ بمعیت جبرائیل علیہ السلام جب سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو وہاں سے جبرائیل علیہ السلام رخصت ہوئے، تب اللہ تعالیٰ نے میری روح کو بھیجا تا کہ شرفِ قدمِ مبارک سے مشرف ہو، پس میں نے وراثتِ اعلیٰ وخلافتِ کبریٰ حاصل کی اور آنحضرت ﷺ نے اپنا قدمِ مبارک میری گردن پر رکھا اور مقام قاب قوسین تک پہنچ گئے اور فرمایا: اَے میرے لختِ جگر! آج میرا قدم تیری گردن پر ہے کل تیرا قدم کُل اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہوگا۔۔ نیز۔۔ منقول ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے نشان قدمِ مبارک آنحضرت ﷺ آپ کے کندھے پر موجود تھا۔

سبحان اللہ! یہ وہ واقعات ہیں جن کو تاریخ درویشی جلی حروف میں پیش کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ۔۔۔ فَمَنْ فِیْ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ مِثْلِی ۔۔۔ کا دعویٰ غلط نہیں ہے۔ ڈوبا ہوا بیڑہ بارہ ۱۲ برس کے بعد دریا سے نکال دکھانا اور ذروں میں کرامات قطروں میں مکاشفات کی توفیق بھر دینا حضور ہی کا حصہ ہے، ایک چور کو قطب کر دینا ڈاکو کو ولی بنا دینا، ولیوں اور ابدالیوں کی ولایت سلب کر لینا، جنات کو محض پیغام سے دُور کرنا اور بیماروں کا شفایاب ہونا، آپ کی کرامت سے محی الدین ابن عربی کا پیدا ہونا، لڑکی پیدائشی کا لڑکا بن جانا، جلے ہوئے درخت اور سید احمد کبیر کا اَز سرِ نو درست ہو جانا، ایک نصرانی کے مناظرہ میں مردہ قوال کا زندہ ہونا وغیرہ وغیرہ، یہ وہ باتیں ہیں جو گروہِ اولیاء میں سے حقیقتاً آپ کی بے مثلی پر دلالت کرتی ہیں۔

'رسالۃ الاولیاء' میں لکھا گیا ہے کہ جب کوئی شخص منصبِ ولایت پر منسوب ہوتا ہے تو پہلے بحضور خواجۂ دوعالم ﷺ پیش کیا جاتا ہے، پھر آپ کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے، آپ اس کو اگر لائق ولایت پاتے ہیں تو اس کا نام دفترِ اولیاء میں درج فرماتے ہیں اور یہ دستور آپ کے عہد غوثیت مہد سے جاری ہے۔

شیخ ابوطاہر عبداللطیف بن ابوطاہر بغدادی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے برسرِ منبر فرمایا کہ جو کچھ لوحِ محفوظ میں ہے، میں دیکھتا ہوں: اَے آسمان اور زمین کے رہنے والو! آؤ اور علم طریقت مجھ سے سیکھو، اَے اہل عراق! میرے نزدیک وجد وحال مثل ایک پیرہن کے ہیں، میں جس کو چاہوں پہنا دوں، یہاں ولایت ودرجات ہیں اور یہاں خلعت عطا ہوتے ہیں، یہاں زندہ اولیاء اپنے جسموں اور مردہ اپنی روحوں سے تشریف لاتے ہیں، میں ملائکہ اور جن وانس سب کا شیخ ہوں، میں ان لوگوں سے کلام

کرتا ہوں جو پردۂ قاف سے آتے ہیں، قدم اُن کے ہَوا میں اور دِل اُن کے خدا میں ہوتے ہیں، آتش شوق ابھی اُن کے صدور میں اِس قدر شعلہ زن ہے کہ اُن کے کلاہ وطوق کو جلا دیتی ہے۔

یہ وعظ فرمایا جارہا تھا کہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرزاق جو منبر کے قریب بیٹھے تھے، بے ہوش و بے خود ہو گئے اور اُن کے پیرہن کا گریبان جلنے لگا۔ حضور غوث الاعظم منبر سے اُتر آئے اور وہ آگ بجھا کر فرمانے لگے: اَے عبدالرزاق! تُو بھی اُسی گروہ سے ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے شیخ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کی بے ہوشی کا سبب کیا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اوپر کی جانب دیکھا تو مجھے مردانِ غیب اِس کثرت سے ہَوا میں کھڑے نظر آئے کہ تمام کرّہ ہَوا اُن سے بھرا ہوا تھا اور سب سر جھکائے حضرت کا وعظ سن رہے تھے۔ کوئی آہ وفغاں کرتے، کوئی ہَوا میں اُڑتے، کوئی بے ہوش ہو کر زمین پر گر جاتے، اور بعض کے کپڑوں میں آگ لگ رہی تھی۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿جام بست و پنجم ... تعلق دامانی﴾

رِجَالِیْ فِیْ هَوَاجِرِهِمْ صِیَامٌ　　　　وَفِیْ ظُلَمِ اللَّیَالِیْ کَاللَّآلِیْ

میرے لوگ یعنی مرید سخت گرمی میں بھی روزے دار ہوتے ہیں
اور رات کی تاریکیوں میں روشن موتیوں کی طرح چمکتے ہیں

میرے متبعین نیکوکار ہیں　　　　بد ومرتاض وروزے دار ہیں
رات کی تاریکیوں میں ذوق سے　　　　یاد کرتے ہیں خدا کو شوق سے

کسی گزشتہ بیان میں یہ مسئلہ واضح کیا گیا ہے کہ شیخ کی شانِ مشیخیت اور مرید کی ہمتِ ارادت کیسی ہونی چاہیے اور جو نااہل لوگ میدانِ پیری میں قدم مارتے ہیں، اہل اللہ کے نزدیک اُن کی حقیقت کیا ہے، اور جو بدعمل ہو کر میدانِ ارادت میں اپنے آپ کو کسی بزرگ سے منسوب کرتے ہیں اُن کی کیفیت کیسی ہے۔ اگر وہاں سے سمجھ نہ آئی ہو تو آ اور خود غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا اپنے مریدین کی نسبت امتیازی نشان

معلوم کر، جس سے پتا چل جائے گا کہ جو بدنام کنندہ مرید خلافِ اتباع پیر جاتے ہوئے یوں مدعی ہوتے ہیں کہ ہماری بدعملی ہی پسندیدہ ہے، یہ غلط ہے اور بغیر عقیدت پیر و اتباع شریعت اِس عقیدہ کو دِل میں جگہ دینا کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ اپنے مرید کی صفت بیان فرماتے ہیں کہ میرے ارادتمند نہایت متقی، پرہیزگار، شب بیدار، روزے دار اور رات کی تاریکیوں میں موتیوں کی طرح چمکنے والے ہیں، اُن کی ریاضتِ شاقہ اور زہد و عبادتِ خاصہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ وہ ایک قطبِ وقت کے مرید اور متبع ہیں، کیونکہ پھل اپنے درخت اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ وہ نام نہاد مرید جو بدعمل ہو کر دعویٰ کرتا ہے کہ میں فلاں بزرگِ وقت کا مرید ہوں وہ بکواس کر کے خود ہی ذلیل نہیں ہوتا بلکہ وہ شیخ کو بھی بدنام کرتا ہے اور اپنے پورے خاندان کے اولوالعزم لوگوں کے لیے ایک بدنما دھبہ ہوتا ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے، شعر:

کارشیطان میکند نامش ولی　　　　گر ولی ایں است لعنت بر ولی

گزشتہ اشعار میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی حیثیت بیان فرمائی ہے اور اس شعر میں اُن انسانوں کا ذکر خیر فرمارہے ہیں جو انسان آپ کی اتباع و ارادت کے معترف ہیں اور جن کے مرید ہونے پر حضور کو بھی ناز ہے کیونکہ اولاد جس حد تک کامیاب ہو والدین کو اُسی حد تک فخر ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں: میرے رجال (مرد) سخت گرمی کی دوپہر میں صائم اور سخت تاریک راتوں میں قائم ہوتے ہیں۔ اُن میں پست ہمتی اور بزدلی نہیں کہ چودھویں صدی کے ملنگوں کی طرح وضو سے جان چرائیں اور نماز و روزہ سے غش کھائیں، کیونکہ مجاہدہ کی حقیقتِ اعلیٰ یہی ہے کہ درویش شدتِ گرما میں روزے دار اور ظلمتوں میں نور اطاعت سے چمکدار رہے۔ دید و یافت کے لیے مجاہدہ ایک لابدی اور ضروری چیز ہے جس طرح دودھ سے مکھن، سنگ سے لعل، زمین سے پانی، بے محنت نہیں ملتا اِسی طرح مشاہدہ بے مجاہدہ محال ہے۔۔ المشاهدات مواريث المجاهدات ۔ یعنی مشاہدے مجاہدوں کی میراث ہیں، اور ان ہی سے رحمتِ کاملہ کے قبول کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔، پھر اس طریق کار پر مجاہدہ کرنے کے لیے **ھواجر**، صیام، ظلمت اور **لیالی** کے معنی ہی شاہد ہیں کہ اس مجاہدۂ بیداری میں روز و شب کیونکر نفس کا خون ہوتا ہے اور کیونکر خواہشات و وساوس شیطانیہ کی راہیں تنگ ہوتی ہیں۔

رجالی سے مراد وہ مرد ہیں جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ۔۔۔ طالب المولیٰ مذکر وطالب العقبیٰ مونث الدنیا مخنث ۔ یعنی مولا کریم کی طلب کرنے والا مرد ہوتا ہے، اور عاقبت کی طلب کرنے والا

عورت اور دُنیا کی طلب کرنے والا ہیجڑا، یعنی خنثیٰ۔۔۔تو مطلب یہ ہوا کہ میرے ملنے والے مرد ہیں جو مولا کی طلب کے سوا دوسری کوئی طلب ہی نہیں رکھتے۔ عاقبت کی طلب یعنی جنت پانے اور دوزخ وحشر کے عذاب سے بچنے کے لیے عبادت کرنا گویا عورتوں کی طرح ہارسنگار کے سبب سے نجاتِ اخروی حاصل کرنا ہے، یعنی عورت جب خاوند کو اپنے آپ پر مائل اور خوش کرنا چاہے تو وہ وہ کام کرتی ہے جس سے اُس کا مالک اُس کی خوبصورتی، پاکیزگی اور اطاعت دیکھ کر اُس پر راضی ہوجائے۔ بعینہ یہ حال اُس درویش کا ہے جو عذاب سے بچنے کے لیے عبادت کرتا ہے اور اُس کی عبادت میں رضاءِ الٰہی مقصود نہیں ہوتی، پھر اُس انسان کا کیا ذکر ہے جو ریا کاری اور دُنیا پرستی کو مدنظر رکھ کر خدا کا نام بیچتا ہے اور اُس کے تمام تر زہد وتقدس کی منتہا حصولِ دُنیا اور جلبِ زَر ہوتی ہے۔ اور جس کو مخنث فرمایا گیا ہے یعنی اُس نے نہ مردوں کا سا کام کیا اور نہ عورتوں کا سا، دونوں جہاں میں دونوں انسانی اقسام سے باہر ہوگیا۔ یہ مخنث اِس لیے کہلایا کہ مخنث کا کام ہے اپنا صاف لباس پہن کر عورتوں اور مردوں کا بھیس بدل کر۔۔۔یا۔۔۔سوانگ بنا کر عوامِ اہلِ جہان کی محفلوں میں ناچ رنگ، رقص وسرود کر کے لوگوں کے دروازوں سے بھیک مانگنا۔ اور یہی حال اُس نام نہاد وریا کار فقیر کا ہے جو روپ تو درویشی کا رکھتا ہے مگر دَرحقیقت اس لباس درویشی سے مقصود اُس کا اہلِ دُنیا کے دروازوں سے بھیک مانگنا ہوتا ہے اور خدا پرستی۔۔۔یا۔۔۔عرفانِ الٰہی سے اُس کو دُور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی اَزلی بلندی کے انقطاع سے متاثر ہوکر انسانی ابتدائی کیفیات کا جہاں ذکر فرماتے ہیں، وہاں انہی معنوں میں عارفانِ الٰہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

کز نیستان مرا ببریدہ اند   وزنفیرم مردوزن نالیدہ اند

اِس مردانگی کا سرکارِ غوثیت مآب بھی تذکرہ فرماتے ہیں کہ میرے مرید نہ عقبٰی پسند ہیں اور نہ دُنیا پرست، کیونکہ وہ بزدلی اور بے چارگی میں عورتیں اور ہیجڑے۔۔۔یا۔۔۔زنخے نہیں ہیں، بلکہ وہ مرد ہیں جو طالب المولیٰ ہوتے ہیں اور ابتدائی مجاہدہ میں ہی اُن مردوں کے مساوی ہوجاتے ہیں جو مدعا تک پہنچے ہوئے ہوں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جن راہروانِ میدانِ مجاہدہ کی یہ کیفیتیں ہوں کہ وہ گرمی کی شدت میں روزہ رکھ کر۔۔۔اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِہٖ۔۔۔کے مستحق بنیں اور رات کی تاریکیوں میں رکوع وسجود اور کثرتِ نوافل وتہجد سے اُن کی پیشانیاں نورِ عبادت سے موتیوں کی طرح چمکیں اور لامکاں کی بلندیاں اُن کی روحانی تفریح گاہیں ہوں، تو وہ کیوں مَردوں سے تعبیر نہ کیے جائیں۔

۔۔نیز۔۔یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے اس شعر میں

باقی تمام عبادات سے مخصوص طور پر روزہ کا ذکر کیا ہے، کیونکہ روزہ کی عبادت ایک خاموش ریا سے پاک اور نفس کے لیے شاق عبادت ہے جس کا علم سوائے عالم الغیب خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتا ہے، اور اس کی تکلیف سے نفس امارہ کی تمام خواہشات قطع ہو جاتی ہیں اور بھوک کے غلبہ سے وساوس و خطرات کی بساط لپیٹی جاتی ہے اور یہی 'جہادِ اکبر' ہے جس کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا۔۔۔رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ ۔یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں۔لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! 'جہادِ اکبر' کیا ہے؟ فرمایا: مجاہدۂ نفس۔اور مجاہدۂ نفس کو حضور ﷺ نے جہاد پر بزرگ فرمایا، کیونکہ تلوار سے جان کا فیصلہ ایک منٹ میں ہوتا ہے اور مجاہدۂ نفس میں جب تک عمر پائے ہر گھڑی رنج میں گزرتی ہے۔ نفس کا مجاہدہ ہر لحظہ نفس کا مقابلہ اور حرص وہَوا کا دُور کرنا ہے اور جہاد بالسیف مجادلہ اور قہر کا عمل ہے، اسی لیے سب محقق مجاہدہ کو ہی مشاہدہ کا سبب بیان فرماتے ہیں، لیکن بعض حضرات یہ بھی لکھتے ہیں کہ مجاہدہ وصولِ خدا کے واسطے علت نہیں کیونکہ جو بھی خدا کو پہچانتا ہے خدا کی بخشش سے پہچانتا ہے اور بخشش کو فعل سے کیا کام، وہ الگ شئے ہے، یہ الگ، لیکن وہ نہیں جانتے کہ مجاہدہ تہذیب نفس کے لیے ہوتا ہے، نہ قرب کی حقیقت کے لیے، کیونکہ مجاہدہ کا رجوع بندہ کی جانب ہوتا ہے اور مشاہدہ کا حوالہ خدا سے، پس اِس صورت میں اُس کو اس کا سبب ہونا۔۔۔یا۔۔۔اس کو اس کا آلہ ہونا محال ہے، کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴿۲۹:۶۹﴾، یعنی جن لوگوں نے ہمارے راستہ میں محنت کی البتہ ہم اُن کو اپنی راہ دکھلائیں گے۔۔۔اِس سے ثابت ہوا کہ جو مجاہدہ کرتا ہے وہ مشاہدہ پاتا ہے، اگر مجاہدہ مشاہدہ کی علت نہ ہوتا تو ایسی بہت سی آیات کا حکم باطل ہو جاتا۔

ھواجر سے مراد دوپہر کی گرمی۔۔۔یا۔۔۔شدتِ گرما ہے، جس میں روزے دار ہونا حقیقتاً ایک سخت ترین مجاہدہ ہے اور اگر اس سے غلبۂ جوانی کی رمز سمجھی جائے، جب ہر انسان کی عمر کا آفتاب نصف النہار اور پوری تمازت پر ہوتا ہے تو یہ بھی قرین قیاس ہے، کیونکہ عہدِ شباب میں ارتکابِ معاصی کا اکثر اندیشہ ہوتا ہے، پھر ایسے وقت میں نفس کو اِقتضائے نفسانی سے باز رکھنا ایک مردانہ فعل ہے اور اسی طرح **ظلم اللیالی** کی تاویل تاریکی جہالت سے ہو سکتی ہے جس کا اُن مردان میدان مجاہدہ پر غالب نہ آسکنا اُن کی انتہائی مردانگی پر دال ہے۔

۔۔نیز۔۔صوم کے بعد شب بیداری کا ذکر فرمانا یہ معنی رکھتا ہے کہ جو شخص بھوک سے مجاہدۂ نفس کرتا ہے وہی رات کو بیدار بھی رہ سکتا ہے، حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔۔۔الجوع طعام العارفین۔۔۔اور یہ بھی فرمایا کہ۔۔۔الجوع امانة اللّٰہ تعالیٰ لا یعطیها الا لمن له امانة و دیانة۔

جوع دارد آتشے اندر مزاج　　آب گردد آہن از وے در نتاج
سنگہا از نار گردد وشیشہ　　جوع از دلہا کشاید کیسۂ
صوم آمد ضافی از چرک وجود　　صوم آمد جلوہِ رب ودود
صوم آمد ترکلی ماسوا　　صوم آمد صانی و کافی وفا
صوم آمد خویش را کردن نفی　　صوم آمد دولت نورونوی
صوم را دریاب تایابی بقا　　تانماید سر معنی والضحیٰ

والضحیٰ والشمس راتعبیر کن
از صیام مصطفیٰ تنویر کن

پس جو شخص بیداری کا طالب ہو اُس کو چاہیے کہ بھوک یعنی روزہ کو لازم پکڑے، کیونکہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابلیس انسان کے رگ وریشہ میں خون کی طرح دَورہ کرتا ہے، اُس کی راہوں کو روزہ سے تنگ کردو، زیادہ کھانے والا انسان شیطان کی چراگاہ ہے۔ طبی نظریہ کے ماتحت بھی نیند کا سبب وہ بخاراتِ غذائیہ ہوتے ہیں جو اخلاط سے پیدا ہو کر دھواں بنتے ہیں اور اُن کا جذب ہونا اجزاءِ آبی بن کر دماغ میں پہنچتا ہے، اور ہوش کو ڈھانپ لیتا ہے اور عقل کو کام سے معطل کر کے انسان کو عبادت اور عرفان الٰہی سے غافل کر دیتا ہے، شعر:

اے برادر خواب تاریکیست دان　　زانکہ شاہش ظلم خواندہ دربیان

ظلمت کی نسبت رات کے ساتھ اس طرح ہے کہ اس کا ورود ہی رات کو ہوتا ہے اور طالب کے مطلوب تک پہنچنے میں حارج ہوتی ہے اور اس کے راستہ میں حجاب کا کام دیتی ہے، مگر بندگانِ خدا وہ ہیں جو رات کی تاریکیوں میں نورِ عبادت پیدا کر کے مطلوب کی تلاش کرتے ہیں اور تنہا ملنا چاہتے ہیں، اور شبِ معراج کی سیر کا بھی شاید یہی فلسفہ ہو، کیونکہ طالب ومطلوب جب بھی ملنا چاہیں، وہ تنہائی کا کونہ ڈھونڈتے ہیں، تاکہ ہمارے راز ونیاز کو کوئی نہ دیکھے، اِسی واسطے حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عقیدت کیشوں اور ارادتمندوں کے مجاہدے کا یہ طریق بیان فرمایا ہے کہ دن کو روزہ رکھتے ہیں، رات کو غفلت سے نجات حاصل کر کے بیداری سے معرفتِ الٰہی چاہتے ہیں، پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کی ہستیاں اندھیرے میں موتیوں کی طرح چمکتی ہیں، جن کے قلوب مجلیٰ اور چہرہ ہائے پُر انوار پر نحوست ونامرادی کا غبار نہیں رہتا اور بصورتِ ریشہ دہا گہ جو اُن کے بھی دامن سے لپٹ جائے گا، وہ بھی اِسی شان کی قدر وقیمت

رکھے گا۔ شعر:

رشتہ واپس نہ دہد ہر کہ گہر میگرد می پذیرند بداں رایہ طفیل نیکاں

یہی وجہ ہے کہ تمام اہل اللہ شب بیداری کے حامل اور عامل نظر آتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ رات کی تاریکیوں میں اُن کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے۔ قرآن کریم میں ہے کہ بے شک رات کا اُٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور اُس وقت کی دُعا بھی بے حد مقبول ہوتی ہے اور یہاں سے ہر وہ شخص جو غوثِ صمدانی کا ارادتمند ہونے کا مدعی ہے، اُس کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ اگر مجھے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے نسبت وارادت ہے تو مجھے اپنے آپ کو کس قسم کا بنانا چاہیے، کیونکہ غیر شرعی طریق اور رہبانیت کا مجاہدہ مجھے آپ کے ارادتمندوں میں شمولیت کا استحقاق نہیں دے سکتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام بست و ششم ۔۔۔ علوشاہِ جیلانی

وَ کُلُّ وَلِیٍّ لَّهٗ قَدَمٌ وَّاِنِّیْ عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ

اور قربِ الٰہی میں ہر ولی اور ہر صاحبِ قرب کا اپنا درجہ اور قدم جداگانہ ہے،
مگر میں اپنے جد بزرگوار کے قدم اور اُس کے مرتبہ کے ظل میں ہوں

منزل قرب وتقرب میں عزیز ہر ولی کی ہے جداگانہ تمیز
پر میں سب میں خاص عالی پایہ ہوں رحمت عالَم کے زیر سایہ ہوں

پچھلے پچیسویں شعر میں حضور نے اپنے مرید کی امتیازی حیثیت بیان فرمائی تھی کہ میرے مرید کی پہچان کیا ہے اور ہر جھوٹے ارادتمند اور بے راہرو غیر شرع عقیدت مند کو میری نسبت حاصل نہیں ہو سکتی، اب اِس شعر میں اپنی علومرتبت کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ منزل قربِ الٰہی میں ہر ولی اور صاحبِ قرب کا اپنا اپنا قدم جداگانہ ہوتا ہے جو ایک حد تک محدود ہے، مگر میں مدارج ومراتبِ عرفان وحقیقت میں ایک خاص کمال سے نوازا گیا ہوں، کیونکہ وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر ہیں اور میں اپنے جدِّ بزرگوار، سید ابرار، معرفت کے شہسوار، کائنات کے تاجدار، احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہوں، جو آسمان کمال کے بدرِ

کامل ہیں۔اور یہ اظہر من الشمس بات ہے کہ جس قدر علم و فضل، درس و تدریس، تشہیر و تقدیس، میں استاد شہرۂ آفاق ہوتا ہے اُسی حد تک اُس کے تلامذہ زمانہ میں ممتاز ہوتے ہیں۔ چونکہ حضور کی بلندیٔ مرتبت وہ ہے جس کے لیے جمیع انبیاء علیہم السلام کو بھی برابری کا حوصلہ نہیں، اس لیے غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی طفیل وہ حیثیت ہے کہ جمیع اولیائے کرام شریعت و معرفت کے میدان میں آپ سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

--یا--یوں سمجھئے کہ ہر ولی کا وسیلہ قربِ آنحضرت نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ پاک ہے اور علیٰ قدر مراتب ہر ولی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے فیض حاصل کرتا ہے اور وہ فیض بدرجہ کمال آں سرکار غوثِ الاعظم رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب افضل الانبیاء ہیں تو غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ افضل الاولیاء ہوئے۔ نہ انبیاء علیہم السلام سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر قرب کا دم مار سکے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نورِ اوّل ہیں اور ہر ظرف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نور کی شراب ڈالی گئی ہے، اور نہ ہی اولیائے کرام سے کوئی غوث الاعظم کے اپنا معاون ہونے کا اِنکار کر سکے۔

گر نبودے ذات احمد مصطفیٰ — جوش کے دادے خزانہ آں بقا
کنت کنزاً مخفیا فہمیدہ — از خلقت الخلق احمد دیدۂ
گر نبودے ذات احمد در وجود — کے شدے اسرار رب اندر شہود
دردو عالم نور احمد مصطفیٰ — ظاہر و باطن نمودہ از بقا

انبیاء را ذات او آمد ظہیر
اولیا را نو او شد دستگیر

--یا--مزید تشریح یوں سمجھئے کہ نبوت سے نیچے ولایت کا درجہ ہوتا ہے، نبوت اصل ہے اور ولایت فرع۔ تمام اولیائے کرام جمیع انبیاء علیہم السلام کے جھنڈوں کے نیچے ہوتے ہیں اور ہر ولی کو رتبہ کسی نبی سے حاصل ہوتا ہے، جب ہر ولی کی ولایت کسی نبی کی نبوت کا سایہ ہوتی ہے اور نبی کی نبوت کا درجہ نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے ہے تو ماننا پڑے گا کہ اُن نبوتوں کے سائے نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ سے کم ہوں گے۔ لہٰذا جو درجہ ہر ولی نے ہر نبی سے اپنی استعداد کے مطابق حاصل کیا وہ غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق آپ کے درجہ سے کم ہوگا۔ لہٰذا صحابہ ءکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد ولایت کا جو درجہ اپنے زمانہ تک، الا ماشاء اللہ، حضور کو حاصل ہے، وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اور حضور فرماتے ہیں: اس کا یہ بھی ایک سبب

ہے کہ دیگر اولیاء سے بعض بعض حالات میں دُنیوی علائق سے لغزشیں سرزد ہوتی ہیں، مگر مجھ کو حضور ﷺ کی برکت سے کوئی لغزش عائد نہیں ہوئی اور یہ شرف مجھ کو حضور پُر نور شافع یوم النشور ﷺ کی طفیل حاصل ہے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ولایت نبوت محمدی علیہ الصلوات والتسلیمات کا سایہ دو ۲ قسم پر ہے: ایک وہ جو بدرجہ اتم صحابہء کرام میں تھا اور دوسرا جو صحابہء کرام کے بعد اولیائے امت میں پایا گیا۔ پہلا ظل دوسرے سے اس لیے بالاتر تھا کہ صحابہء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضرت نبی کریم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل کیا تھا اور قرآن کریم اُن کی تعریف فرماتا ہے اور حدیث شریف میں رب العزت سبحانہ وتعالیٰ کا اُن کے حق میں فرشتوں پر فخر کرنے کا ارشاد آیا ہے۔ پس جمیع صحابہ کرام صغار و کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تمام اولیائے امت پر فضیلت ہے، کیونکہ اُن کے ایک صاع جو خیرات کرنے کو باقیوں کے اُحد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرنے پر ترجیح دی گئی ہے اور اُن کی سنت کو حضور نے اپنی سنت بیان فرمایا ہے۔ جب یہ سوال کیا گیا کہ صراط مستقیم کیا ہے جس پر تمام تہتر ۷۳ فرقوں سے امت کا ایک فرقہ قائم ہو کر نجات یافتہ ہو جائے گا، تو حضور ﷺ نے فرمایا۔۔۔ اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ۔ یعنی جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

دوسرا ظل جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اولیاءِ امت ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر فضیلت ہے، کیونکہ ہر ایک کی استعداد و حال جداگانہ ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور غوث الاعظم نے فرمایا ہے کہ دیگر اولیاء اللہ نے تو عام راستہ ولایت کا طے کیا ہے مگر میں حضور ﷺ کے خاص اسرار پر مطلع ہوا ہوں جن پر مطلع ہونا ہر ایک کا کام نہیں۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ ولایت دو ۲ قسم پر ہے۔ ایک عامہ اور ایک خاصہ، ولایتِ عامہ یہ ہے کہ اتباعِ نفس سے خلاصی پا کر اور امر الٰہی کا پابند ہو کر نوافل و فضائلِ حسنہ سے تقربِ الٰہی حاصل کرے اور یہ ہر ایک مؤمن کو حاصل ہو سکتی ہے۔

ولایتِ خاصہ کے متعلق بعض صوفیائے کرام نے فرمایا کہ ولی اپنے حال۔۔۔یا۔۔۔محبتِ الٰہی میں ایسا فانی ہو کر خداوندِ تعالیٰ جل جلالہ کے مشاہدہ میں اپنے آپ کو بھلا دے اور اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے سے خبر دے۔۔۔یا۔۔۔خداوندِ تعالیٰ کے سوا غیر پر آرام کرے۔

بعض نے لکھا ہے کہ ولی وہ ہے جو خوف و رجا سے الگ اور غم و اندوہ سے پاک ہو اور اُس پر آیت شریف۔۔۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔۔۔ کی گواہی پیش کرتے ہیں، کیونکہ ولی کو کسی ناخوش اور مکروہ چیز کے مقابلے سے خوف نہیں ہوتا اور نہ کسی مرغوب چیز کے چلے جانے کا غم اُس کو پریشان کرتا ہے۔۔۔یا۔۔۔ یوں کہیے کہ وہ دُنیا میں سوائے خدائے واحد و غالب کے کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتا اور نہ قیامت کا معاملہ اس کو غمگین کر سکتا ہے۔ خوف و غم نصیبِ نفس ہے، جب نفس ہی صفت رضا کا

حامل ہو جائے تو پھر خوف و ہراس اور بیم و یاس کی حقیقت ہی کوئی نہیں ہوتی۔

ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ۔۔۔الولی قد یکون مشھورا ولا یکون مفتونا۔یعنی ولی لوگوں میں مشہور ہوتا ہے لیکن مفتون نہیں ہوتا۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں۔۔۔قد سیکون مستوراً ولا یکون مشھوراً۔یعنی ولی پوشیدہ ہوتا ہے، مشہور نہیں ہوتا، کیونکہ اُس کی شہرت میں فتنہ ہوتا ہے۔۔۔لیکن یہاں قول ابوعثمان کا ہی معتبر بتایا گیا ہے کہ مشہور ہو، مگر اُس کی شہرت بغیر فتنہ کے ہو۔

حضرت ابراہیم اَدہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ولی وہ ہے جو دُنیا و عاقبت کی کسی شئے پر رغبت نہ کرے اور اپنے آپ کو صرف خداوندِ عالَم کی دوستی کے لیے خالی رکھے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔۔۔ھو الصابر تحت الامر والنھی۔یعنی ولی اُس کو کہتے ہیں جو خداوند تعالیٰ کے امر و نہی میں صبر کرنے والا ہو۔

حضرت سلطان العارفین باہو رحمۃ اللہ علیہ ولی کی تعریف یوں فرماتے ہیں کہ اگر وہ بیدار ہو تو عبادت و بندگی میں ہوشیار ہو۔اور اگر خواب میں ہو تو مشاہدہ میں غرق رہے اور اس پر پانچ مقامات کشادہ ہو جائیں۔اوّل مقامِ نفی، دوم مقامِ اثبات، سوم مقامِ تصورِ اسمِ ذات، چہارم مقامِ تلاوتِ قرآن، پنجم مقام درود و دُعائے سیفی بلا رجعت۔

حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ولی وہ ہوتا ہے جو مراتب ذات۔۔یا۔۔عوالم خمسہ کی تحقیق رکھتا ہو اور اُس پر ہاہوت، لاہوت، جبروت، ملکوت، ناسوت منکشف ہوں۔

۔۔۔حضرات کاملین نے اِن عوالم خمسہ کی یوں تشریح فرمائی ہے کہ۔۔۔

☆ ہاہوت: وہ عالم ہے جہاں نہ اپنی خبر اور نہ اس بے خبری کی خبر ہو۔

☆ لاہوت: جہاں اپنی خبر ہوتی ہے اور الوہیت کا دعویٰ۔

☆ جبروت: جہاں اپنے وجود سے خود بخود بالتفصیل شناسائی ہوتی ہے۔

☆ ملکوت: جہاں اپنی تسبیح و تہلیل میں آپ مشغول ہوتا ہے۔

☆ ناسوت: یہی عالمِ ظاہر جہاں ہر مظہر میں خود ظاہر ہے۔

۔۔یا۔۔یوں سمجھئے کہ جب خواہشات میں پڑا 'ناسوت' میں ہے، جب اپنی حمد و ثنا میں مشغول ہوا 'ملکوت' میں ہے، اور جب اپنے آپ کو پہچانا تو 'جبروت' میں ہے، پھر جب۔۔۔ **انی وانا** ۔۔۔کا نعرہ مارا تو لاہوت میں ہے، اور جب ساری حالتیں گم ہیں یعنی غیبِ مطلق تو 'ہاہوت' میں ہے۔

اِس سے مزید تشریح کی یہاں گنجائش نہیں، اگر مطلوب ہو تو کسی ولی اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اِسی لیے ولایتِ خاصہ کے پانے والے حضور غوث الاعظم فرما رہے ہیں کہ میرا قدم تمام اولیاء اللہ سے بلند ہے اور جو سعادت میرے واسطے مقدر ہے وہ کسی دوسرے کے لیے نہیں اور میری اِس سعادتِ خاصہ کا سبب میرا اتباع نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہے جس کے بغیر کوئی بھی منزل کمال کو نہیں پا سکتا۔

اور یہ جو حضور ﷺ کی نسبت فرمایا کہ میرا کمال اِس لیے ہے کہ میں اپنی جد پاک بدر الکمال سے اکتسابِ نور کیے ہوئے ہوں، اِس کا مطلب یہ ہے کہ جس حد تک معلم کا ظہور ہو، اُسی حد تک متعلم کا کمال ظاہر ہوگا۔ چونکہ سرکار کائنات مختار شش جہات محمد رسول اللہ ﷺ اپنے مراتبِ رسالت و نبوت کے کمال اور بشریت و عبدیت کے جمال اور محبوبیت کے منال و مآل میں اپنی مثل نہیں رکھتے، اور یہ فیض ذاتِ الٰہی کے آفتاب عین کمال سے وابستہ ہے، لہٰذا سیدنا غوث الاعظم بھی اُسی یکتائی کے دعویدار ہیں۔ جس طرح بدر کا مفہوم اُس چاند اور قمر کامل سے ہوتا ہے جو منزل بمنزل چل کر آفتاب سے اکتساب نور کر کے اپنی منتہا کو پہنچے اسی طرح اُس بدرِ کامل سے روشنی لینے والا اُس کی اتباع میں قدم بقدم ٹھہرتا چلتا اپنی علو مرتبت پر پہنچتا ہے اور وہ مقامِ غوثیت ہے جس پر حضور غوث الاعظم ناز فرما رہے ہیں ۔وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام بست و ہفتم ۔۔۔ ذوق فیض رسانی

مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ وَاشٍ فَاِنِّیْ عَزُوْمٌ قَاتِلٌ عِنْدَ الْقِتَالِ

اَے میرے مرید! کسی بدخواہ سے نہ ڈر، کیونکہ
میں جنگ و جدل میں دشمن کو تباہ کرنے والی ننگی تلوار ہوں

اے ارادتمند میرے ڈر نہ کر میں چمکتی ہوئی تیری سپر
جنگ میں میں قاتل اشرار ہوں رنگ میں اللہ کی گفتار ہوں

معرفت و درویشی کا میدان وہ دشوار گزار میدان ہے جہاں سے کسی مبتدی کا گزر بخیر و عافیت محال و ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ اس میدان کو عبور کرنے کے لیے قانون قدرت یوں جاری ہوا کہ بہترین مخلوق کو اس پُر خار وادی سے پار کرنے کو انبیاء و صلحاء کی ہستیاں مبعوث فرمائی گئیں اور اُن کی بعثت پر مولا

کریم ﷻ نے اِس طرح اپنا احسان بیان فرمایا جس طرح کسی اور نعمت کے عطا فرمانے پر نہیں فرمایا گیا۔ انسان کا تمام ڈھانچہ، انسان کی حیاتِ مستعار، انسان کی شرافت وفضیلت، انسان کی اولوالعزمی وسجدہ ریزی، انسان کا مسجودِ ملائکہ ہونا اور انسان کی بہترین تخلیق پر قسمیں کھا کھا کر تصدیق فرمانا کوئی کم احسان نہ تھے، مگر ان کو احسان کے لفظ سے بیان نہیں فرمایا اور اگر احسان فرمایا تو یہ کہ۔۔۔لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ ﴿۳:۱۶۴﴾۔یعنی ہم نے اُن مؤمنین پر جن کو مندرجہ بالا اوصاف سے متصف فرمایا تھا، یہ احسان فرمایا ہے کہ ان میں اپنے برگزیدہ نبی محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث فرما دیئے ہیں تا کہ وہ اُن کو 'عہد الست' کی یاددہانی کرائیں اور مسجودِ ملائکہ ہونے کی حیثیت سمجھائیں، حالانکہ مندرجہ بالا اوصاف رکھتے ہوئے اُن کا فرض تھا کہ وہ 'معرفتِ الٰہی' میں قدم اُٹھائیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح خود بخود اپنے رب کا سراغ لگائیں۔ یہ مولا کریم کے ذمہ لازم نہ تھا کہ وہ اُن کو پیغامبر بھیج کر از سرِ نو 'عہد الست' کی دعوت دے اور یاددہانی کرائے اور اُن کی بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ راست پر لانے کے لیے اپنے مقبولوں اور محبوبوں کو اُن کے ہاتھوں سے ایذا پہنچوائے۔

پھر جب انبیاء علیہم السلام دُنیا سے تشریف لے جاتے رہے تو وہ اپنی خلافتِ عظمیٰ کے ماتحت اپنی اپنی امت کو اُن بزرگ ترین ہستیوں کے سپرد فرماتے رہے جو صحیح معنوں میں ظاہری و باطنی طور پر انبیاء علیہم السلام کی وراثت کی مستحق ہوئی تھیں۔

ازاں بعد جب وہ زمانہ بھی گزر جاتا تو اُن حضرات کی متابعت کرنے والے وہ لوگ پیدا ہوتے جو علم وعمل میں اُن مقدس ترین وجودوں کا نمونہ ہو کر امت کی راہنمائی کا باعث بنتے اور بھٹکی ہوئی مخلوق کو پھر نبوت کے دروازے پر لا کھڑا کرتے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ میں رحمت ہوں جیسے بادل ہوتا ہے۔ دُنیا دیکھتی ہے کہ بارش ہو تو علیٰ قدر وسعت ہر چیز اُس سے اپنا حصہ لیتی ہے، شجر وحجر، چرند و پرند، وادیاں اور ویرانے، دشت وجبل، مزروعہ اور غیر مزروعہ زمینیں، سب اشیاء اُس سے منفعت حاصل کرتی ہیں، مگر پھر بھی کچھ باقی بچ کر گڑھوں اور تالابوں وغیرہ میں جمع ہو جاتا ہے جس سے اہلِ جہاں اُس وقت نفع اُٹھاتے ہیں جب کسی دوسرے وقت میں بارش نہیں ہوتی۔ اور بارش نہ ہونے پر اُس پانی سے وہ اپنی کھیتیاں سینچتے ہیں۔ فرمایا: ایسے ہی میرا زمانہ رحمتِ الٰہی کی فراوانی کا زمانہ ہے، کچھ رحمت کو مختلف ضرورت مندوں نے جذب کر لیا اور کچھ صلحاءِ امت کے سینوں میں جمع کر دی گئی ہے، جس سے قحط سالی کے زمانے میں اہلِ دُنیا کو نفع پہنچایا جائے گا۔

اِسی نفع کے حاصل کرنے کو کتاب اللہ نے 'اطاعتِ اولیاء اللہ اور علماءِ ربانی' کو لازم قرار دے

دیا ہے اور بزرگانِ امت نے بصورتِ بیعت اس کو اپنے عمل میں ایسی جگہ دی ہے کہ اس طریق کار سے بھٹکنا گویا خدا اور رسول سے بھٹکنے کے مترادف سمجھا گیا ہے۔ اور ہے بھی یہ صحیح، کیونکہ جب سے اس طریق کار کو چھوڑ کر توحید و رسالت کے نام نہاد متلاشی پیدا ہوئے ہیں، بے شمار فتنوں کا دروازہ کھل گیا ہے۔ ہر بات کو الفاظ کی عینک سے دیکھنا چاہتے ہیں اور تلاش حق و حقیقتِ روحانیت سے اِس قدر دُور ہو گئے ہیں کہ گویا روحانیت و درویشی ہی دُنیا میں سب سے زیادہ بے راہ روی و ضلالت کا موجب ہے۔ العیاذ باللہ۔

پھر یہ لوگ اپنی اِس بدعقیدگی کو اپنے آپ تک ہی محدود نہیں رکھتے بلکہ اس کو پھیلانے میں ایڑی چوٹی کا زور بھی لگاتے رہتے ہیں اور اہل اللہ کی عیب چینی اُن کا شیوہ ہو جاتا ہے، اس لیے اہل اللہ کے غلاموں کی تسکین حضور غوث الاعظم اپنے مرید کا نام لے کر یوں فرماتے ہیں کہ اَے میرے مرید! تُو کسی دشمن، کسی بدخواہ، کسی عیب چین اور کور ذوق سے نہ ڈر، کیونکہ میں لڑائی میں پختہ کار اور اولوالعزم دشمن کش ہوں، جس سے بوقتِ مقابلہ دشمن کے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں۔ نہ تجھے شیطان جیسا دشمن میرے ہوتے ہوئے بے راہ بنا سکے اور نہ نفس امّارہ جیسا بدخواہ اپنا داؤ چلا سکے۔ اور نہ کوئی بھٹکا ہوا شریر حیوان ناطق تجھے عیب چینی سے گزند پہنچا سکے، کیونکہ مرید اپنے شیخ کی محافظت میں ہوتا ہے جس کی تشریح کسی گزشتہ شعر کے ماتحت بھی کر دی گئی ہے۔

اِس شعر میں اُن نام نہاد درویشوں کی جانب بھی اشارہ ہے جو کسی ایک وظیفہ کے عامل ہو کر عام راہروانِ معرفت پر ڈاکہ زنی کرتے پھرتے ہیں، اُن کو سیدنا غوث الاعظم متنبہ فرما رہے ہیں کہ میرے مرید پر وہ ہاتھ صاف نہیں کر سکتے، اگر کریں گے تو اپنے کئے کا بدلہ پالیں گے، کیونکہ اپنے مرید کی پوری پوری پشت پناہ میں ہوں، کہیں وہ اپنے آپ کو مطلق العنان نہ سمجھ لیں۔

فقیر شارح کے ایک دوست کو دربار حضرت خواجہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ میں یہی ایک قضیہ پیش آیا کہ ایک شخص درویشانہ صورت دربار میں آیا اور جس خدا یاد بندے کو ملتا اُس کا ہاتھ بطریق مصافحہ ہاتھ میں لے کر فیض باطنی سلب و غصب کر لیتا اور وہ بیچارے اپنے آپ کو خالی پا کر رونے بیٹھ جاتے، وہ حسبِ عادت فقیر کے اس دوست (میاں معراج الدین) کے پاس بھی پہنچا جو اس وقت اپنے خیال میں مراقبہ میں مشغول تھے، آ کر بیٹھ گیا اور ہاتھ میں ہاتھ لے کر وہی حرکت درازی کرنا چاہی مگر مرضیٔ مولا لینے کے دینے پڑ گئے، جو کچھ تھا، چھنوا بیٹھا۔ میاں معراج الدین اُٹھ کر واپس ہونے لگے اور وہ چیخنے لگا، آخر بہ ہزار منت و عفو اِس شرط پر معاملہ صاف ہوا کہ آئندہ توبہ کرے کہ یہ حرکت کسی بندۂ حق سے نہ کرے گا۔

ہاں! اِس شعر سے اُن لوگوں پر بھی زجر و توبیخ کا کام لیا گیا ہے جو اہل اللہ اور اُن کے غلاموں

پر مضحکہ انگیزی کیا کرتے ہیں اور منافقانہ طریق پر اہل اللہ کی جماعت میں شامل ہوکر بندگانِ خدا کی پھبتیاں اُڑاتے ہیں، ایسی حرکات سے متاثر ہوکر بعض مبتدی بددل ہوجاتے ہیں، مگر حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اَے میرے مرید! ایسی فضول اور واہی تباہی باتوں سے مضمحل نہ ہو اور خوف نہ کھا، میں تیرا دستگیر اور دشمن مارنے والا ہوں اور فتح وظفر ہمیشہ بندگانِ خدا کے ساتھ ہوتی ہے۔ میری توجہ سے تیرے وسوسے دُور اور میری مدد سے خطراتِ نفسانی اور وساوس شیطانی چور ہوں گے۔

چونکہ خطرات ووساوس کی یہ صورتیں ہمیشہ اور ہر زمانہ میں اہل اللہ کو پیش آئی ہیں کہ کہیں شیطان بہکا رہا ہے اور کہیں شیطان صفت انسان دھوکا دینے پر تلے ہوئے ہیں، لہٰذا اِس شعر میں ایسے گمراہوں سے (جو نیکی سے منع کرنے والے اور نیکوں کی صحبت سے دُور رکھنے والے ہوں) سرکار حفاظت کا وعدہ فرمارہے ہیں، کیونکہ اللہ کے بندے دفع وساوس وخطرات میں کامل ہوتے ہیں، مرید کی ارادت صحیح ہونی چاہیے وہ بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ ہی رہتا ہے۔ اور جب ارادت سے گرجائے گا تو پھر اس کا اہل اللہ سے علیحدہ ہوکر تباہ حال ہونا یقینی ہوگا۔ اُس وقت ایسے مرید کی مثال اُس بکری کی سی ہوتی ہے جو اپنے رکھوالے کے حکم کے خلاف ریوڑ سے علیحدہ ہوکر کسی خوفناک جنگل میں چرنے پھرنے کی جرأت کرے اور کوئی تاک میں بیٹھا ہوا دشمن اُس کو شکار بنالے۔

۔۔نیز۔۔اس شعر میں غیر اللہ سے نہ ڈرنے کی تعلیم بھی دی گئی ہے کہ جب تُو درویش حق پرست کا طالب ہے تو تجھے کیا ڈر ہے، درویش تجھ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا، صرف تجھ کو تصورِ شیخ سے الحاق کی رسی مضبوط رکھنی چاہیے، جہاں چاہے پکار وہ فوراً تیری اعانت کو پہنچے گا، بلکہ اعانت محض تو درکنار تصور میں یہ خوبی بھی ہے کہ شیخ جس طالب کو چاہے اپنے جیسا ہی بنادے۔ وہ ارادت مند کے دِل کو ابدی زندگی بھی بخش سکتا ہے اور قہر پر آجائے تو سب کچھ سلب بھی کرسکتا ہے۔ اور جو شخص تصورِ شیخ پختہ کر کے فنافی الشیخ کا درجہ پاجائے تو ذات کے تمام مقامات کا مشاہدہ کرنے والا بن جاتا ہے، اور اگر یہ کیفیت اس پر نہ کھلے تو یہ تصورِ شیخ بھی بت پرستی میں داخل ہوجائے گا جس سے ہزاروں طالبانِ طریقت اس مخمصہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں، کئی پریشان حال اور خراب، کئی بیخود و دیوانے ہوکر موت کو لبیک کہہ دیتے ہیں، اسی وجہ سے بعض درویشوں نے لکھا ہے کہ۔۔۔الصوفی لا مذھباً لہ۔۔یا۔۔الصوفی مشرک۔ کہ ایسے صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا وہ لوگ بہت کم ہیں جو سلامتی کے ساتھ حقیقت کو پہنچ کر اپنے مقصود میں کامیاب ہوتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

بعض وہ لوگ جو اِس حقیقت سے آشنا نہیں کہ بندگانِ خدا کی طاقت کیا ہوتی ہے، ایسے کلام

کو بے جا اور غیر ممکن سمجھ کر اعتراضات کرتے پھرتے ہیں، مگر فقیر کہتا ہے کہ۔۔۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمہ آفتاب را چہ گناہ

اگر چمگادڑ کی آنکھ دن کو نہیں دیکھ سکتی تو سورج کا کیا قصور ہے۔ بندگان خدا کی ایسی صدائیں بے معنی اور لغو نہیں ہوتیں بلکہ اُن میں وہی کیفیت جلوہ گر ہوتی ہے کہ۔۔۔ منصور کے پردے میں خدا بول رہا ہے۔۔۔ منہ اُن کا ہوتا اور آواز و راز اُسی کرشمہ ساز کی جس کی آواز پر تمام ساز بجتے ہیں، جو اپنی حقیقت آپ ہے، وہی ہست ہے وہی ہستی، خود قائم و قیوم، خود ناظر و منظور، خود ہی ظاہر و مظہر ہے، سب اُسی سے پائے جاتے ہیں مگر کوئی اُس کو نہیں پا سکتا، وہ سب کو محیط ہے لیکن خود احاطہ سے باہر ہے، غیر سے بے نیاز اور ماسوا سے پاک ہے، فہم و قیاس عقل و ادراک سب اُس میں گم ہیں۔ عقل صرف اتنا بتاتی ہے کہ وہ ہے اور وجدان بولتا ہے کہ جو کچھ ہے اُسی سے ہے ۔۔یا۔۔ اُسی میں ہے۔ چونکہ اُس ذات کا ظہور ہمیشہ پردۂ صفات ہی میں ہوتا ہے، اس لیے یہ سمجھنا لازم ہے کہ لطافت بے کثافت جلوہ آرا ہو نہیں سکتی، چمن زنگار ہے آئینہ بادِ بہاری کا۔ اور حضرت ذوق فرماتے ہیں، شعر:

جہاں دیکھا کسی کے ساتھ دیکھا   تجھے ہم نے کبھی تنہا نہ پایا

دَر حقیقت انسان جملہ مراتبِ ظہور کا مظہر اتم ہے اور اِس میں سب عالَم جمع ہیں، لہٰذا وہ ان عالَموں کی حقیقت کے ادراک کا ملکہ رکھتا ہے، مگر ہر ایک میں یکساں نہیں بلکہ افرادِ انسان میں اس کے مدارج نہایت مختلف ہیں، کسی میں وہ ملکہ ایسا پُر زور ہوتا ہے کہ نہ اُستاد کی حاجت نہ رہبر کی ضرورت، گویا ذاتِ حق کے سوا کوئی اس کا ہادی نہیں ہوتا، بلاتوسط مبداء فیاض سے وہ فیض پہنچتا ہے کہ عالَمِ ناسوت سے لاہوت تک کی سیر اور مسلک کے تمام منازل و مقامات سے بخوبی واقفیت ہو جاتی ہے، پھر کسی میں وہ ملکہ اتنا کامل و قوی نہیں ہوتا تو وہ ان کاملوں کے ارشاد کی پیروی سے منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے اور اِسی طرح چراغ سے چراغ روشن ہوتا چلا جاتا ہے۔ مثنوی:

ہیں کہ اسرافیل وقت اند اولیاء   مردہ را زیشان حیات بے بہا
جانہائے مردہ اندر گور تن   بر جہد ز آواز شان اندر کفن
شیخ فعال است بے آلہ چو حق   با مریداں دادہ بے گفتے سبق
اندریں یم ماہیاں پر فن اند   مار را از سحر ماہی میکنند
ماہیان قعر دریائے جلال   بحر شان آموختہ سحر حلال

جام بست وہشتم ۔۔۔ اعلامِ جہانبانی

اَنَا الْجِیْلِیُّ مُحْیُ الدِّیْنِ اِسْمِ　　　　وَاَعْلَامِیْ عَلٰی رَأسِ الْجِبَالِ

میں جیلانی ہوں اور میرا نام محی الدین، یعنی دین کا زندہ کرنے والا، ہے
اور میری بزرگی کے جھنڈے پہاڑوں کے سروں پر گڑے ہیں

میرا محی الدین جیلانی ہے نام　　　　زندگی ملت کو دینا میرا کام
ہے مری تقدیس نورونار میں　　　　میرے جھنڈے گڑ گئے کوہسار میں

۔۔۔قرآن کریم میں حکم ہوتا ہے کہ:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ﴿۴۹:۱۳﴾

یعنی اَے لوگو! ہم نے پیدا کیا تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے، پھر تمہارے کنبے اور قبیلے بدیں غرض بنائے تا کہ تم پہچانے جاؤ۔ لیکن قابلِ تکریم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے

اِس سے معلوم ہوا کہ کسی نامورہستی کا اپنا جوہر ۔۔یا۔۔ پتا نشان ۔۔یا۔۔ شرافتِ خاندانی و کثمِ قبیلہ کا بیان کرنا شرعاً ممنوع نہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص کوئی خوبی رکھتا ہو، جب تک وہ خود بیان نہ کرے عوام اُس سے نفع نہیں اٹھا سکتے۔ طبیب، کاری گر، تاجر، صناع، حجام، بزرگ، نبی، ولی غرضیکہ سب اپنی حیثیت کا اعلان خود ہی کیا کرتے ہیں، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دربارِ مصر میں بادشاہ کے خواب کی تعبیر فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ مملکت کے خزانوں پر مجھے مختار کر دیجیے میں اُن کی حفاظت کر سکنے والا اور امین ہوں۔ اور اِسی حقیقت وراستی کے پیشِ نظر وہ ملک مصر کے مختار و مالک بنا دیئے جاتے ہیں۔

اِسی نظریہ کے پیشِ نظر سرکارِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ میرا وطن گیلان ہے اور میں 'محی الدین' کے لقب سے مشہور ہوں اور میری ظاہری و باطنی بزرگی کے نیزے ۔۔یا۔۔ جھنڈے پہاڑوں پر لہرا رہے ہیں جو ہر متلاشی طریقت اور راہرو حقیقت کے لیے ایک نشان کا کام دیتے ہیں۔ تا کہ جو کوئی میری طرف آنا چاہے ۔۔یا۔۔ اپنی منزل کو پانا چاہے، یہ نشانات اُس کی راہنمائی کریں۔ اور اِس ارشاد سے حضور

کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ہر شخص جو مجھ سے نسبت وعقیدت قائم کرنی چاہے، میرے نام ومقام سے پہلے واقف ہوتا کہ وہ اپنے حصول مقصد کے لیے بلاتر دد ہمارے حضور میں پہنچ کر فیض ظاہری وباطنی حاصل کر سکے، کیونکہ جب تک آنے والے کو یہ پتا نہ ہو وہ حاضر نہیں ہو سکے گا۔

۔۔نیز۔۔اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ ارادتمند کو اپنے پیر کے اسم ووطن سے پوری واقفیت ہونی چاہیے، تاکہ اُس کو تمیز حاصل ہو، اور اِسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اپنے پیر کی ظاہری کیفیت کے متعلق پورا علم رکھنا ارادتمند کے لیے طریقت کی ایک شرط ہے، کیا بلحاظِ سلسلۂ نسبی اور کیا بلحاظِ شرافتِ حسبی۔

شاید اِسی واسطے بزرگانِ دین نے اپنے مشائخین کے شجروں کو ارادتمندی کے ماتحت لازم قرار دیا ہے اور اُن کا ورد بھی موجبِ برکات وحسنات لکھا ہے، کیونکہ شجرہ کے جاننے سے نسبت گم نہیں ہوتی اور نسب ضائع نہیں ہوتا۔اور اسلام نے جو انسانی صحت پر بیسیوں شرعی مسائل کا انحصار رکھا ہے، اس کی بھی یہی غرض معلوم ہوتی ہے۔جبھی تو حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کی بھی چار[۴] نسبیں یاد کرنا واجب قرار دے دی گئی ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ اگر کوئی شخص حضور ﷺ کے دربار میں کبھی انساب کا ذکر کرتا تو آپ فرماتے: چھوڑو، تاکہ صدیق بیان کرے، کیونکہ انساب کے بیان کرنے میں وہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ حضور غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو حضرت سیدنا عباس بن عبدالمطلب نے آپ کا بلند واشرف نسب ہونا بیان فرمایا اور آپ ﷺ نے دُعا فرمائی۔اِس سے اپنے نسب کی اصلیت بیان کرنا گناہ نہیں معلوم ہوتا بشرطیکہ بصورتِ تفاخر نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا محبوبِ سبحانی اِس شعر میں اپنا مختصر سا پتانشان فرما کر عوام کو متوجہ کرتے ہیں کہ میں جیلی (گیلان کا رہنے والا ہوں) جو ایک علاقہ ہے اور جائے پیدائش موضع یلق ہے، میرا اصلی نام تو اور ہے مگر خلق خدا میں 'محی الدین' کے لقب سے ملقب ہوں، یہ میرا لقب اتنا مشہور ہو گیا ہے کہ اِس کو میرے نام کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔یہ لقب میرے فعل کا گواہ ہے، جیسا کہ مشہور روایت ہے کہ دینِ اسلام آپ کو مریض کی شکل میں سامنے آیا اور آپ نے اُس کو صحت وطاقت عطا فرمادی، تو آپ کو خلق خدا نے 'محی الدین' کہنا شروع کر دیا۔یہ قصہ فقیر کسی سابق شعر کی شرح میں بیان کر چکا ہے، دوبارہ یہاں ذکر کرنا ضروری معلوم نہیں ہوتا۔البتہ یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ ہزاروں اہل اللہ کی ہستیاں اپنے القاب سے مشہور ہو جاتی ہیں جن کے اصلی نام سے اکثر لوگ واقف نہیں ہوتے، مثلاً حضرت مجدد الف ثانی، حضرت داتا گنج بخش، حضرت پیر مکی، حضرت سعدی، حضرت مولانا روم، پیر قندھاروی، دمڑی والا، حضرت امام صاحب وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔اِن حضرات کے اصلی اسماء شریف سے بہت کم لوگ آشنا ہیں لیکن

ان کے خواص واعمال نے یہاں تک شہرت حاصل کی ہے کہ وہی لقب اصلی اسم کی جگہ لے گیا ہے۔

اِسی طرح سرکارِ غوث الاعظم کا مشہور اسم 'محی الدین' ہے۔'احیاء' کے معنی زندگی دینا ۔۔یا۔۔ زندہ کرنا اور 'محی' کے معنی زندہ کرنے والا ہے۔تو مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح ۔۔۔من الماء کل شیء حی ۔۔۔کہا جاتا ہے کہ ہر چیز پانی سے زندہ ہے، یعنی ہر سبزی وروئیدگی کو پانی ہی سے سرسبزگی وتازگی حاصل ہوتی ہے اِسی طرح ایسے زمانے میں جب عصیان وطغیان کا زور اور معصیت کاری وعدوان کا شور ہو، نیکی کے تمام پہلو جہان میں کمزور ومعدوم نظر آئیں، کسی کا دینِ مبین کی تبلیغ کرنا اور خلقِ خدا کو اَز سرِ نو دعوتِ حق پہنچانا اور لوگوں کو راہِ راست پر لانا گویا دین کو زندہ کرنا ہے۔

انسانوں میں معرفتِ الٰہی کا ذوق اور یادِ حق کا شوق پیدا کر دینا دین کو نئی زندگی بخشنا ہے۔جیسا کہ قرآن کریم میں بارش کے متعلق ارشاد ہے۔۔۔یُحۡیِی الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ﴿۵۷:۱۷﴾۔۔۔زمین کی موت اس کا روئیدگی سے محروم ہونا ہے، بارش نے آکر اُس کو زندہ کر دیا، ایسے ہی سیدنا غوث الاعظم نے جب دُنیا فتنہ وفساد کی تاریکی اور بدعقیدگی کی ظلمت میں گھر رہی تھی، انوارِ دین کی ضیاپاشی فرمائی اور دینی کمزوریوں کو دُور کر کے پھر آفتابِ نصف النہار کی طرح زمانہ میں چمکا دیا اور یہی اس کی زندگی تھی۔

پھر فرمایا کہ۔۔۔اَعۡلَامِیۡ عَلٰی رَاسِ الۡجِبَال ۔۔۔کہ میں نے جو احیاءِ ملت کا کام کیا ہے، وہ محض دعویٰ ہی دعویٰ نہیں بلکہ اِس حقیقت کے جھنڈے ان بڑے بڑے گناہوں کے پہاڑوں پر گڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جن کی چوٹیوں پر میری عالی ہمتی کے سوا کسی نے قدم نہیں رکھا۔ ہر ڈاکو، ہر رعونت پسند، ہر متکبر، ہر نفس پرست، ہر مدعی، ہر سلطان زمانہ کی فرعونیت مٹائی اور اس کی جگہ توحید ورسالت کی بستی بسائی۔ اور یہ واقعات اِس قدر ہیں جن کے لیے بجائے خود ایک دفتر کی ضرورت ہے اور یہ مبالغہ نہیں استعارہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ آں حضور غوث پاک نے جو ملت کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، وہ حضور ہی کا حصہ تھیں۔

شیخ ابوبکر نے حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی نسبت ایک کتاب میں فرمایا ہے کہ وہ پانچویں صدی کے وسط میں عراق میں ظاہر ہوں گے۔ اُن کے اقوال وافعال سے اقتداء کیا جائے گا اور اُن کی برکت سے رب العزت اپنے بندوں کو اعلیٰ درجے عطا فرمائے گا اور قیامت کے روز دوسری امتوں کے سامنے اُن کی بابت فخر کرے گا۔

اور شیخ ابوالبرکات اسماعیل بغدادی اپنے باپ سے روایت فرماتے ہیں، وہ فرماتے تھے کہ بغداد میں ایک عجمی نوجوان عبدالقادر نام آئے گا جو رفعت ومحبت میں عالی مقام ہوگا اور دُنیا ومافیہا اُس کے سپرد

کی جائے گی۔ اُس کا قدم متمکن وہاتھ حقائق میں روشن اور خدا کے حضور میں نشانِ عظیم ہوگا۔

جب حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ خود خدا کے حضور میں نشانِ عظیم کی حیثیت رکھتے ہیں تو آپ کے نشانات کا زمانہ میں بلندی کی چوٹیوں پر لہرانا کوئی خلافِ عقل دعویٰ نہیں۔

اور اگر **جبال** سے مراد اولیائے کرام کے مقدس وجود لیے جائیں اور **اعلام** سے وہ فیوض جو حضور نے اُن پر فرمائے اور وہ دُنیا میں آفتاب نصف النہار کی طرح چمکے، تو یہ بھی موزوں ہے۔ جیسے کہ حضرت امام ابوبکر عبداللہ بن نصیر تمیمی فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مسطر باورائی رضی اللہ عنہ کی زیارت کو گیا تو آپ نے مجھے فرمایا: کچھ حالات شیخ عبدالقادر (رضی اللہ عنہ) کے سناؤ، چنانچہ میں نے سنائے تو آپ جھومنے لگے اور فرمایا کہ اب شیخ عبدالقادر دُنیا پر خدا کا نشان ہے جس سے اسرارِ اولیاء اور ریح وروحہ قدسیہ مہکتے ہیں۔ وہ متکلم حضرت اور سیف نعمت ہیں اور اس زمانہ میں کسی ولی کو حال ومقام بغیر اُن کے ہاتھ کے نہیں دیا جاتا۔ جب وہ نظر کرتے ہیں تو ہم لوگ اُن کی نظر کی حفاظت میں ہوتے ہیں اور جب سانس لیتے ہیں تو ہم سب اُس سانس کی حمایت میں، جب چلتے ہیں تو ہم اُن کے قدم کے سائے میں ہوتے ہیں اور آنحضرت کے عِلم کے بغیر کوئی ولی ظاہر وباطن میں تصرف نہیں کرسکتا۔ اور وہ ایک ایسے بلند پایہ نشان کے حامل ہیں کہ اُن کو موت کے بعد بھی اکوان میں ایسا ہی تصرف دیا گیا ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھا۔

اللہ اللہ چہ عظیم وچہ رفیع القدرے است — غوث اعظم کہ جہاں بندۂ فرمان والے است
ہر کہ در پیش تو اے شاہِ جہاں بندہ نشد — خسر الدنیا والآخرۃ در شان دے است

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام بست ونہم ۔۔۔ نسبتِ خاندانی

اَنَا الْحَسَنِیُّ وَالْمَخْدَعُ مَقَامِیْ — وَاَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ

میں نسب کے لحاظ سے حسنی ہوں اور 'مقامِ مخدع' میرے لیے مخصوص ہے
اور میرا ہر قدم اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔

نسب ہے حسنی مرا مخدع مقام — رازِ پوشیدہ کا آیا ہوں امام

سب میرے نیچے ہیں اس عرفان میں　　　ہے قدم میرا ہی اونچا شان میں

ان لوگوں کے لیے جو آپ کے سلسلۂ نسب میں بے جا کلام کرتے ہیں اور واہی تباہی خیالات کو دِل میں جگہ دے کر معترض ہوتے ہیں کہ آپ کا سلسلۂ نسب ساداتِ کرام سے نہیں اور اگر ہے بھی تو آپ نجیب الطرفین سید نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ، خود حضور نے یہاں فرمادیا ہے کہ میرا لقب 'محی الدین' ہے اور نسبِ خاندانی سے حسنی سید ہوں، یعنی حضرت سیدنا حسن علیہ السلام بن مولا مشکل کشا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد ہوں جس کا سلسلہ یوں ہے۔ حضرت سیدنا سید عبدالقادر میراں محی الدین بن سید ابی صالح موسیٰ جنگی دوست بن ابی عبداللہ بن یحییٰ زاد بن سید داوٗد بن سید محمد بن سید موسیٰ بن سید موسیٰ الجون بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن سیدنا امام حسن بن سیدنا حیدر، کرم کرا از زوج بتول، داماد رسول ﷺ علی المرتضیٰ بن ابوطالب رضی اللہ عنہ۔

یہ یاد رہے کہ 'جون' کے معنی سیاہ وسپید کے ہیں، یعنی 'موسیٰ الجون' کا رنگ سفید اور بال سیاہ تھے اور آپ بڑے حسین تھے۔ 'محض' کا لفظ جو عبداللہ کے ساتھ آیا ہے، اِس کے معنی 'خالص' کے ہیں۔ اور حسن مثنیٰ میں مثنیٰ کے معنی دوئم کے ہیں، یہ اس لیے کہ صورت وسیرت میں آپ اپنے والد بزرگوار کے عین مشابہ تھے، اس لیے اس نام سے پکارے گئے، یہ سلسلۂ پدری ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کی نسب یوں ہے: فاطمہ بنت عبداللہ صومعی بن ابوجمال بن سید محمد بن سید ابومحمود بن سید طاہر بن ابوالعطا بن سید عبداللہ بن سید ابوکمال بن سید عیسیٰ بن ابوعلاء الدین بن سید محمد بن سید علی العریض بن امام جعفر صادق بن امام باقر بن امام زین العابدین بن سید الشہداء امام حسین علیہ السلام بن امیر المؤمنین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

اِس مسئلہ پر بے شمار کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور یہ ایک ایسی بحث ہے جو معاندین کی طرف سے سوائے حسد وبغض کے اور کسی شیئے پر مبنی نہیں، آپ کی مذہبی حق گوئی اور تبلیغی صداقت جن لوگوں کی بدعقیدگی کے موافق نہیں آئی، انہوں نے آپ کے سید ہونے سے ہی اِنکار کر کے دِل کی بھڑاس نکال لی ہے، ورنہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کی ضیاء سے اِنکار سوائے شپرہ چشم انسان کے کوئی حق بین نہیں کرسکتا، اور چاند پر تھوکنے سے اپنے ہی منہ پڑتا ہے۔

یہاں آپ کے اپنا سلسلۂ حسنی بیان فرمانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ میرا ہر ارادتمند جان لے کہ میں حسنی سید ہوں اور ہر مرید اپنے پیر کے سلسلۂ نسب کی شناخت رکھے اور صرف پیر اور اُس کے جد امجد ہی یاد نہ ہوں بلکہ درمیانی سلسلہ سے بھی واقفیت ہو اور شیخ کا سارا سلسلہ اُس کو یاد ہونا چاہیے۔ اور یہ ارادتمند کے لیے بڑی برکات کا موجب ہوتا ہے اور پیرانِ عظام کے ارادتمند اور مشائخین کرام کے طالب

جو شجرہ پڑھاتے ہیں اور ختم خواجگان کراتے ہیں، یہ اُسی قبیل سے ہے۔

آگے آپ نے اِسی شعر میں ایک اور وضاحت فرمائی ہے جو بے عمل سادات کے لیے بالخصوص اور غیر متبع مریدین کے لیے بالعموم تازیانۂ عبرت ہے، اور وہ یہ ہے کہ میں صرف اِسی بات پر فخر نہیں کرتا کہ سید ہوں بلکہ میرا عمل اور میرا اعالی مقام بھی ثابت کرتا ہے کہ مولا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے پوتے اور شرافت حسبی و نسبی کے بنیادی اصول اور تمام کائنات کے نبیِ رسول مقبول ﷺ کے نواسے کی ظاہری و باطنی حیثیت وہی ہے جو اس کے جد بزرگوار کی تھی اور وہ صحیح معنوں میں علمی و عملی لحاظ سے اُن کا وارث ہے۔ وہ اگر 'افضل الرسل' ہیں تو یہ 'افضل الاولیاء' ہے۔

چنانچہ مخدع مقامی فرما کر واضح کر دیا کہ میری بلندئ مراتب کیا ہے۔ 'مخدع' اصطلاحِ صوفیا میں 'معرفتِ الٰہی' کے مقامات سے ایک خاص مقام ہے جو تمام اقطاب سے کسی خاص و ممتاز قطب کو حاصل ہوتا ہے اور عربی لغت کے لحاظ سے 'اسرارِ نہانی' یعنی پوشیدہ رازوں کے خانہ کو کہتے ہیں اور یہ مقام آنجنابِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص تھا، دیگر اولیائے کرام سے کم ہی لوگوں کو یہ درجہ نصیب ہوا ہے۔

بعض صوفیائے کرام نے لکھا ہے کہ لفظ مخدع خدع سے مشتق ہے اور خدع کے معنی کمینگاہ ---یا--- اُس پوشیدہ جگہ کے ہیں جہاں سامان حرب اور آلاتِ جنگ پوشیدہ رکھے جائیں جس کا اشارہ --- الحرب کلہ خدعتہ --- کے نفیس ترین الفاظ میں آیا ہے۔ پس اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میرا مقام و میدان معرفتِ الٰہیہ میں وہ محفوظ مقام ہے جس پر آگاہ ہونا بہت کم لوگوں کو حاصل ہے اور جب کوئی اُس مقام سے واقف ہی نہیں تو اُس کو کیونکر پا سکتا ہے۔ اِس مقام میں نفس و شیطان کے علم سے باہر ہو کر درویش وہ سامانِ مجادلہ و مجاہدہ رکھتا ہے جس پر کسی خطرۂ نفسانیہ اور وسوسۂ شیطانیہ کا دخل تک نہیں رہتا۔ چنانچہ اِسی ضمن میں حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کا ایک مشہور ترین واقعہ لکھا ہے:

کہ ایک مرتبہ حضرت بایزید علیہ الرحمہ کو شیطان ملا اور کہنے لگا کہ اگر کسی مردِ خدا سے ملنا چاہتے ہو تو اُس درویش کو ملو جو اُس پرانی مسجد میں بیٹھا ہے۔ جب حضرت بایزید علیہ الرحمہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص مراقبہ میں مستغرق ہے، تین ۳ مرتبہ اُس کو سلام کہا مگر جواب نہ پایا، چوتھی بار جب منت و سماجت سے اُس درویش کو مخاطب کرانا چاہا تو وہ بولا کہ اَے بایزید، دشمن کے کہنے پر کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو، میں نہ خدا کا دوست ہوں اور نہ ہی مردانِ خدا سے ہوں، اگر ہوتا تو دشمن خدا مجھ کو نہ جان سکتا، اور جب تک دشمن ہم کو جانتا ہے ہم اُس سے امن میں نہیں ہیں، ہم مردِ خدا --یا-- خدا دوست اُس وقت ہوں گے جب دشمن خدا ہم کو نہ پہچان سکے گا۔ جس مال کا علم چور کو ہے، اُس کے چرائے جانے کا خطرہ یقینی

ہے۔ یہی 'مقامِ مخدع' ہے جس کا ارشاد یہ بزرگ کر رہے ہیں۔ پس سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو یہی مقامِ قرب حاصل تھا، جس سے عام اولیاء بھی واقف نہ ہوں۔

حضرت گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ 'مقامِ وصال' کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، 'مقام' اُس اقامت گاہ کو کہتے ہیں جو بندۂ خدا کے راستہ میں حاصل ہوتی ہے اور اُس مقام میں خدا کے حق کی رعایت کرنا اور اُس کا اَدا کرنا تا کہ جس قدر آدمی کو میسر ہو اُس کے کمال کا ادراک کرے اور جب تک خدا نہ گزارے بندہ کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مقام سے گزرے، اور یہ کیفیت ہر ایک کی جداگانہ ہوتی ہے۔ 'حال' وہ حقیقت ہے جو خدا کی طرف سے انسان کے دِل میں آتی ہے، جب آجائے تو اُس کو 'کسب' سے دفع نہیں کرسکتا، اور جب جائے تو 'تکلف' سے حاصل نہیں کرسکتا، اور یہ کیفیت بدلتی رہتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اِسی ضمن میں 'مقامِ مخدع' کی یوں تشریح فرماتے ہیں: کہ عوام کی نجات کے لیے صرف۔۔۔یومنون بالغیب اور پابندی اوامر و نواہی۔۔۔کافی ہے، مگر خواص اس سے گزر جاتے ہیں، کفر و اسلام اُن کو تلاش کرتا ہے اور پتا نہیں پاتا، جب تک سالک علم شک و شبہ سے نہیں نکلتا، نفس ہم رنگِ قلب اور قلب ہم رنگِ روح نہیں ہوتا، یہاں پہنچ کر 'علم الیقین' اور اس کے بعد 'عین الیقین' حاصل ہوتا ہے۔ پھر خیالات علمی صورت پکڑنے لگتے ہیں اور سالک 'حق الیقین' کی منزل پالیتا ہے، مثنوی:

چوں رسی در منزل حق الیقین — سر او ادنیٰ دریں منزل ببیں
لی مع اللہ را وصال اینجا بود — جملہ کامل را کمال اینجا بود

ایک ارشاد میں غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ناسوت شیطان سالک ہے اور ملکوت شیطانِ عارف، اور جبروت شیطانِ واقف۔ اور جب تک سالک ظلال اسماء یعنی صورِ محسوسات اور اعیانِ ممکنات کو فانی نہ جانے اور جسم کو لذت سے، نفس کو شہوت سے، قلب کو خطرات سے، اور روح کو زیست سے، پاک و صاف نہ کرے، نہ بارگاہِ عظمت و جلال میں اس کو باریابی ملتی ہے اور نہ وہ اس مقام کو پا سکتا ہے۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے اس مقام کے متعلق ایک بڑی مشہور حکایت لکھتے ہیں:

حکایت:۔۔۔'تحفۂ قادریہ' میں لکھا ہے کہ شیخ ابو محمد عبدالرحمٰن طفسونجی منبر پر چڑھے اور فرمایا۔۔۔کہ میں اولیاء اللہ کے درمیان ایسا ہوں جیسے گلنگ پرندوں میں ہوتا ہے کہ اُس کی گردن سب سے بلند ہوتی ہے۔ اُس وقت شیخ ابوالحسن علی بن احمد بھی وہاں موجود تھے، فوراً بول اُٹھے اور گوڈری جسم سے علیحدہ کر کے فرمانے لگے کہ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ سے کشتی لڑوں؟ شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی خاموش ہو گئے

اور اپنے دوستوں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ میں اس شخص کے بدن پر کوئی ایک بال بھی حال سے خالی نہیں دیکھتا۔ اور شیخ ابوالحسن علی بن احمد کو کہا کہ اپنی گوڈری پہن لو۔ اُس نے جواب دیا کہ ہم وہ لوگ ہیں جب ایک چیز سے تعلق قطع کرلیں، پھر اُس کی جانب بازگشت نہیں کیا کرتے، شعر:

از سر صدق زہر چیز کہ بیرون شدہ ایم　　بدم پیر طریقت کہ بداں درنسویم

۔۔۔ پھر شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی نے پوچھا کہ آپ کے پیر طریقت کون بزرگ ہیں، تو جواب دیا:

گفت شیخم شیخ عبدالقادر است　　کز جلالت اولیاء را راہبر است

۔۔۔ تب شیخ عبدالرحمٰن نے کہا کہ آپ کے شیخ کا نام میں نے زمین پر تو سنا ہے لیکن چالیس [۴۰] برس سے میں درکاتِ قدرت میں ہوتا ہوں، وہاں پر کبھی نہ اُن کا ذکر پایا اور نہ اُن کو دیکھا ہے۔ اتنا کہہ کر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور کہو کہ عبدالرحمٰن کہتا ہے کہ میں چالیس [۴۰] برس سے درکاتِ قدرت میں متمکن ہوں، لیکن آپ کو وہاں کبھی نہیں دیکھا۔ یہاں یہ قصہ ہو رہا ہے، اُدھر حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اپنے دوستوں کو فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن طفسونجی کی طرف جاؤ اور اُس نے اپنے بعض احباب کو ہماری طرف روانہ کیا ہے، اُن کو بھی مل کر ساتھ ہی واپس لے جاؤ اور اُس سے کہو کہ عبدالقادر کہتا ہے کہ تُو درکات میں تھا اور جو درکات میں ہوتا ہے وہ درگاہ کو نہیں دیکھتا، اور جو درگاہ میں ہوتا ہے وہ 'مخدع' والے کو نہیں دیکھتا۔ میں تیرے سر سے گزرا کرتا تھا کیونکہ میرا خزانہ پوشیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تُو نے مجھے نہیں دیکھا اور اگر تو اِس بات کی تصدیق کرنا چاہتا ہے تو وہ سبز خلعت جو تم کو فلاں رات دیا گیا تھا، وہ میرے ہی ہاتھ سے پہنچایا گیا تھا اور فلاں رات جو فتوحات حاصل ہوئی وہ میرے ہی ہاتھ بھیجی گئی تھی، اور دوسری بات جو اِس کی تصدیق کرتی ہے، یہ ہے کہ درکات میں بارہ [۱۲] ہزار ولی کو خلعتِ ولایت دی گئی تھی، اور وہ سبز پیرہن کہ جس کی طرز یں سورۂ اخلاص شریف کی تھیں تیرے لیے میرے ہی ہاتھ سے بھیجی گئی تھی۔

۔۔۔ چنانچہ جب حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے خدام شیخ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے راستہ میں ملے تو اُن کو واپس عبدالرحمٰن کی خدمت میں لے گئے اور جو پیغام حضرتِ غوثیت مآب سرکارِ بغداد رضی اللہ عنہ نے دیا تھا بیان کیا، تو شیخ عبدالرحمٰن نے کہا: ۔۔۔ صدق الشیخ عبدالقادر سلطان الوقت وصاحب التصرف ۔ یعنی شیخ عبدالقادر سلطانِ وقت اور صاحبِ تصرف نے سچ فرمایا۔

الغرض اِس شعر میں اِس امر کا اشارہ ہے کہ حضور کی ذاتِ بابرکات سے باعتبار علوم رتبت دوسرے

منتہی حضرات بھی تعلیم وافادہ حاصل کرتے ہیں اور۔۔۔اقدامی علیٰ عنق الرجال ۔۔۔کا مفہوم بھی یہی ہے کہ بطریق احترام وافہام عوام کی گردنوں پر آپ کا قدم ہے اور سب پر آپ کی اطاعت وعقیدت لازم ہے۔

موصل کے ایک بزرگ محمد بن ابوالعباس کے والد بزرگوار ایک شب کا خواب ذکر فرماتے ہیں کہ ۵۵۱ھ کا زمانہ تھا، جب میں آپ کے مدرسہ میں رہا کرتا تھا، ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ جملہ مشائخ کرام کا ایک عظیم الشان اجلاس ہے اور حضرت غوث الاعظم اُس جلسہ کی صدارت فرمارہے ہیں، اُن مشائخین حضرات کے اجسام پر بعض کو عمامہ اور ایک چادر ہے، بعض کے جسم پر ایک عمامہ اور دو [۲] چادریں ہیں، لیکن حضور غوث پاک کے جسم پر اُس وقت ایک عمامہ اور تین [۳] چادریں ہیں، میں تعجب سے یہ سوچنے لگا کہ آپ کی بیک وقت تین [۳] چادریں کیوں ہیں، یہی سوچتے آنکھ کھل گئی، دیکھا تو آپ میرے سرہانے کھڑے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ تعجب کی کوئی بات نہیں، ایک چادر شریعت کی ہے، دوسری چادر حقیقت کی اور تیسری بزرگی وعظمت کی چادر ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ

تعالیٰ اللہ زہے ذاتے کہ چوں نیرنگ ہستی یافت
صفائی کو ہر پاکس دم از پرہیز گاراں رد

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جام سی ام۔۔۔اسمِ غوثِ صمدانی

وَعَبۡدُ الۡقَادِرِ الۡمَشۡهُوۡرُ اِسۡمِیۡ   وَجَدِّیۡ صَاحِبُ الۡعَیۡنِ الۡکَمَالِ

اور میں عبدالقادر کے نام سے مشہور ہوں
اور میرے جد بزرگوار کمال مرتبہ کے صاحب ہیں

عبد قادر نام میں مشہور ہوں   سید وعالی نسب منشور ہوں
جد میری ہے بہت عین الکمال   جو ہے محبوب خدائے ذوالجلال

سابق اشعار میں اپنا نسب بیان فرمانے کے بعد حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اِس شعر میں اپنا اصلی

اسم شریف بیان فرمارہے ہیں اور نسبی سلسلہ ذکر کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ۔۔۔

۱۔ مرید کو شیخ کے اسم سے واقفیت کس حد تک ہونی چاہیے اور کیوں۔

۲۔ شیخ نسبی سلسلے میں کیسا ہونا چاہیے۔

۳۔ نام رکھنے میں کیسے نام کو انتخاب کرنا لازم ہے۔

۴۔ اور جد پاک کا ذکر کیوں فرمایا۔

حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنے اصلی پیدائشی نام عبدالقادر سے مشہور ہوں اور میری جدِ پاک صاحبِ عین الکمال ہے۔

میرے مرید کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک شیخ کے نام سے واقف نہ ہو اور اُس کی پوری زندگی سے آگاہی نہ رکھے وہ نفع نہیں اُٹھا سکتا۔ جب وہ یہ سمجھ لے گا کہ میرے شیخ کا اسم شریف عبدالقادر ہے تو وہ یہ بھی سوچنے کی کوشش کرے گا کہ آپ ذات ونسب کے کون ہیں، جب یہ بھی معلوم کرلے گا کہ سید نجیب الطرفین ہیں، تو پھر عبدالقادر کے معنوں پر غور کرے گا کہ آیا اپنے معنوں کے لحاظ سے یہ اسم شرع شریف کے حکم کے مطابق ہے، اور جب وہ یہ سمجھ لے گا کہ بحکم حدیث شریف۔۔۔ان احب اسمائکم الی اللّٰہ عبداللّٰہ وعبدالرحمن ۔یعنی خدا کے نزدیک بہت پیارے نام بندوں کے وہ ہیں جن میں عبدیت کا تعلق ثابت ہو۔۔۔تو عبدالقادر بھی اِسی صفت کے ماتحت اُس کو شرع شریف کے دائرہ میں نظر آئے گا، کیونکہ اس میں بھی قادری کریم سے عبدیت اور عجز کا اظہار ہے۔

اِس حقیقت کے کھلنے کے بعد وہ جہاں چاہے شیخ کو پکار سکے گا اور جہاں چاہے اُس کے انوار توجہ سے اقتباس کر سکے گا۔ عبدالقادر کے معنی ہیں، قدرت رکھنے والے کا بندہ۔ جب قدرت والے کا بندہ (محض نام کے تعلق سے باہر ہوکر) صحیح بندہ بن گیا تو قادر کی قدرتوں کا ظہور اُس سے بھی ہونے لگے گا۔ اور یہ جہاں چاہے گا بحکم وقدرتِ قدیر ارادتمند کی ہر پکار پر اُس کی دست گیری فرمائے گا، کیونکہ قدرت تمام اوصاف کی جامع ہے اور ہر صفت 'قدرت' سے ظہور فرماتی ہے اور بندگانِ قدیر کے آگے یہ معمولی کام ہے جس کی مثالیں اولیاء اللہ کے حالات میں ریت کے ذروں اور بارش کے قطروں کی طرح بے شمار پائی جاتی ہیں، اور شاید اِسی نظریہ وعقیدہ کے ماتحت متقدمین حضرات نے شیخ کے نام کے وظیفہ کو جائز بلکہ مستحسن قرار دیا ہے۔ اور قادری حضرات تو جناب غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے اسم شریف کو بطریق ورد تلاوت فرماتے ہیں اور بڑے دردوسوز سے۔۔۔یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للّٰہ۔۔۔ پڑھ کر اپنی مرادیں حاصل کرتے ہیں بلکہ بعض حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کسی کام کے لیے استخارہ بھی کرنا چاہیں تو یوں کرتے

ہیں کہ۔۔۔ بعد نماز مغرب کے 'صلوٰۃ الاسرار' کے نام سے دو ۲ رکعت نفل اِس طریق سے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ ۱۱ بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اور نفل دوسری نماز کی طرح مکمل کر کے سلام پھیرتے ہیں اور اِس کا ثواب سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی روحِ مبارک کو ایصال کر کے بغداد شریف کی طرف (جو قبلہ اور قطب کے درمیان واقع ہے) اُٹھ کر گیارہ ۱۱ قدم چلتے ہیں اور ہر قدم پر آپ کا نام لے کر اَے حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی میری مدد فرمائیے! پکارتے ہیں، پھر گیارہ ۱۱ قدم چل کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور عرض مطلب کرتے ہیں اور پھر بغیر پیٹھ پھیرے اپنی جگہ پر واپس الٹے پاؤں آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور۔۔۔ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئًا لِلّٰہ۔ ایک سو گیارہ ۱۱۱ بار بطریق وظیفہ پڑھتے ہیں۔

بعض حضرات نے اِس 'صلوٰۃ الاسرار' کو اور طرح لکھا ہے اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو ایسے اعمال پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ غیر خدا کی پرستش ہے۔ مگر وہ چونکہ اس حقیقت سے لاعلم ہیں اس لیے معذور ہیں۔

فقیر نے سفرِ حج میں ایک مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کو دیکھا جو اپنی جماعت کو اور عام ہمراہیوں کو جہاز ہی میں یہ تلقین کر رہے تھے کہ مدینہ منورہ پہنچو تو فاتحہ کہو، درود پڑھو مگر روضہ ء پاک کی جالی کو ہاتھ نہ لگاؤ، نہ چومو، اور کوئی بھی ایسی حرکت غیر شرع نہ کرو۔ ساتھی اُن سے یہ مسائل سن کر صرف خوش ہی نہ ہوتے بلکہ توحید پرستی کے پرچار کا شکریہ بھی اَدا کرتے کہ ایک عالم باعمل کی مہربانی سے ہم ایسے افعال اور ایسی حرکات سے واقف ہو رہے ہیں جو غیر شرع ہیں مگر اُن لوگوں کے تعجب اور فقیر کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب خود ہی مولوی صاحب روضہ ء اطہر کو دیکھتے ہی والہانہ دوڑے اور روضہ ء پاک کی جالی کو ہاتھ لگانا تو درکنار زبان سے چاٹنے لگے، پھر کیا تھا ساتھی بھی شروع ہو گئے اور وہ جہاز والے سب مسائل نسیاً منسیاً کر بیٹھے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد جب مسجد نبوی سے باہر نکلے تو فقیر کے ایک دوست نے کہا آپ کی جہاز والی تقریریں کیا ہوئیں؟ تو رو کر فرمانے لگے: عشاق یہاں آ کر جو کچھ کرتے ہیں سب جائز ہے، فقیر نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے:

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کند

۔۔۔ بات یہ ہے کہ یہ سارا قصہ اپنے اپنے تعلق پر منحصر ہے۔ خلیفہ ء وقت نے لیلیٰ کو ایک دن کہا کہ تُو تو سیاہ رنگ کی ہے، مجنوں تجھ پر کیا دیکھ کر عاشق ہوا ہے؟ لیلیٰ بولی خاموش رہ! تیرے پاس مجھے دیکھنے والے مجنوں کی آنکھ نہیں ہے۔

حضرت شاہجہاں رحمۃ اللہ علیہ والی ہندوستان کے دربار میں ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش ہوا کہ بعض

لوگ بغداد شریف کی جانب گیارہ "قدم چل کر اور یا شیخ! کہہ کر حاجت طلب کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ قبل اِس کے کہ کوئی عالم دربار سے جواب دیتا خود بادشاہ ہی فرمانے لگے: میاں جب ہم دہلی سے اجمیر شریف تک پاپیادہ سینکڑوں میل چل کر زیارت کو آتے ہیں تو بغداد کی طرف غوث الاعظم کے لیے چلنا کیوں ممنوع ہوگا، سبحان اللہ! ہمارے حکمران بھی کیسے پاکیزہ عقیدہ کے مالک تھے۔

الغرض شیخ کے نام کو ارادت مند کے لیے حرزِ جاں بنانا بزرگانِ عظام کا فرمودہ ایک پرانا فعل اور ساتھ ہی شیخ کے شجرہ سے واقف رہنا ایک لابدی چیز ہے۔

یہاں یہ ذکر کردینا بھی بے جا نہ ہوگا کہ شیخ کے نسبی سلسلہ میں جس حد تک صحت اور بلندی ہوگی، اُسی حد تک اُس میں اولیاء اللہ بھی موجود ہوں گے۔ اور جس حد تک اس کی نسب میں اولیاء اللہ ہوں گے، اُسی حد تک ارادتمند کے لیے اپنا مقام پانے میں زیادہ امداد مل سکے گی۔ فی زمانہ یہ سلسلہ جو اکثر معاندین نے اختیار کر رکھا ہے کہ بغیر کسی درویش کے واسطہ کے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنا نہ کوئی شیخ نہ سلسلہ رکھتے ہیں، یہ کھلی نفس پرستی اور میدان طریقت میں بے راہروی ہے۔ ایسے لوگوں کی بیعت کو متقدمین حضرات اولیائے کرام نے پسند نہیں فرمایا، اسی لیے اس شعر میں حضرت غوث پاک اپنی جد پاک کی بلندی کا اشارہ بھی فرمارہے ہیں کہ۔۔۔ جدی صاحب العین الکمال ۔یعنی میرے پہلے بزرگ جن کی اولاد سے ہوں صاحب عین الکمال ہیں۔ جس کی جد۔۔۔ عین الکمال ۔۔۔ ہو۔۔۔ الولد سر لابیه ۔۔۔ کے ماتحت اولاد بھی۔۔۔ عین الکمال ۔۔۔ ہی ہونے کی حق دار ہوتی ہے، بشرطیکہ یہ اُن کی راہ سے بھٹک نہ جائے۔

حضور غوث الاعظم کی جد امجد ایک طرف سے نبی الانبیاء شاہِ ہردوسرا، مالکِ حرمین، ممتازِ کونین مولائے کل، فخر رسل، ہادی سبل، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، سیاح لامکاں، سید انس وجان، سرورِ کائنات، مختارِ شش جہات، باعث تخلیق آدم، رسول مکرم، احمد مجتبیٰ، معصوم و مصطفیٰ، محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، تو دوسری جانب سرتاج اولیاء، تاجدارِ اتقیاء، رحمتِ کردگار، حیدرِ کرار، ممدوحِ کونین، قبلۂ حسنین، زوجِ بتول، دامادِ رسول اسد اللہ الغالب، مولائے مشکل کشا، علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں، اس مقدس تعلق سے جو درِ شہسوار پیدا ہو وہ۔۔۔ جدی صاحب العین الکمال ۔۔۔ کا نعرہ نہ لگائے تو اور کس کو یہ حق پہنچے گا۔ باقی رہا۔۔۔ عین الکمال ۔۔۔ کا مفہوم، سو یہ جب تک 'عین' کے معنی نہ سمجھ میں آئیں، تب تک اِس کی صحیح بلندی سمجھ میں نہیں آسکتی۔

لفظ 'عین' کے معنی بھی محققین نے اُتنے ہی لکھے ہیں جتنے اِس کے حرف 'عین' کے اعداد ہیں،

یعنی ستر ۷۰ کے قریب اِس کے معنی ہیں جن میں مشہور ترین یہ ہیں، مثلاً: عین ایک حرف بھی ہے، عین چشمہ، عینک، نہر، آنکھ، زانو، ذات، آفتاب، سونا، نگہبانی، سرداری، سب معنوں میں آتا ہے۔ گویا جس ہستی پر یہ چسپاں کیا جائے گا وہ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے مکمل ترین ہستی ہوگی اور پھر جواُس کی ہوگی وہ بھی اپنی اصل کے انوار پر چمکے گی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ حضور غوث الثقلین نے جو ارشاد فرمایا وہ دَرحقیقت اپنی ہی بلندی کی تعریف کی ہے۔ کیونکہ کلماتِ غوثیہ میں حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرا اَدنیٰ رتبہ یہ ہے کہ اگر آسمان وزمین معدوم ہوجائیں تو اُس قادر وقیوم کی قدرتِ کاملہ سے جو حصہ مجھے ملا ہے، اُس کا بندہ ہونے کی حیثیت سے اَز سرنو پیدا کرسکتا ہوں۔

جب مولا کریم بندے کو یہ رتبہ عنایت فرمائے کہ جو کچھ چاہے اپنے مولا کریم کی قدرت کے ساتھ باطن سے ظاہر میں لائے تو کمال ولایت کی اور انتہا کیا ہوگی۔ لیکن مدارج وکمالات نبوت اس سے وراءالوراء ہیں۔ پھر باوجود اس علوشان کے نبوتِ تامہ وولایت کبریٰ کو علم، قدرت، ارادہ، صفات وذاتِ الٰہی سے کہیں بھول کر بھی مماثلت کا دعویٰ نہیں۔ وَذَالِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ۔

یہاں پر قصیدہ کو نبی ﷺ یعنی اپنے جد پاک کے تذکرہ پر ختم کرنے میں بعض رموز ہیں، ایک تو یہ کہ قصیدہ شریف کے شروع میں 'ساقی' کہہ کر اِس سے مراد ذاتِ نبی کریم رکھ کر شروع کیا تھا اور آخر پر بھی حضور ہی کے پاک تذکرہ پر ختم کیا گیا۔ دوئم یہ کہ جس محبت کی شراب کا ذکر فرمایا گیا ہے اُس کے قاسم (تقسیم فرمانے والے) حسبِ ارشادِ حدیثِ پاک۔۔۔ انما انا قاسم والمعطی ھو اللّٰہ ۔یعنی دیتا سب کو سب کچھ اللہ تعالیٰ ہے، مگر تقسیم میں کرتا ہوں۔۔۔ حضور پُرنور شافع یوم النشور ﷺ ہی ہیں، تو جس سے یہ انعام پایا اُسی کا گیت گایا، شعر:

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا ساتھ ہی منشی رحمت کا قلمدان گیا

۔۔۔ سوئم یہ کہ تمام کمالاتِ ولایت کا انتہائی درجہ وہی ذاتِ محمدی ﷺ ہے اور کسی ولی کا درجہ آں ذات والا صفات صاحب کمالات کے مساوی نہیں، اگر کسی پر اِس کے برخلاف ظہور ہوا بھی ہو جیسے بعض اولیاءاللہ کے کلمات میں پایا جاتا ہے تو وہ دو ۲ صورتوں سے خالی نہ ہوگا۔۔۔یا۔۔۔ وہ سکر کی وجہ سے ہوگا۔۔۔یا۔۔۔ صحو کی وجہ سے۔ پس 'سکر' میں حوصلہ کی تنگی اور 'صحو' میں آنحضور کے کمالات سے لاعلمی پائی جائے گی۔ اور یہ دونوں چیزیں تنگی اور لاعلمی بلند پایہ عاشقوں اور عالی حوصلہ طالبوں کی متروک ہیں۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ 'سکر' آفت کا محل ہے، کیونکہ وہ احوان کی پریشانی اور صحبت کا چلے جانا

اور اپنے سر رشتہ کا گم کرنا ہے اور طالب کے سب معنوں کا قاعدہ اس کے فنا۔۔یا۔۔محو۔۔یا۔۔اثبات سے ہوتا ہے۔ اگر طالب صحیح الحال نہ ہو تو تحقیق کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ اہل حق کا دِل سب موجودات سے تنہا ہونا چاہیے۔ اور حضرت گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ 'سکر' لڑکوں کی بازی گاہ ہے اور 'صحو' مردوں کے فنا کی جگہ۔ پھر 'صحو' دو[۲] طرح پر ہے: ایک صحو، غفلت پر دوسرا محبت پر۔ اور جو صحو، غفلت پر ہوتا ہے وہ بہت بڑا حجاب ہے اور جو محبت پر ہو وہ امانت دار کشف ہے۔

فقیر کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کلمات محتاج تاویل۔۔یا۔۔قابل سکوت ہوا کرتے ہیں۔ قائل کے 'سکر و صحو' کی بنا پر موجب طعن نہیں ہوتے۔ ان کا معاملہ مطلوبِ حقیقی کے ساتھ ہوتا ہے، وہ ان کو قابل مواخذہ سمجھے۔۔یا۔۔قابل عفو، قارئین وناظرین کی رائے کا دخل نہیں ہوسکتا۔ یعنی اگر کوئی مہمل۔۔یا۔۔مبہم کلمہ خلاف شرع کسی کامل کی زبان سے نکلے تو اُس کی تاویل کرنی چاہیے، کیونکہ سننے والے اُس کی حقیقت تعلق سے واقف نہیں ہوتے۔ اگر تاویل کا یارانہ ہو تو خاموش رہنا چاہیے اور یہی بہتر ہے۔ اور اگر ایسے کلمات کسی ناقص درویش سے سرزد ہوں تو یہ فتنہ ہوگا، اس کا علاج حدیث شریف میں یہ ہے کہ۔۔۔ ہر بُرائی کو ہاتھ سے اور منہ سے روکو اور اگر طاقت نہ رکھتے ہو تو خاموش رہو۔۔۔ مگر یہ ضعیف ایمان کا نشان ہوگا۔ بہر حال اس سے دُور رہنا اچھا ہے۔

چہارم اِس بابرکت ذات اور محبوبِ جد کے تذکرہ پر ختم کرنے کا ایک حقیقی فائدہ یہ بھی ہے کہ جو کوئی اِس کو پورے عقیدہ سے دِل میں جگہ دے کر پڑھے گا، آنحضور ﷺ رحمۃ للعلمین کے صدقہ میں ناقص سے کامل ہو جائے گا بشرطیکہ عشق کی شراب پی کر شرع محمدی ﷺ پر قائم رہے اور پاس انفاس کے راگ کا مضراب ہر رگ کی تار پر چلائے تا کہ مختلف آوازوں سے بہرہ ور ہو کر سرمدی سُر سے اپنے کانوں کو کامیاب بنائے۔ وباللہ التوفیق۔

قصیدهٔ غوثیه

سَقَانِی الْحُبُّ کَاسَاتِ الْوِصَالِ … فَقُلْتُ لِخَمْرَتِی نَحْوِیْ تَعَالِیْ
سَعَتْ وَمَشَتْ لِنَحْوِیْ فِیْ کُئُوْسٍ … فَهِمْتُ بِسُکْرَتِیْ بَیْنَ الْمَوَالِیْ
فَقُلْتُ لِسَائِرِ الْاَقْطَابِ لُمُّوْا … بِحَالِیْ وَادْخُلُوْا اَنْتُمْ رِجَالِیْ
وَهُمُّوْا وَاشْرَبُوْا اَنْتُمْ جُنُوْدِیْ … فَسَاقِی الْقَوْمِ بِالْوَافِیْ الْمَلَالِیْ
شَرِبْتُمْ فُضْلَتِیْ مِنْ بَعْدِ سُکْرِیْ … وَلَا نِلْتُمْ عُلُوِّیْ وَاتِّصَالِیْ
مَقَامُکُمُ الْعُلٰی جَمْعًا وَّلٰکِنْ … مَقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَازَالَ عَالِیْ
اَنَا فِیْ حَضْرَةِ التَّقْرِیْبِ وَحْدِیْ … یُصَرِّفُنِیْ وَحَسْبِیْ ذُوالْجَلَالِ
اَنَا الْبَازِیْ اَشْهَبُ کُلِّ شَیْخٍ … وَمَنْ ذَافِی الرِّجَالُ اَعْطِیْ مِثَالِیْ
کَسَانِیْ خِلْعَةً بِطَرَازِ عَزْمٍ … وَتَوَّجَنِیْ بِتِیْجَانِ الْکَمَالِ
وَاَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ … وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُوَالِیْ
وَوَلَّانِیْ عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا … وَحُکْمِیْ نَافِذٌ فِیْ کُلِّ حَالِ
فَلَوْاَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ بِحَارٍ … لَصَارَ الْکُلُّ غَوْرًا فِی الزَّوَالِیْ
وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ جِبَالٍ … لَدُکَّتْ وَاخْتَفَتْ بَیْنَ الرِّمَالِ
وَلَوْاَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ نَارٍ … لَخَمِدَتْ وَانْطَفَتْ مِنْ سِرِّحَالِیْ
وَلَوْاَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ مَیْتٍ … لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰی تَعَالٰی
وَمَامِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ … تَمُرُّوْ تَنْقَضِیْ اِلَّا اَتَا لِیْ
وَتُخْبِرُنِیْ بِمَا یَأْتِیْ وَیَجْرِیْ … وَتُعْلِمُنِیْ فَاَقْصِرُ عَنْ جِدَالِ
مُرِیْدِیْ هِمْ وَطِبْ وَاشْطَحْ وَغَنِّیْ … وَافْعَلْ مَا تَشَاءُ فَالْاِسْمُ عَالِ
مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ اَللّٰهُ رَبِّیْ … عَطَانِیْ رِفْعَةً نِلْتُ الْمَنَالِیْ
طُبُوْلِیْ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ دُقَّتْ … وَشَاوُسُ السَّعَادَةِ قَدْبَدَالِیْ
بِلَادُ اللّٰهِ مُلْکِیْ تَحْتَ حُکْمِیْ … وَوَقْتِیْ قَبْلَ قَبْلِیْ قَدْ صَفَالِیْ
نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا … کَخَرْدَلَةٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالِ
دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا … وَّنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَّوْلَی الْمَوَالِیْ
فَمَنْ فِیْ اَوْلِیَاءِ اللّٰهِ مِثْلِیْ … وَمَنْ فِی الْعِلْمِ وَالتَّصْرِیْفِ حَالِیْ
رِجَالِیْ فِیْ هَوَاجِرِهِمْ صِیَامٌ … وَفِیْ ظُلَمِ اللَّیَالِیْ کَاللَّاٰلِیْ
وَکُلُّ وَلِیٍّ لَّهٗ قَدَمٌ وَّاِنِّیْ … عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ
مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ وَاشٍ فَاِنِّیْ … عَزُوْمٌ قَاتِلٌ عِنْدَ الْقِتَالِ
اَنَا الْجِیْلِیُّ مُحْیُ الدِّیْنِ اِسْمِیْ … وَاَعْلَامِیْ عَلٰی رَاْسِ الْجِبَالِ
اَنَا الْحَسَنِیُّ وَالْمَخْدَعُ مَقَامِیْ … وَاَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ
وَعَبْدُ الْقَادِرِ الْمَشْهُوْرُ اِسْمِیْ … وَجَدِّیْ صَاحِبُ الْعَیْنِ الْکَمَالِ

منظوم اردو ترجمہ قصیدۂ غوثیہ

عشق نے بھر کے پلائے مجھ کو جام — وصلِ دلبر سے ہوا میں شاد کام
پھر کہا میں نے شراب وصل سے — مجھ میں مل جا آکے اپنی اصل سے
آگیا وہ خمرِ طاہر پُر سرور — بے پناہ تھیں مستیاں جس کے حضور
پی کے اس کو پی سے میں فوراً ملا — اور ہم عصروں کو بھی حصہ دیا
پھر کہا میں نے یہ کل اقطاب کو — حاضر وغائب شیوخ وشاب کو
دیکھ لو سب میرے حال وقال کو — اور میری محفل اشغال کو
قصد سے اپنے پیو بے انتہا — کیونکہ ہو لشکر میرے تم بَرملا
ساقیِ میخانہ عرفان ہوں — میں ہی ہر طالب کا اطمینان ہوں
پی چکا میں جب تو اک مستی ہوئی — پھر شرابِ معرفت سستی ہوئی
میرے پس خوردہ کا تھا یہ رنگ ڈھنگ — پی کے تم بھی ہوگئے شیر ونہنگ
ہیں تمہارے وہ مقامات بلند — پا نہیں سکتی جنھیں علمی کمند
پر مرا درجہ بہت محمود ہے — جو تمہاری منزلِ مقصود ہے
ہوں یگانہ قرب میں پیش اللہ — وصل حاصل ہے مجھے شام وپگاہ
ہے بدلتا رہتا میرا حال وقال — ہے مجھے کافی خدائے ذوالجلال
بارگاہِ قدس کا شاہباز ہوں — لامکاں میں برسرِ پرواز ہوں
کون ہے کس کو ملا ہے یہ مقام — جس نے پایا مجھ سے پایا لا کلام
خرقہ پہنایا مجھے تعظیم کا — سر پہ میرے تاج ہے تکریم کا
ہے اولوالعزمی میری اَدنیٰ کنیز — بے نیازی ہے مری عقلی تمیز
ہوگیا میں واقفِ اسرارِ حق — عہدِ ازلی کا ہوا ازبر سبق
آرزوئیں ہوگئیں پوری تمام — میں نے جو مانگا وہ پایا لاکلام
ہوگیا اقطاب کا میں حکمران — زیرِ فرمان ہیں مرے سب بے گمان
حکم جاری ہے مرا سب کے تئیں — ہر زمان وہر مکان میں بالیقین
میں اگر ڈالوں یہ دریاؤں پہ راز — جس نے مجھ کو کردیا ہے شاہباز
خشک ہوجائیں وہ سارے سر بسر — اور اک قطرہ نہ پائیں پُر حذر
اور گر ڈالوں میں ان اسرار کو — دیکھ کر اک سخت جال کوہسار کو
پارہ پارہ ہوکے مٹ جائیں ضرور — بیچ ریگستان کے مانند طور
آتش سوزاں پہ ڈالوں گر میں راز — جذب کے شعلے سے ہو وہ جانگداز
نار کیا ہے نور کے پیش نظر — آتشِ نمرود سے ہو سردتر
گر میں اپنا راز دوں مردے پہ ڈال — زندہ ہوجائے بفضل ذوالجلال

ہے خداوند دو عالم کی پسند
جس کو چاہے بخش دے درجے بلند

دہر میں آتے جو ماہ وسال ہیں
تابع فرماں میرے ہر حال ہیں

سب سے پہلے آتے ہیں وہ میرے پاس
پھر جہاں میں کرتے ہیں اعمال خاص

خبر دیتے ہیں مجھے ہر آن کی
عیش کی غم کی شکست وشان کی

یہ نہیں فضل خدا پر کچھ محال
چھوڑ دے اے معترض سب قیل وقال

اَے ارادتمند ہمت کر عزیز
بے نیازی کو ہمیشہ رکھ تمیز

ہو کے خوش جو چاہے دل سے کر سدا
نام سے میرے تُو ہوگا باخدا

اَے ارادتمند غیروں سے نہ ڈر
آسرا مجھ کو ہے اُس کی ذات پر

جس خدا نے بخششیں ہیں عام کیں
اور بے حد نعمتیں انعام کیں

بج گیا ڈنکا میری تقدیس کا
گڑ گیا جھنڈا میری تخصیص کا

کہہ گیا ہے مجھ کو یہ روح الامین
تیرے ہیں ارض وسما زیرِ نگیں

ہیں خدا کے ملک میرے ہاتھ میں
اور مافیہا ودُنیا ساتھ میں

مل گئیں مجھ کو ازل سے خوبیاں
ہیں بلندی پر مری محبوبیاں

دیکھتا ہوں کُل خدا کی کائنات
سامنے میرے ہیں پوری شش جہات

سامنے میرے ہیں ایسے سب جہاں
جس طرح رائی کا دانہ بے گماں

درس اور تدریس علمِ دین نے
معرفتِ ربی کے اس آئین نے

اِس قدر درجے کیئے مجھ کو عطا
غوث میں سارے جہاں کا ہوگیا

کس کو میری ہمسری کا ہو خیال
اولیاء میں جب نہیں میری مثال

کون ہے جو علم میں تعریف میں
ہو مقابل حال میں تصریف میں

میرے متبعین نیکوکار ہیں
بد ومرتاض وروزے دار ہیں

رات کی تاریکیوں میں ذوق سے
یاد کرتے ہیں خدا کو شوق سے

منزل قرب وتقرب میں عزیز
ہر ولیِ کی ہے جداگانہ تمیز

پر میں سب میں خاص عالی پایہ ہوں
رحمت عالمِ کے زیر سایہ ہوں

اے ارادتمند میرے ڈر نہ کر
میں چمکتی ہوئی تیری سپر

جنگ میں میں قاتل اشرار ہوں
رنگ میں اللہ کی گفتار ہوں

میرا محی الدین جیلانی ہے نام
زندگی ملت کو دینا میرا کام

ہے مری تقدیس نور ونار میں
میرے جھنڈے گڑ گئے کوہسار میں

نسب ہے حسنی مرا مخدع مقام
رازِ پوشیدہ کا آیا ہوں امام

سب میرے نیچے ہیں اس عرفان میں
ہے قدم میرا ہی اونچا شان میں

عبد قادر نام میں مشہور ہوں
سید وعالی نسب منشور ہوں

جد میری ہے بہت عین الکمال
جو ہے محبوب خدائے ذوالجلال

دیگر تصنیفاتِ حضرت ابوالفیض قدس سرہٗ

☆☆☆ جمال الٰہی
☆☆☆ جمال رسول ﷺ
☆☆☆ الفقروفخری
☆☆☆ سیاح لامکاں ﷺ
☆☆☆ موعظۃ اللمتقین
☆☆☆ تعارف سہروردیہ
☆☆☆ انوارِ سہروردیہ
☆☆☆ معراج سہروردیہ
☆☆☆ میلادِ رسول ﷺ
☆☆☆ دختر ملت
☆☆☆ رمضان المبارک۔۔یا۔۔اللہ کریم کا مہینہ
☆☆☆ کتاب الصوم
☆☆☆ لباس التقویٰ (داڑھی کا شرعی مسئلہ)
☆☆☆ باعث کون ومکاں ﷺ کا علم غیب
☆☆☆ صوتِ ہادی بعنوان معراج النبی ﷺ
☆☆☆ شعبان المعظم۔۔یا۔۔نبی کریم ﷺ کا مہینہ
☆☆☆ رجب المرجب میں زکوۃ کا اسلامی نظام۔۔۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿ہماری دیگر مطبوعات﴾

۔۔۔اردو ترجمۂ قرآن بنام 'معارف القرآن'۔۔۔

از: محدثِ اعظمِ ہند سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ

مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس ترجمۂ قرآن کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا۔۔۔ ''شہزادے آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہیں''۔

۔۔۔محدث اعظم ہند کی نعتیہ شاعری اور حیات وخدمت۔۔۔

Ph.D مقالہ (۵۵۲ صفحات) از: محمد فرحت علی صدیقی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ

۔۔۔سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی۔۔۔

از: شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی

(۱۰ جلدوں پر مبنی آسان اردو تفسیر قرآن)

۔۔۔الاربعین الاشرفی۔۔۔

از: شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی

(مشکوٰۃ شریف، باب ایمان سے ۴۰/احادیثِ نبویہ ﷺ کی محققانہ تشریح)

۔۔۔مسلم پرسنل لاء۔۔یا۔۔اسلامک لاء؟۔۔۔

از: شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی

۔۔۔قانون شریعت۔۔۔

از: حضرت علامہ مفتی احمد شمس الدین رضوی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ

(روزمرہ کی ضروریات کے متعلق ۲۵۰۰ مسائل پر مبنی جدید ایڈیشن)

۔۔۔جمالِ الٰہی۔۔۔

از: شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

۔۔۔فیضان سہروردیہ مع آدابُ المریدین (اردو)۔۔۔

از: محمد عبد السلام سہروردی و شیخ الاسلام حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

۔۔۔مسئلہ رؤیت ھلال اور احکام صیام کا تحقیقی جائزہ۔۔۔

تالیف: شیخ عماد الدین بن احمد بن ابی حجلۃ حفظہ اللہ مترجم: علامہ محمد سجاد حسین شامی (فاضل دمشق، شام)

---طِبُّ القرآن (علاج بالماء)---

از: حضرت حکیم عبد الغفار ذوقی المصطفائی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

شیطان کی پہچان وجسمانی، اخلاقی اور روحانی بیماریوں کے سد باب کے متعلق ایک بہترین تحریر

--علاوہ ازیں--شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کی تحریر کردہ درج ذیل کتب
مقالات شیخ الاسلام---تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین---محبت رسول روح ایمان---دین کامل
فریضۂ دعوت وتبلیغ---حدیث نیت کی شرح---مسئلہ سلام وقیام اور محفل میلاد (محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ)
(اور ان تمام کتب کے انگریزی زبان میں تراجم بھی)

Would You Like To Know Something About Islam

Mohammad Masood Ahmed

Essentials Of Islam

The Least We Should Know

Mohammad Masood Ahmed

Educational Series Books

1...Allah,The Lord of All The Worlds 2...The Prophet of All Prophets
3...Ramadan 4...101 Islamic Terms 5...The Name Muhammad ﷺ
6...The Burial Process of A Muslim 7...Our Daughters

---غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کے لیے ایک بہترین کتاب---

Would You Like To Know Something About Islam

کا فرنچ، اسپینش اور البانیہ کی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے جبکہ اردو، عربی، ہالینڈ کی ڈچ اور جرمن زبانوں میں ترجموں کا کام چل رہا ہے--مزید برآں--ترکی اور ہندی زبان میں بھی اس کتاب کے تراجم لانے کا انتظام ہو رہا ہے

ان شاء اللہ عنقریب انگریزی ترجمۂ قرآن اور سیرت رسول ﷺ پر انگریزی میں ایک عظیم الشان کتاب شائع کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔اس کے علاوہ قانون شریعت، رویت ہلال اور جمال الٰہی کا انگریزی ترجمہ بھی ہمارے پروگرام کا حصہ ہے

Muslim Personal Law or Islamic Law?

by: Shaikh-ul-Islam Syed Mohammad Madni Ashrafi Jilani

---مجموعۂ رسائل و مقالاتِ سہروردیہ---

مؤلفہ

شیخ الاسلام حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ

---صحیفۂ غوثیہ (اردو شرح) قصیدۂ غوثیہ---

شارح

شیخ الاسلام حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ

ان تمام کاموں کی توفیق مرحمت فرمانے کے لیے ہم اللہ رب العزت کے بے انتہاء شکر گزار ہیں
آپ ہمیں اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیئے۔ ۲۲/جنوری ۲۰۱۹ء +1-914-319-3839

گلوبل اسلامک مشن

انک

GIM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرکارِ غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا مشہور اسم 'محی الدین' ہے۔ 'احیاء' کے معنی زندگی دینا ۔۔۔یا۔۔۔زندہ کرنا اور 'محی' کے معنی زندہ کرنے والا ہے۔ زمانے میں جب عصیان وطغیان کا زور اور معصیت کاری وعدوان کا شور ہو، نیکی کے تمام پہلو جہان میں کمزور ومعدوم نظر آئیں، کسی کا دینِ مبین کی تبلیغ کرنا اور خلقِ خدا کو اَز سرِ نو دعوت حق پہنچانا اور لوگوں کو راہِ راست پر لانا گویا دین کو زندہ کرنا ہے۔

انسانوں میں معرفتِ الٰہی کا ذوق اور یادِ حق کا شوق پیدا کر دینا دین کو نئی زندگی بخشنا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بارش کے متعلق ارشاد ہے۔۔۔ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ﴿۵۷:۱۷﴾ ۔۔۔زمین کی موت اس کا روئیدگی سے محروم ہونا ہے، بارش نے آ کر اُس کو زندہ کر دیا، ایسے ہی سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے جب دُنیا فتنہ وفساد کی تاریکی اور بدعقیدگی کی ظلمت میں گھر رہی تھی، انوارِ دین کی ضیا پاشی فرمائی اور دینی کمزوریوں کو دُور کر کے پھر آفتابِ نصف النہار کی طرح زمانہ میں چمکا دیا اور یہی اس کی زندگی تھی۔

ہر ڈاکو، ہر رعونت پسند، ہر متکبر، ہر نفس پرست، ہر مدعی، ہر سلطانِ زمانہ کی فرعونیت مٹائی اور اس کی جگہ توحید ورسالت کی بستی بسائی۔ اور یہ واقعات اِس قدر ہیں جن کے لیے بجائے خود ایک دفتر کی ضرورت ہے اور یہ مبالغہ نہیں استعارہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ آں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے جو ملت کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، وہ حضور ہی کا حصہ تھیں۔۔۔ زیرِ نظر کتاب اسی ذاتِ عالی مقام کے قصیدۂ غوثیہ کی شرح ہے۔۔۔ اللہ رب العزت اس کو قبول ومنظور فرمائے۔ (امین)

9 789957 233129

Printed in Pakistan